خاندانی حالات

حضور (اعلیٰ حضرت) کے آباؤ اجداد قندھار کے موقر قبیلہ بڑیچ کے پٹھان تھے۔ شاہان مغلیہ کے عہد میں وہ لاہور آئے اور معزز عہدوں پر ممتاز ہوئے۔ لاہور کا شیش محل انہیں کی جاگیر تھا۔ پھر وہاں سے دہلی آئے اور معزز عہدوں پر فائز رہے۔ چنانچہ حضرت محمد سعید اللہ خان ششش ہزاری عہدہ پر فائز تھے اور شجاعت جنگ انہیں خطاب عطا ہوا تھا۔
ان کے صاحبزادے سعادت یار خان صاحب منجانب سلطنت ایک مہم سر کرنے کے لئے بریلی روہیل کھنڈ بھیجے گئے۔ فتیابی پر ان کو بریلی کا صوبہ دار بنانے کے لئے فرمانِ شاہی آیا، لیکن وہ ایسے وقت آیا کہ وہ بسترِ مرگ پر تھے۔
ان کے تین صاحبزادے تھے۔ (۱) اعظم خان (۲) معظم خان (۳) مکرم خان، جو بڑے بڑے مناصب جلیلہ پر ممتاز تھے، جو ایک ہزار ماہوار سے کم نہ تھا۔

اعظم خان:

بریلی تشریف فرما ہوئے، اور متبتل الی اللہ ہو کر زہد خالص و ترک دنیا اختیار فرمایا، شاہزادہ کا تکیہ جو محلّہ معماران بریلی میں ہے، آج بھی انہیں کی نسبت سے مشہور ہے۔ انہوں نے وہیں قیام فرما لیا تھا، اور وہیں ان کا مزار ہے۔
ان کے صاحبزادے جناب حافظ محمد کاظم علی خان صاحب ہر پنجشنبہ کو سلام کے لئے حاضر ہوتے اور گراں قدر رقم پیش کش حاضر کیا کرتے۔ ایک مرتبہ جاڑے کے موسم میں جب حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حضرت شاہ محمد اعظم خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس موسم سرما میں ایک دھونی کے دھرے کے پاس تشریف فرما ہیں، اور اس کڑاکے کے جاڑے میں جسم پر کوئی سرمائی پوشاک بھی نہیں۔ حافظ کاظم علی خانصاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنا بیش بہا دوشالہ اتار کر اپنے والد ماجد صاحب کو اوڑھا دیا۔ حضرت موصوف نے نہایت ہی استغناء سے اتار کر آگ کے دھرے میں رکھ دیا۔ حافظ صاحب کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا: کاش! اسے اور کسی کو عطا فرما دیا جاتا۔ حافظ صاحب کے دل میں یہ وسوسہ آنا تھا کہ حضرت شاہ صاحب نے اس آگ کے بھڑکتے دھرے میں سے دوشالہ کھینچ کر پھینک دیا اور فرمایا" کاظم! فقیر کے یہاں دھکڑ پکڑ کا معاملہ نہیں، لے اپنا دوشالہ" دیکھا تو اس دوشالہ میں آگ نے کچھ اثر نہ کیا تھا، ویسا ہی صاف و شفاف برآمد ہوا۔
یہ کرام اس معجزۂ نبوی ﷺ کا مظہر و نمونہ تھی کہ جس دستر خوان پر حضرتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں حضور اقدس ﷺ نے کھانا تناول فرمایا اور دستِ اقدس، دہن مبارک اس سے مس فرمایا تھا۔ حضرتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دعوت میں جبکہ وہ دستر خوان کثرتِ استعمال سے میلا ہو گیا تھا، اُسے دہکتے تنور میں ڈال دیا اور تھوڑی دیر کے بعد جب اسے نکالا تو صاف و شفا تھا، کہیں چرک اور میل کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ (۱) یہ کرامت اُسی معجزہ کی مظہر تھی۔ (نسخہ قدیم: صفحہ ۳،۲)

حضرت کاظم علی خان:

حضرت حافظ کاظم علی خان صاحب شہر بدایوں کے تحصیلدار تھے۔ اور یہ عہدہ آج کل کی کلکٹری کے قائم مقام تھا۔ دو سو سواروں کی بٹالین خدمت میں رہتی تھیں۔ آٹھ گاؤں جاگیر کے (مغل) شاہی دربار سے دوامی لاخراجی معافی عطا ہوئے تھے۔ اور اس جدوجہد میں دیئے گئے تھے کہ سلطنت اور انگریزوں میں جو کچھ مناقشات تھے، اُن کا تصفیہ ہو جائے۔ چنانچہ اسی تصفیہ کے لئے حضرت حافظ صاحب کلکتہ تشریف لے گئے تھے۔

حضرت مولانا رضا علی خان:

حضرت حافظ صاحب کے صاحبزادہ حضرت قدوۃ الواصلین زبدۃ الکاملین قطب الوقت مولانا شاہ رضا علی خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے۔ آپ کی مختصر حالت "تذکرۂ علمائے ہند، مصنفہ رحمٰن علی خان صاحب ممبر کونسل ریاست ریواں، مطبوعہ نول کشور پریس، لکھنؤ نومبر ۱۹۱۴ء مطابق ذی الحجہ ۱۳۳۲ کلے بار دوم میں درج ہے۔ چونکہ وہ کتاب فارسی زبان میں ہے اس لئے عام فہم و کثیر النفع ہونے کے خیال سے اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔
مولانا رضا علی خان صاحب بریلوی بن محمد کاظم علی خان بن محمد اعظم خان ابن محمد سعادت یا خان بہادر بریلی ملک روہیل کھنڈ کے بزرگ ترین علمائے کرام اور قوم افغان بڑیچ سے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد سلاطین دہلی کے دربار میں بڑے بڑے عالی مرتبہ منصب ششش ہزاری پر فائز تھے۔ مولانا رضا علی خان صاحب ۱۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے اور شہر ٹونک میں مولوی خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم و مغفور سے علومِ درسیہ حاصل کر کے ۲۲ سال کی عمر میں

۱۲۳۵ھ کو سند فراغ حاصل کر کے مشار الیہ اماثل واقران ومشہور اطراف وزمان ہوئے۔ خصوصاً فقہ وتصوف میں کامل مہارت حاصل فرمائی۔ بہت پر تاثیر تقریر فرماتے۔ آپ کے اوصاف شمار سے باہر ہیں۔ خصوصاً نسبت کلام، سبقت سلام، زہد وقناعت، علم وتواضع، تجرید وتفرید آپ کی خصوصیات سے تھے۔ ۲ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۶ھ میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ بڑیچ ایک گروہ افغان کا ہے۔ ان کو روہیلہ بھی کہتے ہیں۔ (ق،م،ج)

کرامات :

حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کمالات وکرامات میں بیان فرماتے تھے کہ۔

پہلا واقعہ :

حضرت کا گزر ایک روز کوچۂ سیتارام کی طرف سے ہوا۔ ہنود کے تیوہار ہولی کا زمانہ تھا۔ ایک ہندوانی بازاری طوائف نے اپنے بالاخانہ سے حضرت پر رنگ چھوڑ دیا۔ یہ کیفیت شارع عام پر ایک جوشیلے مسلمان نے دیکھتے ہی، بالاخانہ پر جاکر تشدد کرنا چاہا، مگر حضور نے اُسے روکا اور فرمایا۔ بھائی! کیوں اس پر تشدد کرتے ہو؟ اس نے مجھ پر رنگ ڈالا ہے خدا اُسے رنگ دے گا۔ یہ فرمانا تھا کہ وہ طوائف بے تابانہ قدموں پر آ کر گر پڑی، اور معافی مانگی، اور اُسی وقت مشرف بہ اسلام ہوئی۔ حضرت نے وہیں اُس نوجوان کے ساتھ اس کا عقد کر دیا۔

دوسرا واقعہ :

دوسرا واقعہ بیان فرماتے تھے کہ حضرت کے اعزہ میں ایک صاحب مسمّٰی بہ وارث علی خان محلہ سودگران میں رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حاضر خدمت ہو کر کچھ رقم بطور قرض حاصل کی۔ اُن کے شباب کا زمانہ تھا، اور مزاج آزادانہ واقع ہوا تھا، اسی لئے حضور نے فرمادیا تھا، کہ اس رقم کو بے جا صرف نہ کیا جائے۔ اقرار کیا اور چلے گئے۔ (مگر) اُسی روز اسی روپیہ کو لے کر ایک طوائف کے یہاں گئے۔ جب زینہ پر پہنچے، دیکھتے ہیں کہ حضرت کا عطا اور چھتری رکھی ہے۔ اُلٹے پاؤں واپس ہوئے۔ دوسرے بالاخانہ پر گئے۔ وہاں بھی یہی کیفیت دیکھی، واپس ہوئے۔ تیسری جگہ گئے، یہی ماجرا دیکھا، بالآخر واپس ہوئے اور حاضر خدمت اقدس ہو کر صدق دل سے توبہ کر لی۔

تیسرا واقعہ :

تیسرا واقعہ بیان فرماتے تھے کہ ایک برہمن ایک مسلمان لڑکے پر فریفتہ ہو گیا تھا۔ ایک روز وہ لڑکا بھاگتا ہوا آیا اور حضرت کی پناہ لی۔ اُس برہمن نے تلوار سے حملہ کیا جس سے کچھ خراش حضرت کے آ گئی۔ اُس زمانے میں دو پہلوان متصل مکان حکیم عبدالصمد صاحب رہتے تھے۔ اُن دونوں اور راہ گیر مسلمان نے مل کر اُس برہمن کو خوب زدوکوب کیا۔ آپ نے فرمایا: کیوں مارتے ہو؟ اللہ عزوجل اسے سزا دے گا۔ چنانچہ دیکھا گیا کہ سڑکوں کی نالیوں کا پانی منہ لگا کر پیتا تھا۔ جب تک زندہ رہا، یوں ہی خراب خستہ مارا مارا پھرا کیا۔

چوتھا واقعہ :

فقیر قادری جامع حالات رضوی غفرلہ کہتا ہے کہ فتنہ ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزوں کا تسلط ہوا، اور انہوں نے شدید مظالم کئے، تو لوگ ڈر کے مارے پریشان پھرتے تھے۔ بڑے لوگ اپنے اپنے مکانات چھوڑ کر گاؤں چلے گئے۔ لیکن حضرت مولانا رضا علی خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ محلہ ذخیرہ، اپنے مکان میں برابر تشریف رکھتے، اور پنج وقتہ نمازیں مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کیا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت مسجد میں تشریف رکھتے تھے کہ اُدھر سے گوروں (انگریزوں) کا گزر ہوا۔ خیال ہوا کہ شاید مسجد میں کوئی شخص ہو تو اس کو پکڑ کر پیٹیں۔ مسجد میں گھسے، اِدھر، اُدھر گھوم آئے، بولے کہ مسجد میں کوئی نہیں ہے۔ حالانکہ حضرت مسجد ہی میں تشریف فرما تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کو اندھا کر دیا کہ حضرت کو دیکھنے سے معذور رہے۔

یہ کرامت حضرت کی اس معجزۂ صادقہ نبویہ ﷺ کی تصدیق ہے کہ شب ہجرت کفار کے مجمع میں سے:

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ o

ترجمہ: ''اور ہم نے ان کے آگے دیوار بنادی اور اُن کے پیچھے ایک دیوار اور انہیں اوپر سے ڈھانک دیا تو اُنہیں کچھ نہیں سوجھتا۔ (ترجمۂ کنز الایمان)

حضور ﷺ باہر تشریف لے آئے اور وہ لوگ کھڑے کھڑے دیکھا کیے، مگر حضور اقدس ﷺ کسی کو نظر نہ آئے۔

مولانا نقی علی خان(رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ):

حضرت مولانا رضا علی خان صاحب قدس سرہٗ العزیز کے صاحبزادہ حضرت مولانا نقی علی خان صاحب قادری برکاتی آل رسول ہیں۔ جن کے مختصر حالات رسالہ مبارکہ جواہر البیان فی اسرار الارکان مطبوعہ مطبع حسنی محلہ سوداگران میں محررہ اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز حسب ذیل ہیں:

وہ جناب، فضائل مآب، تاج العلماء، رأس الفضلا، حامیٔ سنت، ماحیٔ بدعت، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ وارضاہ عنا وفی اعلیٰ غرف الجنان بواہ سلخ جمادی الآخر یا غرۂ رجب ۱۲۴۶ھ بارہ سو چھیالیس ہجریہ قدسیہ کو رونق افزائے وارد نیا ہوئے۔ اپنے والد ماجد حضرت مولائے اعظم، جبر عطمطم، فضائل پناہ، عارف باللہ، صاحب کمالات باہرہ و کرامات ظاہرہ، حضرت مولانا مولوی رضا علی خاں صاحب روح اللہ روحہ ونور ضریحہ سے اکتسابِ علوم فرمایا۔ بحمد اللہ! منصب شریف کا عمل کا پایہ ذروۂ علیا کو پہنچا۔

راست می گویم ویزداں نہ پسندد جز راست

جو وقت انظار و جد افکار، فہم صائب و رائے ثاقب، حضرت حق جل وعلا نے انہیں عطا فرمائی، ان دیار و امصار میں اس کی نظیر نظر نہ آئی۔ فراست صادقہ کی یہ حالت تھی کہ جس معاملہ میں جو کچھ فرمایا، وہی ظہور میں آیا۔ عقل معاش و معاد، دونوں کا بروجہ کمال اجتما بہت کم سنا۔ یہاں آنکھوں سے دیکھا۔ علاوہ بریں سخاوت، شجاعت، علوِ ہمت، کرم و مروت، صدقات خفیہ، میراث جلیہ، بلندیٔ اقبال، دبدبہ و جلال، موالات فقرأ، امر دینی میں دعم مبالات بہ اغنیا، حکام سے عزلت، رزق موروث پر قناعت، وغیر ذالک فضائل جلیلہ و خصائل جمیلہ کا حال وہی جانتا ہے، جس نے اُس جناب کی برکت صحبت سے شرف پایا ہے۔

ایں نہ بحریست کہ در کوزہ تحریر آید

مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ اُس ذات گرامی صفات کو خالق عز وجل نے حضرت سلطان رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کی غلامی و خدمت، اور حضور اقدس (ﷺ) نے اعدأ پر غلظت و شدت کے لئے بنایا تھا۔ بحمد للہ! اُن کے بازوئے ہمت وطنطنۂ صولت نے اس شہر کو فتنۂ مخالفین سے یکسر پاک کر دیا۔ کوئی اتنا نہ رہا کہ سر اُٹھائے یا آنکھ ملائے، یہاں تک کہ شعبان المعظم ۱۲۹۲ھ کو مناظرہ دینی کا عام اعلان مسمّٰی بنام تاریخ، اصلاح ذات بین، طبع کرایا، اور سوائے مہر سکوت یا عار فرار، وغوغائے جہال، و عجز و اضطرار کے کچھ جواب نہ پایا۔ فتنۂ شش مثلا کا شعلہ کہ سب سے سر بفلک کشیدہ تھا، اور تمام اقطار ہند میں اہل علم اُس کے اطفا پر عرق ریز و گردیدہ، وہ اُس جناب کی ادنیٰ توجہ میں بحمد اللہ! سارے ہندوستان سے ایسا فرد ہوا کہ جب سے کان ٹھنڈے ہیں، اہل فتنہ کا بازار سرد ہے۔ خود اُس کے نام سے جلتے ہیں، مصطفیٰ (ﷺ) کی خدمت، روز ازل سے اُس جناب کے لئے ودیعت تھی، جس کی قدرے تفصیل رسالہ تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال میں مطبوع ہوئی۔ **ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء**

تصانیف:

تصانیفہ شریفہ اُس جناب کی سب علوم دین میں، نافع مسلمین، دافع مفسدین، **والحمد للہ رب العلمین.** ازاں جملہ الکلام الاوضح فی تفسیر شرح الم نشرح کہ مجلد کبیر ہے، علوم کثیرہ پر مشتمل۔ **وسیلة النجاة** جس کا موضوع ذکر حالات سید کائنات (ﷺ) ہے۔ مجلد وسیط۔ **سرور القلوب فی ذکر المحبوب** کہ مطبع نول کشور میں چھپی۔ اور یہ کتاب مستطاب جواہر البیان فی اسرار الارکان جی کی خوبی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

ذوق ایں مئے نہ شناسی بخدا تانہ چشی

فقیر غفر اللہ تعالیٰ عنہٗ نے صرف اس کے ڈھائی صفحوں کی شرح میں ایک رسالہ مسمّٰی بہ **زواهر الجنان من جواهر البیان** ملقب بنام تاریخی **سلطنة المصطفیٰ فی لمکوت کل الوریٰ** تالیف کیا۔ **اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد** جس میں وہ قواعد ایضاح و ثابت فرمائے، جن کے بعد نہیں، مگر سنت کو قوت اور بدعت نجدیہ کو موت و حسرت۔ **هداية البرية الیٰ الشريعة الاحمديه** کہ دس فرقوں کا رد ہے۔ یہ کتابیں مطبع صبح صادق سیتاپور میں مطبوع ہوئیں۔ **اذاقة الآثام لمانعی عمل المولد و القيام** ان شأ اللہ العزیز عنقریب شائع ہوگی۔ **فضل العلم و العلماء** ایک مختصر سا رسالہ کہ بریلی میں طبع ہوا۔ **ازالة الاوهام** رد نجدیہ **تزكية الايقان** رد تقویت الایمان کہ یہ عشرۂ کاملہ زمانہ حضرت مصنف قدس سرہٗ میں تمبیض پاچکا۔ **الكواكب الزهرا فی فضائل العلم و آداب العلماء** جس کی تخریج احادیث فقیر غفر اللہ تعالیٰ نے رسالہ **النجوم الثواقب فی تخريج احاديث الكواكب** لکھا۔ **الرواية الروية فی الاخلاق النبوية** .... **النقلوة النقوية فی الخصائض النبوية** .... **لمعة النبراس فی آداب الاكل واللباس** .... **التمكن فی تحقيق مسائل التزين** .... **احسن الوعاء فی**

آداب الدعا .... **هداية المشتاق الىٰ سر الانفس و الآفاق** .... **ارشاد الاحباب الىٰ آداب الاحتساب** .... **اجمل الفكر فى مباحث الذكر** .... **عين المشاهده لحسن المجاهده** .... **تشريق الاواه الىٰ طريق محبة الله** .... **نهاية السعاده فى تحقيق الهمة و الارادة** .... **اقوى الذ ريعه الىٰ تحقيق الهمة و الارادة** .... **اقوى الذريعه الىٰ تحقيق الطريقة و الشريعة** .... **ترويح الارواح فى تفسير سورة الانشراح** ....

ان پندرہ رسائل مابین وجیز ووسیط کے مسودات، موجود ہیں۔ جن کے تبییض کی فرصت حضرت قدس سرہٗ نے نہ پائی۔ فقیر غفرلہٗ کا قصد ہے کہ انہیں صاف کر کے ایک مجلد میں طبع کرادے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔

کہ حلوا بہ تنہا نہ بایست خورد

ان کے سوااور تصانیف شریفہ کے مسودے، بستوں میں ملتے ہیں، مگر منتشر، جن کے اجزاء اول یا آخر یا وسط سے کم ہیں۔ ان کے بارے میں حسرت و مجبوری ہے۔ غرض عمر اس جناب کی ترویج دین، وحمایت مسلمین، ونکایت اعداء وحمایت مصطفیٰ (ﷺ) میں گزری۔ جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء آمین۔ (ق ۶،۸)

بیعت و خلافت:

پنجم جمادی الآخر ۱۲۹۴ھ کو مارہرہ مطہرہ میں دست حق پرست حضرت آقائے نعمت، دریائے رحمت، سید الواصلین، سند الکاملین، قطب اوانہ، امام زمانہ، حضور پرنور، سیدنا ومرشدنا، مولانا وماوانا، ذخرفی لیومی وغدی، حضرت سیدنا شاہ آل رسول احمدی تاجدار مارہرہ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ وارضاہ، عنا و افاض علینا من برکاتہ ونعمائہٖ پر شرف بیعت حاصل فرمایا، حضور پرنور مرشد برحق نے مثال خلافت واجازت جمیع سلاسل، وسند حدیث عطا فرمائی، یہ غلام ناکارہ بھی اسی جلسہ میں اس جناب کے طفیل ان برکات سے شرف یاب ہوا۔ والحمد للہ رب العلمین۔ (ق۔۸)

حج و زیارت :

۲۶ شوال ۱۲۹۵ھ کو باوجود شدت علالت وقوت ضعف، خود حضور اقدس (ﷺ) کے خاص طور پر بلانے کے سبب کہ **من رانی فی المنام فقد رانی (رواه الامام احمد و البخارى و الترمذى عن انس (رضى الله تعالىٰ عنهُ)** عزم زیارت وحج مصمم فرمایا۔ یہ غلام اور چند اصحاب وخدام ہمراہ رکاب تھے۔ ہر چند احباب نے عرض کی کہ علالت کی یہ حالت ہے، آئندہ سال پر ملتوی فرمائیے۔ ارشاد فرمایا: "مدینہ طیبہ کے قصد سے قدم دروازہ سے باہر رکھ لوں، پھر چاہے روح اسی وقت پرواز کر جائے، دیکھنے والے جانتے ہیں کہ تمام مشاہد میں تندرستوں سے کسی بات میں کمی نہ فرمائی۔ بلکہ وہ مرض خود نبی (ﷺ) کے ایک آبخورہ میں دوا عطا فرمانے سے کہ

من رانى فقد رأى الحق (رواه احمد و الشيخان عن ابى قتادة رضى الله تعالىٰ عنهُ)

حد منع پر نہ رہا۔ وہاں حضرت اجل العلماء، اکمل الفضلا حضرت سیدنا احمد زین دحلان شیخ الحرم وغیرہ علمائے مکہ معظمہ سے مکرر سند حدیث حاصل فرمائی۔ (۸،۹)

وصال:

سلخ ذیقعدہ روز پنجشنبہ وقت ظہر ۱۲۹۷ ہجریہ قدسیہ کو اکیاون برس پانچ مہینہ کی عمر میں بعارضۂ اسہال دموی، شہادت پا کر شب جمعہ اپنے والد ماجد صاحب قدس سرہٗ العزیز کے کنار میں جگہ پائی۔ **انا لله و انا اليه راجعون !**

روز وصال نماز صبح پڑھ لی تھی، اور ہنوز وقت ظہر باقی تھا کہ انتقال فرمایا، نزع میں سب حاضرین نے دیکھا کہ آنکھیں بند کئے متواتر سلام فرماتے تھے۔ جب چند انفاس باقی رہے، ہاتھوں کو اعضائے وضو پر یوں پھیرا گویا وضو فرما رہے ہیں۔ یہاں تک کہ استنشاق بھی فرمایا۔ سبحان اللہ عزوجل! وہ اپنے طور پر حالت بیہوشی میں نماز ظہر بھی ادا فرما گئے۔ جس وقت روح پرفتوح نے جدائی فرمائی، فقیر سرہانے حاضر تھا۔ واللہ العظیم ایک نور لمیع علانیہ نظر آیا کہ سینہ سے اٹھ کر برق تابندہ کی طرح چہرہ پر چمکا، اور جس طرح لمعان خورشید آئینہ میں جنبش کرتا ہے، یہ حالت ہو کر غائب ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی روح بدن میں نہ تھی۔ پچھلا کلمہ کہ زبان فیض ترجمان سے نکلا "اللہ" تھا و بس۔ اور اخیر تحریر کہ دست مبارک سے ہوئی **بسم الله**

الرحمٰن الرحیم تھی کہ انتقال سے دو روز پہلے ایک کاغذ پر لکھی تھی۔

بعدہٗ فقیر نے حجور پیرومرشد برحق (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) رویا (خواب) میں دیکھا کہ حضرت والد ماجد قدس سرہٗ الاماجد کے مرقد پر تشریف لائے، غلام نے عرض کیا: حضور! یہاں کہاں؟ **او لفظا ھذا معناہ** آج سے یا اب سے یہیں رہا کریں گے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ذھب الذین یعاش فی اکنافھم و بقیت فی الناس کجلد الاحوب

لیھن دعاء الناس و لیضرح الجھل فبعدک لا یرجو البقاء ،من لہ عقل

الھم ارحمھما و ارض عنھماو اکرم نزلھما و افض علینا من برکاتھما آمین برحمتک یا ارحم

الراحمین و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدُنا و مولیٰنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین. آمین!

فقیر غفرلہ نے چند سجع اس جناب کی تواریخ ولادت باسعادت، و وصال خیر مآل، علم غیب سے پائے، جن میں التزام ہے کہ باوجود انتظام سلسلۂ عبارت، ہر فقرہ ایک مستقل جملہ ہو، جو کسی طرف سے تعلق عطف نہ رکھتا ہو۔ جس کے سبب جو مادہ چاہیئے تنہا محل تاریخ میں سنائیے کہ تعداد مواد کا سچا محصل یہی ہے۔ اس کے ساتھ یہ التزام بھی رہا کہ تکمیل عدد کو لفظ حشو نہ بڑھا۔ بعض مادے یہاں قرطاس پر جلوہ افروز۔

تواریخ ولادت:

جاء ولی نقی الثیاب علی الشان ....فیہ اشارۃ الی اسمہ قدس سرہ و الثیاب الاعمال قال تعالیٰ و ثیابک فطھر رضی الاحوال بھی المکان..........ھوا اجل محققی الافاضل ....شھاب المدققین الاماثل ....قمر فی برج الشرف..........بری من الخسوف والکلف..........افضل سباق العلماء..........اقدم حذاق الکرماء ....!

تاریخ وفات:

کان نہایۃ جمع العظماء..........خاتم اجلۃ الفقھا..........امین اللہ فی الارض ابدا..........عن النبی (ﷺ) العلم امین اللہ فر الارض اخرجہ الامام ابو عمر فی کتاب العلم..........ان موتۃ العالم موتۃ العالم..........وفات عالم الاسلام ثلمۃ فی جمع الانام..........و فی الخبر "موت العالم ثلمۃ فی الاسلام لا تنسد الیٰ یوم القیٰمۃ" او کماورد واللہ تعالیٰ اعلم..........خلل فی باب العباد لا ینسد الیٰ یوم القیام ....یا غفور ....کمل لہ ثوابک یوم النشور ....امنحۃ جنۃ اعدت للمتقین..........صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد و آلہ واھلہ اجمعین.......... کتبہ عبدہٗ المذنب احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی غفراللہ لہ و حقق املہ. (ق.۱۰،۹)

حالات :

"تذکرۂ علمائے ہند، فارسی مطبوعہ مطبع نولکشور میں اعلیٰ حضرت اور ان کے والد ماجد صاحب قدست اسرارہما کے مختصر حالات درج ہیں۔ عام فہم ہونے کے لئے اس جگہ اس کا اردو ترجمہ درج کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

مولوی نقی علی خان بریلوی ابن مولوی رضا علی خان ساکن بریلی روہیلکھنڈ غرہ رجب المرجب ۱۲۴۶ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے والد ماجد سے تعلیم و تربیت پائی، اور علوم درسیہ سے فراغت حاصل فرمائی۔ ذہن ثاقب ورائے صائب رکھتے تھے۔ حق تعالیٰ نے ان کو عقل معاش ومعاد دونوں میں ممتاز اقران بنایا تھا۔ علاوہ شجاعت جبلی کے حضرت صفت سخاوت، تواضع، استغناء سے موصوف تھے۔ اپنی تمام قیمتی عمر اشاعت سنت وازالۂ بدعت میں صرف فرمائی۔ پھر مسئلہ امتناع نظیر میں ایک دینی مناظرہ کا اعلان بنام تاریخ اصلاح ذات البین ۲۶ شعبان ۱۲۹۳ھ میں شائع فرمایا، اور مسئلہ امتناع نظیر حضور نبی اکرم (ﷺ) میں بہت زبردست کوشش فرمائی اور مخالفین کا رد فرمایا۔ جس کا مفصل بیان رسالہ مبارکہ تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال میں طبع ہو کر شائع ہو چکا۔ ۱۲۹۴ھ میں تاجدار مارہرہ مطہرہ حضرت سیدنا شاہ آل رسول قدس سرہٗ العزیز کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت سے مشرف ہوئے، اور جملہ سلاسل جدیدہ وقدیمہ وسنت حدیث شریف اور خلافت سے معزز وممتاز ہو کر ۱۲۹۵ھ میں زیارت حرمین طیبین سے مشرف ہوئے، اور حضرت سیدی زین وحلان ودیگر علمائے حرمین شریفین سے اجازت وسند حدیث حاصل فرمائی، سلخ ذیقعدہ ۱۲۹۷ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا، اور حیات شیریں، جاں آفریں کے سپرد فرمائی۔ اور روضۂ رضوان میں آرام واطمینان وسکون حاصل فرمایا۔

جامع حالات فقیر ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ کہتا ہے کہ اس کے بعد ان پچیس تصنیفات کا ذکر ہے۔ جو اوپر مذکور ہوئیں۔ اس لئے دوبارہ ذکر کرنا بے فائدہ ہے۔ (ق ۱۰، ۱۱)

شجرۂ آباء و اجداد:

عالی جاہ شجاعت جنگ بہادر جناب مستغنی عن الالقاب شاہ سعید اللہ خان صاحب قندھاری بزمانہ سلطان محمد شاہ، نادر شاہ کے ہمراہ دہلی آئے اور منصب شش ہزاری پر فائز ہوئے۔ ان کو سلطان والاشان کے یہاں سے بہت سے مواضعات، جو زیر ین ریاست رامپور میں معافی علی الدوام پر ملے تھے، یہ مواضعات ان کی اولاد کے پاس اب موجود نہیں۔ ان کا ایک شیش محل لاہور میں تھا، جس کا ابھی تک کچھ اثر باقی ہے۔ اُن کے ایک صاحبزادہ تھے، جو سلطان محمد شاہ کے یہاں وزیر دولت تھے۔ جن کو سلطان سے کچھ مواضعات ضلع بدایوں کے معافی میں ملے تھے۔ وہ اب تک انہیں کی نسل میں موجود ہیں۔ ان کا نام سعادت یار خان تھا۔ اُن کی نرینہ اولاد تین تھی۔ بڑے شاہزادہ والا تبار محمد اعظم خان صاحب ہیں، اور یہی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت قدس سرہٗ العزیز کے مورث اعلیٰ ہیں۔ یہ اپنی وزارت کے عہدہ سے علیحدہ ہو کر زہد وریاضت میں مشغول ہو گئے تھے۔ (ق ۱۳، ۱۴)

سعادت یار خان صاحب:

کے دو فرزند اور تھے۔ ایک شاہزادہ معتصم خاں صاحب، ان کی اولاد میں مولوی بخش اللہ خان صاحب وغیرہ ہیں۔ تیسرے صاحبزادہ مکرم خان صاحب وغیرہ ان کی اولاد نرینہ اب نہیں ہے۔ البتہ ان کی نسل (میں) ان کی نواسیوں کی اولاد ہے۔ (ق ۱۴)

اعظم خان صاحب:

انہوں نے دو عقد کئے، پہلے زوجہ سے حافظ کاظم علی خاں صاحب ہیں اور دوسری بیوی سے چار صاحبزادیاں ہوئیں۔

حافظ کاظم علی خاں صاحب:

آصف الدولہ کے یہاں وزیر تھے۔ انہوں نے تین شادیاں کیں۔ زوجہ اولیٰ سے تین اولادیں۔ دو لڑکے (امام العلماء مولانا رضا علی خاں، رئیس الحکماء حکیم تقی علی خاں) اور ایک لڑکی (زینت عرف موتی بیگم)۔ زوجۂ ثانیہ سے تین لڑکیاں (بدر النساء، صدر النساء، قمر النساء ہوئیں) اور تیسری بیوی جو حرم تھی اُس سے ایک لڑکا مسمّی بہ جعفر علی خاں (ہوا) جس کی نسل ختم ہو گئی۔ (ق ۱۴)

حضرت امام العلما مولانا رضاعلی خان:

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس سرہٗ العزیز کے جد مکرم ہیں۔ یہ اپنے زمانے کے مشاہیر علماء میں سے تھے۔ انہوں نے دو عقد کئے۔ پہلی بیوی سے

رئیس الاتقیا مولانا نقی علی خان صاحب والد ماجد اعلیٰ حضرت، اور ایک صاحبزادی جو رئیس الحکماء کے بڑے فرزند مہدی علی خان صاحب کو منسوب تھیں۔ اور دوسری جس کا نام مستجاب بیگم تھا، وہاب علی خان صاحب آنولوی سے بیاہی گئیں اور لاولد فوت ہوئیں۔ (ق ۱۴۔۱۵)

رئیس الحکماٗ حکیم محمد نقی علی خاں :

یہ امام العلماء کے حقیقی بھائی تھے۔ بہت بڑے قوی ہیکل، بہادر اور فنِ طب میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے دہلی کے خاندان اطبا کے سر پرست حکیم محمد واصل خان صاحب کی صاحبزادی سے عقد کیا تھا۔ یہ مہاراجہ جے پور کے یہاں طبیب خاص تھے۔ ابتداء ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے سالے کے لڑکے حکیم محمد سلیم خان صاحب کو، جو جے پور کے مشہور اطبا سے ہیں اور، "بہرے حکیم" کے نام سے مشہور خاص وعام ہیں۔ متبنیٰ کیا تھا۔ ریاست جے پور سے تین لاکھ سالانہ منافع کی جائداد رئیس الحکماء کو کانعام میں ملی تھی۔ جو رئیس الحکماء نے کمال فراخ دلی سے اپنے متبنیٰ حکیم محمد سلیم خان صاحب کو دیدی تھی۔ حالانکہ اس وقت اپنی اولاد بھی تھی۔ چنانچہ اب تک وہ جائداد حکیم صاحب موصوف کے نواسوں کے پاس ہے، اور وہ اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔ ان کو حکیم واصل خان صاحب کی صاحبزادی کے بطن سے چار لڑکے ہوئے۔ مہدی علی خان، حکیم ہادی علی خانصاحب، فتح علی خان صاحب، فدا علی خان صاحب۔ ان میں بڑے صاحبزادے مہدی علی خان صاحب کا عقد رئیس الاتقیا کی ہمشیرہ حقیقی سے ہوا۔ ان کی اولاد میں احمد حسن خان صاحب تھے۔ دوسرے فرزند حکیم ہادی علی خان صاحب کا عقد ریاست ٹونک میں جناب عبد العلیم خان صاحب کی لڑکی سے ہوا اور چار اولادیں ہوئیں۔ ہدایت علی خان، سردار ولی خان، محبوب علی خان، صدیق النسا بیگم اور تیسرے فرزند فتح علی خان صاحب کی اولاد تین لڑکے، بابو حاجی فرحت علی خان، امراد ولی خان اصغر علی خان اور چار لڑکیاں ہیں۔ اور چوتھے فرزند فدا علی خان کی اولاد، فراست علی خان، مصاحب بیگم، قادری بیگم، حیدری بیگم، ایک اور لڑکی پانچ افراد پر مشتمل ہے۔ (ق ۱۵۔۱۶)

حافظ کاظم علی خان کی صاحبزادی زینت، جو کو موتی بیگم کہتے تھے، ان کی شادی محمد حیات خان سے ہوئی یہ یوسف زئی سے ہیں۔ (ق ۱۶)

رئیس الاتقیاء حضرت مولانا نقی علی خان صاحب والد ماجد اعلیٰ حضرت امام اہلسنت کی شادی اسفند یار بیگ کی بڑی صاحبزادی (حسینی خانم) سے ہوئی، جن سے حسب ذیل اولادیں ہوئیں۔ (۱) اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان (۲) مولانا حسن رضا خان (۳) مولانا محمد رضا خاں (۴) حجاب بیگم زوجہ وارث علی خان (۵) احمدی بیگم زوجہ شاہ ایران خان (۶) محمدی بیگم زوجہ کفایت اللہ خان۔ (ق ۱۷)

ولادت با سعادت (اعلیٰ حضرت) اور بزرگوں کی پیش گوئیاں

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ جس وقت اعلیٰ حضرت قبلہ بطن مادر میں تھے، آپ کے والد ماجد صاحب نے ایک بہت ہی عجیب خواب دیکھا، جس کی وجہ سے کچھ پریشانی سی لاحق ہوئی۔ رات بھر اس خواب کی فکر میں رہے، اور صبح اُٹھے تو بھی اس کی تشویش باقی تھی۔ صبح حضرت سراپا فیض و برکت علامہ مولانا رضا علی خان صاحب (اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ) سے خواب بیان فرمایا۔ حضرت ممدوح نے فرمایا: "یہ مبارک خواب ہے۔ بشارت ہو کہ پروردگار عالم تمہارے نطفہ سے ایک فرزند عطا فرمائے گا، جو علم کے دریا بہائے گا، جس کا شہرہ مشرق و مغرب میں پھیلے گا۔ (ق،۲۲)

ولادت با سعادت اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملتِ طاہرہ مولانا شاہ محمد احمد رضا خان صاحب کی آپ کے شہر بریلی شریف محلہ جسولی میں، کہ پہلے وہی آپ کا آبائی مکان اور جد امجد مولانا شاہ رضا علی خان صاحب قدس سرہٗ کا قیام تھا، ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ بروز شنبہ وقت ظہر مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء موافق ۱۱ جیٹھ سدی ۱۹۱۳ء سمبت کو ہوئی۔ (ق،۱)

جناب علی محمد خان صاحب اعلیٰ حضرت کے بھانجے فرماتے تھے کہ میری والدہ مرحومہ اعلیٰ حضرت کی بڑی بہن تھیں۔ وہ فرماتی تھیں کہ جب اعلیٰ حضرت پیدا ہوئے تو میرے والدان کو جناب دادا صاحب (قدس سرہٗ العزیز) کی خدمت میں لے گئے۔ دیکھ کر گود میں لیا اور فرمایا: یہ میرا بیٹا بہت بڑا عالم ہوگا، اور جب منجھلے میاں مولوی حسن رضا خان صاحب (رحمۃ اللہ تعالیٰ پیدا ہوئے ان کو دیکھ کر فرمایا: یہ میرا بیٹا مستان ہوگا۔ (ق،۲۱)

(اعلیٰ حضرت کا) تاریخی نام المختار ہے۔ حضور نے اپنا سن ولادت مکتوبات شریف میں حسب ذیل آیۂ کریمہ سے استخراج فرمایا ہے۔

اولئک کتب فی قلوبهم الایمان و ایدهم بروح منه ط

حسن اتفاق کہ اس وقت آفتاب منزل غفر میں تھا، جو اہل نجوم کے نزدیک بہت ہی مبارک ساعت ہے۔ ولنعم من قال

دنیا، مزار، حشر، جہاں ہیں غفور ہیں

ہر منزل اپنے ماہ کی منزل غفر کی ہے (ق،۱)

ملفوظات حصہ سوم میں ہے: "ولادت کی تاریخ اس آیۂ کریمہ میں ہے:

اولئک کتب فی قلوبهم الایمان و ایدهم بروح منه ط

جس کا ترجمہ یہ ہے: "یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا ہے، اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعہ سے ان کی مدد فرمائی ہے۔"

اور اس کا صدر یہ ہے:

لاتجد قوما یومنون بالله والیوم الاخر یوالون من حادالله و رسوله ولو کانوا آبائهم او ابناء هم او اخوانهم او عشیرتهمo

ترجمہ: "نہ پائیں گے آپ ان لوگوں کو جو اللہ و رسول اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اللہ و رسول کے مخالفوں سے دوستی رکھیں اگرچہ وہ اُن کے باپ یا اُن کی اولاد یا اُن کے بھائی یا اُن کے کنبے قبیلے ہی کے کیوں نہ ہوں۔"

اسی کے متصل فرمایا:

اولئک کتب فی قلوبهم الایمان

بحمد اللہ تعالیٰ! بچپن سے مجھے نفرت ہے اعداء اللہ سے۔ اور میرے بچوں اور بچوں کے بچوں کو بھی بفضل اللہ تعالیٰ عداوت اعداء اللہ گھٹی میں پلا دی گئی ہے۔ اور بفضلہ تعالیٰ یہ وعدہ بھی پورا ہوا۔ اولئک کتب فی قلوبهم الایمان بحمد اللہ! اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا لا الہ الا اللہ دوسرے پر لکھا ہوگا محمد رسول اللہ (عزوجل و ﷺ) اور بحمد اللہ تعالیٰ ہر بد مذہب پر ہمیشہ فتح و ظفر حاصل ہوئی، رب العزت جل جلالہ نے روح القدس سے تائید فرمائی، اللہ تعالیٰ پورا فرمائے۔

ویدخلهم جنٰت تجری من تحتها الانهٰر خٰلدین فیها رضی الله عنهم و رضوعنه اولئک حزب الله الا ان حزب الله هم المفلحون

ترجمہ: اور انہیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں، ان میں ہمیشہ رہیں، اللہ اُن سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، یہ اللہ کی جماعت ہے۔ سنتا ہے اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان پارہ ۲۸ رکوع ۳)

پھر فرمایا: یہ سب برکات ہیں حضرت جدامجد (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) کی۔ قرآن عظیم میں خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ میں ہے کہ دو یتیم ایک مکان میں رہتے تھے، اس کی دیوار گرنے والی تھی اور اسکے نیچے ان کا خزانہ تھا۔ خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس دیوار کو سیدھا کر دیا۔ اس واقعہ کو فرمایا جاتا ہے **وکان ابوھما صالحا** اور اُن کا باپ نیک آدمی تھا۔ (ترجمہ رضویہ پارہ ۱۶ سورہ کہف رکوع ۱۰) اس کی برکت سے یہ رحمت کی گئی۔ عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) فرماتے ہیں وہ باپ اُن کی چودھویں پشت میں تھا۔ صالح باپ کی یہ برکات ہوتی ہیں، تو یہاں تو ابھی تیسری ہی پشت ہے دیکھئے کب تک برکات اس سلسلہ میں رہیں۔

بچپن کے حالات

مولوی عرفان علی صاحب قادری رضوی بیسلپوری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی مسجد کے سامنے کھڑا تھا۔ اس وقت میری عمر ساڑھے تین سال کی ہوگی، ایک صاحب اہل عرب کے لباس میں ملبوس جلوہ فرما ہوئے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ عربی ہیں۔ انہوں نے مجھ سے عربی زبان میں گفتگو فرمائی۔ میں نے فصیح عربی میں اُن سے گفتگو کی۔ اُس بزرگ ہستی کو پھر کبھی نہ دیکھا۔ (ق،۲۲)

جناب سید ایوب علی صاحب فرماتے ہیں کہ حضور کی عمر شریف تقریباً ۵،۶ سال ہوگی، اس وقت صرف ایک بڑا کرتا پہنے ہوئے باہر تشریف لائے کہ سامنے سے چند طوائف زنان بازاری گزریں۔ آپ نے فوراً کرتے کا اگلا دامن دونوں ہاتھوں سے اُٹھا کر چہرہ مبارک کو چھپالیا اور ستر کھول دیا، آپ نے برجستہ اس کو جواب دیا: ''جب نظر بہکتی ہے تب دل بہکتا ہے جب دل بہکتا ہے تو ستر بہکتا ہے۔'' یہ جواب سن کر وہ سکتہ کے عالم میں ہوگئی۔ (۲)(ق،۲۳)

جناب سید ایوب علی صاحب فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ محلہ سوداگران کی مسجد کے قریب آپ کی طفولیت کے زمانہ میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی، انھوں نے اعلیٰ حضرت کو سر سے پاؤں تک بغور دیکھا اور کئی بار دیکھا۔ پھر فرمایا: تم رضا علی خان کے کون ہو؟ حضور نے جواب دیا: میں اُن کا پوتا ہوں، فرمایا: ''جبھی'' اور تشریف لے گئے۔ (ق،۲۰)

سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک روز مولوی صاحب موصوف حسب معمول بچوں کو پڑھا رہے تھے کہ ایک بچے نے سلام کیا۔ مولوی صاحب نے جواب دیا، جیتے رہو۔ اس پر حضور نے عرض کیا: یہ تو سلام کا جواب نہ ہوا، وعلیکم السلام کہنا چاہئے تھا۔ مولوی صاحب سُن کر بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔ (ق،۲۴)

جناب علی محمد خان صاحب اعلیٰ حضرت کے بھانجے کا بیان ہے کہ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں۔ ایک روز کسی نے دروازے پر آواز دی۔ اعلیٰ حضرت (کہ اُن کی عمر اس وقت دو برس کی تھی) باہر تشریف لے گئے دیکھا کہ ایک بزرگ فقیر منش کھڑے ہیں۔ آپ کو دیکھتے ہی فرمایا: آؤ! آپ تشریف لے گئے، سر پر ہاتھ پھیرا، اور فرمایا: تم بہت بڑے عالم ہو۔ (ق،۲۲)

ملفوظات حصہ اول میں ہے:

اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ میں ایک روز حکیم وزیر علی صاحب کے یہاں قریب دس بجے دن کے جارہا تھا۔ میری عمر اس وقت جیلانی (اعلیٰ حضرت مدظلہٗ کے پوتے یعنی برخوردار ابراہیم رضا خان سلمہ) کے برابر تھی (یعنی دس سال) کہ سامنے سے ایک بزرگ سفید ریش، نہایت شکیل، وجیہ تشریف لائے، اور مجھ سے فرمایا: سنتا ہے بچے آج کل عبدالعزیز ہے اس کے بعد عبدالحمید اس کے بعد عبدالرشید (یعنی رشاد آفندی) اور فوراً نظر سے غائب ہوگئے۔ چنانچہ اس وقت تک ان بزرگ کا قول بالکل مطابق ہوا۔ (ق،۲۴)

سید ایوب علی صاحب کیا بیان ہے کہ ایک روز صبح کے وقت حاجی منتھن خان صاحب جن کا اسم گرامی حاجی محمد شاہ خان صاحب تھا محلہ سوداگران میں جاروب کشی فرمارہے تھے۔ چونکہ ہم لوگوں کو یہ پہلا اتفاق دیکھنے کا ہوا، برادرم قناعت علی صاحب کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ ایک بزرگ ہستی جو نہ صرف ایک معمر، دیندار، اہل علم ہیں، بلکہ معقول زمینداری بھی رکھتے ہیں، وہ جاروب کشی کریں، اور میں کھڑا دیکھتا رہوں۔ اس لئے بڑھ کر اس خدمت کو خود انجام دینا چاہا۔ مگر حاجی صاحب نہ مانے اور فرمانے لگے، صاحبزادے! یہ میرا فخر ہے کہ اپنے شیخ کے آستانہ عالیہ کی جاروب کشی کروں (۳) میں عمر میں حضور سے بڑا ہوں۔ ان کا بچپن دیکھا، جوانی دیکھی، اور اب بڑھاپا دیکھ رہا ہوں۔ ہر حالت میں یکتائے زمانہ پایا۔ تب ہاتھ میں ہاتھ دیا۔ بڑھاپے میں تو ہر کوئی بزرگ ہوجاتا ہے۔ انہیں بچپن میں ضرب المثل اور یکتائے روزگار دیکھا۔ (ق،۲۵)

(ایک مرتبہ خود) اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

بریلی میں ایک مجذوب بشیر الدین اخوندزادہ کی مسجد میں رہا کرتے تھے، جو کوئی اُن کے پاس جاتا کم سے کم پچاس گالیاں سناتے، مجھے ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق ہوا، میرے والد ماجد قدس سرہٗ کی خوشی کہ کہیں باہر بغیر آدمی کے ساتھ لئے نہ جاتا۔ ایک روز رات کے گیارہ بجے اکیلا ان کے پاس پہنچا اور فرش پر جا کر بیٹھ گیا۔ وہ حجرہ میں چارپائی پر بیٹھے تھے۔ مجھ کو بغور پندرہ بیس منٹ تک دیکھتے رہے، آخر مجھ سے پوچھا، تو مولوی رضا علی خان صاحب کے کون ہو؟ میں نے کہا: میں اُن کا پوتا ہوں۔ فوراً وہاں سے جھپٹے اور مجھ کو اٹھا کر لے گئے، اور چارپائی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: آپ یہاں تشریف رکھیے۔ پوچھا کیا مقدمہ کے لئے آئے ہو؟ میں نے کہا: مقدمہ تو ہے لیکن میں اس کے لئے نہیں آیا ہوں، میں تو صرف دعائے مغفرت کے لئے حاضر ہوا ہوں، قریب آدھے گھنٹے تک برابر کہتے رہے، اللہ کرم کرے، اللہ رحم کرے، اللہ کرم کرے، اللہ رحم کرے۔ اس کے بعد میرے منجھلے بھائی (مولوی حسن رضا خان صاحب مرحوم) ان کے پاس مقدمہ کی غرض سے حاضر ہوئے اُن سے خود ہی پوچھا، کیا مقدمہ کے لئے

آئے ہو؟ عرض کی: جی ہاں! فرمایا: مولوی صاحب سے کہنا قرآن شریف میں یہ بھی تو ہے:

"نصر من اللہ و فتح قریب"

بس دوسرے ہی دن مقدمہ فتح ہو گیا۔ (ق،۲۳)

تقریب روزہ کشائی:

سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے رمضان مبارک کا مقدس مہینہ ہے اور حضور اعلیٰ حضرت کے پہلے روزہ کشائی کی تقریب ہے۔ کاشانۂ اقدس میں جہاں افطار کا اور بہت قسم کا سامان ہے، ایک محفوظ کمرے میں فیرنی کے پیالے جمانے کے لئے چنے ہوئے تھے۔ آفتاب نصف النہار پر ہے۔ ٹھیک تمازت کا وقت ہے کہ حضور کے والد ماجد آپ کو اسی کمرے میں لے جاتے ہیں اور کواڑوں کی جوڑیاں بند کر کے ایک پیالہ اٹھا کر دیتے ہیں کہ اُسے کھالو۔ عرض کرتے ہیں کہ میرا تو روزہ ہے، کیسے کھاؤں؟ ارشاد ہوتا ہے: بچوں کا روزہ ایسا ہی ہوتا ہے، لو کھالو۔ میں نے کواڑ بند کر دیئے ہیں، کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے۔ آپ عرض کرتے ہیں: جس کے حکم سے روزہ رکھا ہے، وہ تو دیکھ رہا ہے۔ یہ سنتے ہی حضور کے والد ماجد کی چشمانِ مبارک سے اشکوں کا تار بندھ گیا، اور کمرہ کھول کر باہر لے آئے۔ (ق،۲۴)

تعلیم

بسم اللہ خوانی و سلسلۂ تعلیم :

صحیح طور پر نہ معلوم ہوسکا کہ حضور کی بسم اللہ خوانی کس عمر میں ہوئی۔ مگر وقت بسم اللہ خوانی عجیب واقعہ پیش آیا، حضور کے استاد محترم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد الف، با، تا، ثا، جس طرح پڑھایا جاتا ہے، پڑھایا۔ حضور انکے پڑھانے کے مطابق پڑھتے رہے۔ جب لام الف (لا) کی نوبت آئی، اُستاذ نے فرمایا: کہو، لام الف۔ حضور خاموش ہو گئے، اور انہیں کہا، اُستاد نے دوبارہ کہا: کہو میاں! لام الف۔ حضور نے فرمایا کہ یہ دونوں تو پڑھ چکے ہیں۔ لام بھی پڑھ چکے ہیں، الف بھی پڑھ چکے ہیں، یہ دوبارہ کیسا؟ اس وقت حضور کے جد امجد اعلیٰ حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب قدس سرہٗ العزیز نے کہ جامع کمالات ظاہری و باطنی تھے، فرمایا: بیٹا! اُستاذ کا کہا مانو، جو کہتے ہیں پڑھو۔ حضور نے اپنے جد امجد کے حکم تعمیل کی۔ اور اپنے جد امجد کے چہرے کی طرف نظر کی۔ حضور نے اپنی فراست ایمانی سے سمجھا کہ اس بچے کو شبہ ہو رہا ہے کہ یہ حروف مفردہ کا بیان ہے، اب اس میں ایک مرکب لفظ کیسے آیا؟ ورنہ یہ دونوں حرف الگ الگ تو پڑھ ہی چکے ہیں۔ اگرچہ بچے کی عمر کے اعتبار سے اس راز کو ظاہر کرنا مناسب نہ تھا، اور سمجھ سے بالا خیال کیا جاتا۔ مگر، ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات، حضرت جد امجد نے نور باطنی سے سمجھا کہ یہ لڑکا کچھ ہونے والا ہے، اس لئے ابھی سے اسرار و نکات کا ذکر اُن کے سامنے مناسب جانا اور فرمایا: بیٹا! تمہارا خیال درست اور سمجھنا بجا ہے، مگر بات یہ ہے کہ شروع میں تم نے جس کو الف پڑھا حقیقۃً وہ ہمزہ ہے، اور یہ درحقیقت الف ہے۔ لیکن الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے، اور ساکن کے ساتھ ابتدا ناممکن۔ اس لئے ایک حرف یعنی لام، اول میں لا کر اس کا تلفظ بتانا مقصود ہے۔ حضور نے فرمایا: تو کوئی ایک حرف ملا دینا کافی تھا، اتنے دور کے بعد لام کی کیا خصوصیت ہے؟ با، تا، دال، سین، بھی اول لا سکتے تھے۔ حضرت جد امجد نے غایت محبت و جوش سے گلے لگالیا، اور دل سے بہت دعائیں دیں اور پھر فرمایا کہ لام اور الف میں صورۃً سیرۃً مناسبت خاص ہے۔ ظاہرا لکھنے میں بھی دونوں کی صورت ایک سی ہوتی ہے۔...... لا...... یا...... لا...... اور سیرۃً اس وجہ سے کہ لام کا قلب الف ہے اور الف کا قلب لام ہے، یعنی یہ اُس کے بیچ میں ہے اور اس کے بیچ میں گویا:

> من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
>
> تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

کہنے کو حضور کے جد امجد نے اس لام الف کو مرکب لانے کی وجہ بیان فرمائی، مگر باتوں بات میں سب کچھ بتادیا، اور اسرار و حقائق کے رموز و اشارات کے دریافت و ادراک کی صلاحیت و قابلیت اُسی وقت سے پیدا کردی، جس کا اثر سب نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ شریعت میں وہ اگر امام ابو حنیفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) کے قدم بہ قدم ہیں، تو طریقت میں حضور پرنور سیدنا غوث اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) کے نائب اکرم ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ کاشانہ اقدس پر ایک مولوی صاحب چند بچوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ حضور بھی ان سے کلام اللہ شریف پڑھا کرتے تھے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ مولوی صاحب کسی آیۂ کریمہ میں بار بار ایک لفظ حضور کو بتاتے تھے، مگر آپ کی زبان سے نہیں نکلتا تھا۔ وہ زبر بتاتے تھے اور آپ زیر پڑھتے تھے۔ یہ کیفیت حضور کے جد امجد حضرت مولانا رضا علی خان صاحب قطب الوقت (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے دیکھ کر حضور کو اپنے پاس بلالیا، اور کلام پاک منگوا کر دیکھا تو اُس میں کاتب سے اعراب کی غلطی ہو گئی تھی، زیر کی جگہ زبر لکھ دیا تھا، اور اسی طرح بے تصحیح طبع ہو گیا تھا، یعنی جو حضور (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) کی زبان مبارک سے نکلتا تھا، وہی صحیح تھا۔ حضور سے حضرت جد امجد (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) نے فرمایا کہ مولوی صاحب جس طرح تم کو بتاتے تھے اس طرح کیوں نہیں پڑھتے تھے؟ عرض کیا: میں ارادہ کرتا تھا کہ اُس طرح پڑھوں، مگر زبان پر قابو نہ پاتا تھا۔ حضرت جد امجد (قدس سرہٗ العزیز) نے فرمایا: خوب۔ اور تبسم فرما کر سر پر ہاتھ پھیرا، اور دل سے دعا دی۔ پھر اُن مولوی صاحب سے فرمایا: یہ بچہ صحیح پڑھ رہا تھا، حقیقتاً کاتب نے غلط لکھ دیا ہے۔ پھر قلم فیض رقم سے اس کی تصحیح فرمادی۔ (ق، ۲۳)

اعلیٰ حضرت خود فرماتے تھے کہ میرے استاد جن سے میں ابتدائی کتاب پڑھتا تھا، جب مجھ سبق پڑھا دیا کرتے، ایک دو مرتبہ میں دیکھ کر کتاب بند کر دیتا، جب سبق سنتے تو حرف بحرف لفظ بہ لفظ سنا دیتا۔ روزانہ یہ حالت دیکھ کر سخت تعجب کرتے۔ ایک دن مجھ سے فرمانے لگے کہ احمد میاں! یہ تو کہو تم آدمی ہو یا جن؟ کہ مجھ کو پڑھاتے دیر لگتی ہے مگر تم کو یاد کرتے دیر نہیں لگتی۔ (ق، ۳۲)

جناب علی محمد خان صاحب اعلیٰ حضرت کے بھانجے فرماتے تھے کہ جناب والدہ ماجدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ اعلیٰ حضرت نے کبھی پڑھنے میں ضد نہیں کی، خود سے برابر پڑھنے کو تشریف لے جایا کرتے، جمعہ کے دن بھی چاہا کہ پڑھنے کو جائیں، مگر والد صاحب کے منع فرمانے سے رک گئے، اور سمجھ لیا کہ ہفتہ میں جمعہ کے دن کی بہت اہمیت کی وجہ نہیں پڑھنا چاہیے، باقی چھ دن پڑھنے کے ہیں۔ (ق ۲۶)

نواب وحید احمد خاں صاحب رضوی بریلوی تحریر فرماتے ہیں کہ مولوی احسان حسین صاحب مرحوم جو نہایت خلیق، بے لوث اور حد درجہ دین دار تھے، جامع مسجد بریلی میں محض لوجہ اللہ درس حدیث بعد نماز ظہر دیتے تھے، اور اپنا زیادہ وقت جامع مسجد ہی میں مطالعہ حدیث شریف، ورد و وظائف میں گزارتے تھے، انہوں نے فقیر کو جامع مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کی نہ صرف تلقین کی بلکہ شوق دلایا۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ فقیر جامع مسجد میں نماز پنج گانہ ادا کرنے لگا، یہ فقیر انگریزی اسکول کی جماعت ششم میں پڑھتا تھا، تو یہی مولوی صاحب فارسی زبان کی تعلیم کے لیے مقرر کئے گے تھے، مولوی صاحب موصوف سے ایک مرتبہ فقیر نے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد مائتہ حاضرہ مولانا مولوی شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب رضی اللہ عنہ کی بابت استفسار کیا، تو مولوی صاحب موصوف نے اعلیٰ حضرت کے علم و فضل کی بہت تعریف کی، اور فرمایا کہ میں اعلیٰ حضرت قبلہ کا ابتدائی تعلیم عربی میں ہم سبق رہا ہوں۔ شروع ہی سے اعلیٰ حضرت کی ذہانت کا یہ حال تھا کہ استاد سے کبھی ربع (چوتھائی) کتاب سے زیادہ نہیں پڑھی، ایک ربع کتاب استاد سے پڑھنے کے بعد بقیہ تمام کتاب از خود پڑھ کر یاد کر کے سنا دیا کرتے تھے۔ (ق ۳۵)

درسیات سے فراغت:

جب عربی کی ابتدائی کتابوں سے حضور فارغ ہوئے، تو تمام درسیات کی تکمیل اپنے والد ماجد حضرت مولانا مولوی نقی علی خاں صاحب قادری برکاتی متولد ۱۲۴۶ھ متوفی ۱۲۹۷ھ سے تمام فرمائی اور تیرہ سال دس مہینہ کی عمر شریف میں ۱۲۸۶ھ میں تمام درسیات سے فراغ پایا۔ زبر و بینات سے تعویذ تاریخ فراغت ہے۔ اور اس میں صاف بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ حضور کو دشمنوں کے شر سے پناہ میں رکھے گا۔ اور دوسرا مادہ تاریخ غفور ہے، اس میں خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے حضور اور حضور کے وابستگان دامن کے لیے غفور ہے۔

دنیا، مزار، حشر، جہاں ہیں غفور ہیں — ہر منزل اپنے ماہ کی منزل غفر کی ہے (ق ۳۳)

اساتذہ:

ابتدائی کتابیں ان مولوی صاحب سے جب حضور نے پڑھ لیں، تو میزان منشعب وغیرہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب سے پڑھنا شروع کیا۔ (ق ۳۴)
اعلیٰ حضرت فرماتے تھے کہ: جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ میں شرف بیعت سے مشرف ہوا۔ تعلیم طریقت حضور پیر و مرشد برحق سے حاصل کیا۔ ۱۲۹۶ھ میں حضرت کا وصال ہوا، تو قبل وصال مجھے حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری اپنے ابن الابن ولی عہد و سجادہ نشین کے سپرد فرمایا۔ حضرت نوری میاں صاحب سے بعض تعلیم طریقت و علم تکسیر، علم جعفر وغیرہ علوم میں نے حاصل کیے۔ (ق ۳۴)
الغرض! اعلیٰ حضرت کے اساتذہ کی فہرست بہت مختصر ہے۔ حضرت والد ماجد صاحب قدس سرہ العزیز کے علاوہ پنجتن پاک کے عشاق صرف یہ پنج نفوس قدسیہ ہیں۔

☆ اعلیٰ حضرت کے وہ استاد جنہوں نے ابتدائی کتابیں پڑھائیں۔
☆ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
☆ جناب مولانا عبدالعلی صاحب رامپوری رحمۃ اللہ علیہ
☆ حضرت سلالۂ خاندان برکاتیہ سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس اللہ سرہ العزیز
☆ اور والد ماجد
☆ پیر و مرشد قدست اسرارہم کو شامل کر کے چھ نفوس قدسیہ ہوتے ہیں۔

ان چھ حضرات کے علاوہ حضور نے کسی کے سامنے زانوئے ادب تہ نہیں کیا۔ مگر خداوند عالم نے محض اپنے فضل و کرم اور آپ کی محنت و خداداد ذہانت کی وجہ سے اتنے علوم و فنون کا جامع بنایا کہ پچاس فنون میں حضور نے تصنیفات فرمائیں۔ اور علوم و معارف کے وہ دریا بہائے کہ خدام و معتقدین کا تو کہنا کیا! مخالفین مخالفتیں کرتے، اپنی سیاہ قلبی کی وجہ سے برائیاں کرتے، مگر ساتھ ساتھ ٹیپ کا یہ بند ضرور کہنے پر مجبور ہوتے کہ یہ سب کچھ ہے مگر مولانا احمد رضا خاں صاحب قلم کے بادشاہ ہیں۔ جس مسئلہ پر قلم اٹھایا، نہ موافق کو ضرورت افزائش، نہ مخالف کو دم زدن کی گنجائش ہوتی ہے۔
(ق ۳۵)

شادی و اولاد

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت قدس سرہ العزیز کی شادی ۱۲۹۱ھ میں افضل حسین صاحب کی بڑی صاحبزادی (ارشاد بیگم) صاحبہ سے ہوئی۔ شیخ صاحب موصوف شیخ عثمانی تھے۔ ان کے والد ماجد کا نام شیخ احمد حسین تھا۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ العزیز کی سات اولادیں ہوئیں۔ دو شاہزادے (۱) حضرت مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب ملقب بلقب حجۃ الاسلام (۲) حضرت مولانا شاہ مفتی مصطفےٰ رضا خاں صاحب مفتی اعظم۔ پانچ صاحبزادیاں، بڑی مصطفائی بیگم، ان کی شادی اعلیٰ حضرت کے بھانجے حاجی جناب شاہد علی خاں سے ہوئی۔ ان کی صرف ایک لڑکی ہوئی عزو بی بی، جو مولوی سردار علی خاں سے منسوب ہوئیں۔ یہ صاحبزادی اعلیٰ حضرت کی حیات میں فوت ہوگئیں۔ دوسری صاحبزادی کنیز حسن، جن کو منجھلی بیگم کہتے تھے، ان کی شادی جناب حمید اللہ خاں صاحب ولد حاجی احمد اللہ خاں صاحب رئیس شہر کہنہ سے ہوئی۔ ان کی دو اولادیں ہوئیں، عتیق اللہ خاں اور ایک صاحبزادی رفعت جہاں بیگم۔ تیسرے صاحبزادی کنیز حسین، جن کو منجھلی بیگم کہتے تھے، جناب حکیم حسین رضا خاں صاحب ابن مولانا حسن رضا خاں صاحب سے منسوب ہوئیں، ان کے تین لڑکے ہوئے۔
(۱) مرتضیٰ رضا خاں (۲) مولوی ادریس رضا خاں (۳) جرجیس خاں، امام اہل سنت کے وصال سے اکیس دن بعد اُن کا انتقال ہوا۔ چوتھی صاحبزادی کنیز حسنین عرف چھوٹی بیگم ان کی شادی مولوی حسنین رضا خاں صاحب (ابن استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں) سے ہوئی، ان کی صرف ایک لڑکی ہوئی شمیم بانو، جو جرجیس میاں کو منسوب ہوئیں۔ پانچویں صاحبزادی مرتضائی بیگم عرف چھوٹی بنو، مجید اللہ خاں پسر خرد جناب حاجی احمد اللہ خاں صاحب رئیس شہر کہنہ سے منسوب ہوئیں۔ ان کے تین لڑکے رئیس میاں، سعید میاں، فرید میاں اور دو لڑکیاں مجتبائی بیگم، مقتدائی بیگم ہیں۔

حضرت حجۃ الاسلام:

کی شادی پھوپھی زاد بہن کنیز عائشہ ہمشیرہ جناب حاجی شاہد علی خاں صاحب سے ہوئی۔ ان کے چھ اولادیں ہوئیں۔ دو صاحبزادے مولوی ابراہیم رضا خاں صاحب عرف جیلانی میاں، مولوی حماد رضا خاں عرف نعمانی میاں، اور چار لڑکیاں، ام کلثوم زوجہ ثانیہ حکیم حسین رضا خاں، کنیز صغریٰ بیگم زوجہ تقدس علی خاں، رابعہ بیگم عرف نوری زوجہ مشہود علی خاں، سلمیٰ بیگم زوجہ مشاہد علی خاں۔

جیلانی میاں:

کا عقد مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خاں صاحب کی بڑی صاحبزادی سے ہوا۔

نعمانی میاں:

کا نکاح جناب سید حسن صاحب محلہ ملوکپور کی صاحبزادی سے ہوا۔
جیلانی میاں کی پانچ (نرینہ) اولادیں ہیں، (۵) اور نعمانی میاں کی تین۔

حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خاں:

صاحب کی شادی چھوٹے چچا جناب مولانا محمد رضا خاں صاحب کی اکلوتی صاحبزادی سے ہوئی۔ اسی لیے مولانا محمد رضا خاں صاحب عرف ننھے میاں نے ان کو اپنی اولاد کی طرح رکھا، اور شادی کے بعد ان کا رہنا سہنا سب چچا جان کے مکان پر رہا۔ اور اس وقت تک وہیں قیام فرما ہیں۔ ان کی سات صاحبزادیاں ہیں۔ ایک لڑکا ہوا تھا جو کمسنی ہی میں داغ مفارقت دے کر راہی ملک بقا ہوا۔ جس کا نہ صرف والدین بلکہ پورے خاندان بلکہ جملہ متوسلین اور اہل قرابت کو صدمہ ہوا۔

سلسلہ اولاد اعلیٰ حضرت:

(۱)مولانا حامد رضا خان (۲)مولانا مصطفیٰ رضا خاں (۳)مصطفائی بیگم (۴) کنیز حسن (۵) کنیز حسین (۶) کنیز حسنین (۷)مرتضائی بیگم

حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں:

(۲)ابراہیم رضا خاں (۲)حماد رضا خاں (۳)ام کلثوم (۴) کنیز صغریٰ (۵) رابعہ (۶)سلمیٰ

مولانا ابراھیم رضا خاں:

(۱)ریحان رضا خاں (۲)تنویر رضا خاں (۳)اختر رضا خاں (۴)قمر رضا خاں (۵)منان رضا خاں (۶)سرفراز بیگم (۷)سرتاج بیگم (۸)دلشاد بیگم۔

حماد رضا خاں:

(۱)مسرت بی بی (۲)نصرت بی بی (۳)حمید رضا خاں

مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں:

(۱)صاحبزادہ مرحوم (۲)نگار فاطمہ (۳)انوار فاطمہ (۴)برکاتی بیگم (۵)رابعہ بیگم (۶)ہاجرہ بیگم (۷)شاکرہ بیگم

سلسلہ اولاد مولانا حسن رضا خاں برادر اوسط اعلیٰ حضرت:

(۱)حکیم حسین رضا خاں (۲)مولوی حسنین رضا خاں (۳)فاروق رضا خاں۔

حکیم حسین رضا خاں:

از زوجۂ اولیٰ (کنیز حسین) **صاحبزادی اعلیٰ حضرت**

(۱)مرتضیٰ رضا خاں (۲)ادریس رضا خاں (۳)جرجیس رضا خاں۔

از زوجۂ ثانیہ صاحبزادی حجۃ الاسلام

(۱)غوثیہ بیگم زوجہ خلیق میاں (۲)یونس رضا خاں

مرتضیٰ رضا خاں:

(۱)بلال رضا خاں (۲)ادریس رضا خاں (۳،۴)صاحبزادیاں

مولوی حسنین رضا خاں:

از زوجۂ اولیٰ بنت اعلیٰ حضرت

(۱)شمیم بانو زوجہ جرجیس میاں

از زوجۂ ثانیہ

(۱)تحسین رضا خاں (۲)سبطین رضا خاں (۳)حبیب رضا خاں (۴)صاحبزادی

مولانا محمد رضا خاں عرف ننھے میاں (برادر خرد) اعلیٰ حضرت:

(۱)فاطمہ بیگم زوجہ مولانا مصطفیٰ رضا خاں مفتی اعظم۔

مارہرہ شریف کی حاضری اور بیعت و خلافت

بیعت جس غرض سے کی جاتی ہے اور اس کی شرعی حیثیت ہے اس کے بیان کی نہ یہاں ضرورت اور نہ ہی اس کی حاجت، وہ اپنی جگہ پر مدلل ہے، اور زمانہ حضور اقدس ﷺ سے الیٰ زماننا هذا نیکوکاروں کا تعامل رہا ہے۔ بلاشبہ خلیفہ مجاز سے بیعت کرنے والے آیہ کریمہ:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (پ ۱۱، سورۂ توبہ)

''بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لیے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔'' (کنز الایمان)

اور اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (پ ۲۶، سورۂ فتح)

''وہ تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔'' (کنز الایمان)

کی رو سے اپنی جان و مال کو اللہ کے ہاتھ جنت کے عوض بیچ کرتے ہیں اور جو لوگ رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرتے ہیں وہ لوگ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ بیعت میں انکے ہاتھوں پر ہوتا ہے اور بمضمون

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (پ ۲۶، سورۂ فتح)

''اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے۔'' (کنز الایمان)

وہ لوگ رضائے الٰہی کی بشارت پائے ہوئے ہیں۔ اسی آیۂ کریمہ کے بموجب اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ۱۲۹۵ھ میں معیت اپنے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب قدس سرہ العزیز سرکار مارہرہ مطہرہ حاضر ہو کر تاجدار مارہرہ اعلیٰ حضرت سیدنا شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ العزیز کی شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔

اللہ اکبر کیسی نظر کیمیا اثر پیر و مرشد کی تھی اور کس قلب صافی لے کر بیعت ہوئے تھے کہ اسی جلسہ میں پیر و مرشد برحق نے تمام سلسلہ کی اجازت و خلافت عطا فرما کر خلیفہ مجاز بنا دیا، اور تمام طریقوں میں بیعت لینے کی اجازت عامہ تامہ عطا فرمائی۔

حضرت سید شاہ اسماعیل حسن صاحب مارہری فرماتے ہیں کہ مولانا بدایونی (حضرت تاج الفحول علامہ عبدالقادر علیہ الرحمہ) کے ہمراہ مولانا نقی علی خاں صاحب اور مولانا احمد رضا خاں صاحب مارہرہ شریف حاضر ہوئے تھے۔ یہ لوگ تجدید غسل و کپڑے بدلنے کیلیے پہلے مارہرہ میں سرائے میں جا کر فروکش ہوئے۔ مگر سرائے کے راستے میں یکہ سواری الٹ گیا اور مولانا نقی علی خاں صاحب کو چوٹ لگی۔ پھر اسی حالت میں انہوں نے نہا دھو کر کپڑے پہنے، اور سب خانقاہ برکاتیہ میں حاضر ہوئے، اور فقیر ہی کے مکان موسوم بہ ''مدرسہ'' جو درگاہ معلیٰ برکاتیہ کے دروازے کے سامنے تھا، اور اس وقت ٹوٹا پڑا ہے، میں فروکش ہوئے۔ فقیر کے والد ماجد حضرت سید شاہ محمد صادق اور حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قدس سرہم بھی ان دونوں مارہرہ ہی میں تشریف فرما تھے۔ اسی دن ظہر کے وقت مولانا بدایونی، مولانا نقی علی خاں صاحب اور مولانا احمد رضا خاں صاحب اور مرزا عبدالقادر بیگ صاحب کو ہمراہ لے کر، حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول قدس سرہ العزیز کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ فقیر کے والد حضرت سید شاہ محمد صادق اور میاں صاحب (حضرت نوری میاں) بھی ہمراہ گئے۔ حضرت خاتم الاکابر نے مولانا نقی علی خاں صاحب پھر مولانا احمد رضا خاں صاحب پھر مرزا عبدالقادر بیگ صاحب کو داخل سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ جدیدہ فرمایا۔ اور اسی جلسہ میں حضرت نے خلافت و اجازت جملہ سلاسل واسناد وتبرکات خاندان عالیہ قادریہ برکاتیہ سے بھی مولانا نقی علی خاں صاحب اور مولانا احمد رضا خاں صاحب کو مشرف فرمایا۔ بیعت و خلافت کے بعد ان سب حضرات نے کچھ عرصہ تک فقیر کے مکان پر قیام فرمایا۔ اور اسی دوران میں مولانا تاج الفحول بدایونی نے فقیر سے ارشاد فرمایا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کا حضرت بیعت ہو جانا، ان کے لیے بھی اچھا ہوا، اور میرے لیے بھی اچھا ہوا۔

تدریس

اعلیٰ حضرت نے کتب درسیہ سے فراغت کے بعد تدریس وافتاوتصنیف کی طرف توجہ فرمائی۔ ابتدائی میں تدریس کی طرف توجہ بہت زائد تھی۔ بریلی شریف میں کوئی مدرسہ نہ تھا۔ اس لیے فقط اعلیٰ حضرت کی ذات مرجع طلبہ وعلما تھی۔ جن کو علمی چشمہ سے فیضیاب ہونا ہوتا، وہ اعلیٰ حضرت کا قصد کرتے، اور کامیابی حاصل کرتے۔ (ق ۲۱۱)

الغرض اعلیٰ حضرت کا ایک زمانہ تدریس وتعلیم کا بڑے زوروشور کا گزرا ہے۔ جس میں دوردور سے طلبہ دوسرے مدرسوں کو چھوڑ کر یہاں حاضر ہوتے، اور اس چشمۂ علم ونظر سے فیضیاب ہوتے۔ چنانچہ اسی زمانہ کا ایک واقعہ جناب مولوی محمد شاہ خاں عرف ٹھن خاں صاحب بیان فرماتے تھے۔ کہ ایک دن تین طالب علم نئے آئے، اور اعلیٰ حضرت سے پڑھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ میں نے دریافت کیا کہ کہاں سے آپ لوگ آئے ہیں، اس سے پہلے کہاں پڑھتے تھے؟ وہ لوگ بولے دیوبند پڑھے تھے، وہاں سے گنگوہ گئے، اس کے بعد یہاں آئے ہیں، میں نے کہا کہ یوں تو طلبہ کو جمع خیرا کا مرض ہوتا ہے، یعنی وہاں بہتر پڑھائے ہے۔ اسی لیے ایک جگہ جم کر بہت کم لوگ پڑھتے ہیں، بلکہ دو چار جگہ جا کر ضرور دیکھا کرتے ہیں۔ مگر یہ عموما ایسی جگہ ہوتا ہے، جہاں کی تعریف انسان سنتا ہے۔ لیکن میرے خیال میں یہ بات نہیں آتی کہ آپ لوگوں نے دیوبند یا گنگوہ میں بریلی کی تعریف سنی ہو، اور اس وجہ سے یہاں کے مشتاق ہو کر تشریف لائے ہوں۔ بولے یہ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اختلاف مذہب واختلاف خیال کی وجہ سے اکثر تو بریلی کی برائی ہی ہوا کرتی تھی۔ مگر ٹیپ کا بند یہ ضرور ہوتا ہے کہ قلم کا بادشاہ ہے، جس مسئلہ پر قلم اٹھادیا، پھر کسی کی مجال نہیں کہ ان کے خلاف کچھ لکھ سکے۔ یہی دیوبند میں سنا، اور یہی گنگوہ میں بھی۔ تو ہم لوگوں کے دلوں میں شوق وذوق ہوا کہ ہو ہیں چل کر علم حاصل کرنا چاہئے، جن کے مخالفین فضل وکمال کی گواہی دیتے ہیں۔ والفضل ما شہدت بہ الاعداء (ق ۲۱۱، ۲۱۲)

مشاہیر تلامذہ:

اعلیٰ حضرت نے چونکہ ضابطہ کسی مدرسہ میں مدرس بن کر نہیں پڑھایا، (۲۲) جو رجسٹر داخلہ سے طلبہ کا نام معلوم کیا جائے، یا فارغ التحصیل طلبہ ہی کا نام رجسٹر فارغ التحصیل سے حاصل کیا جاسکے۔ اس لیے حضور کے شاگردوں میں جو مشہور ہوئے، اور تصنیفات وغیرہ سے دینی خدمت کی۔ ان میں بعض لوگوں کے اسمائے گرامی اس جگہ لکھ دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت کے شاگردوں میں خصوصیت کے ساتھ فقہ سے توغل اور تصنیفات کی طرف توجہ اور وعظ وتقریر کا رنگ ضرور موجود ہے۔

☆ جناب مولانا مولوی نواب سلطان احمد خان صاحب محلّہ بہاری پور۔

☆ جناب مولانا مولوی سید امیر احمد صاحب محلّہ ذخیرہ بریلی۔

☆ جناب مولانا مولوی حسن رضا خاں صاحب حسن برادر اوسط اعلیٰ حضرت۔

☆ جناب مولانا مولوی محمد رضا خاں صاحب برادر خرد اعلیٰ حضرت۔

☆ جناب مولانا مولوی حامد رضا خاں صاحب حجۃ الاسلام صاحبزادہ اکبر۔

☆ جناب مولانا مولوی حافظ یقین الدین صاحب محلّہ ملوک پور بریلی۔

☆ جناب مولانا مولوی حافظ سید عبدالکریم صاحب محلّہ ذخیرہ بریلی۔

☆ جناب مولوی منور حسین صاحب بریلوی۔

☆ جناب مولوی حاجی سید نور احمد صاحب چاٹگامی۔

☆ جناب مولوی واعظ الدین صاحب مصنف 'دفع زیغ زاغ'

☆ جناب مولوی سید عبدالرشید صاحب عظیم آبادی۔

☆ جناب مولوی نواب مرزا صاحب بریلوی۔

☆ جناب مولوی عبدالاحد صاحب سلطان الواعظین پیلی بھیتی (صاحب زادہ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ)

☆ جناب مولانا سید شاہ احمد اشرف صاحب کچھوچھوی۔

☆ جناب مولانا سید محمد صاحب محدث کچھوچھوی دامت برکاتہم وفیوضہم

ملفوظات حصہ اول میں ہے۔ ایکروز حضرت مولانا سید احمد اشرف صاحب کچھوچھوی تشریف لائے ہوئے تھے، رخصت کے وقت انہوں نے عرض کی کہ مولوی سید محمد اشرفی اپنے بھانجے کو میں چاہتا ہوں کہ حضور کی خدمت میں حاضر کردوں، حضرت جو مناسب خیال فرمائیں ان سے کام لیں۔ ارشاد ہوا: ضرور تشریف لائیں، یہاں فتویٰ لکھیں، اور مدرسہ میں درس دیں۔ رد وہابیہ اور افتاء یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے۔ ان میں بھی طبیب حاذق مطب بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ میں بھی ایک حاذق طبیب کے مطب میں ساتھ برس بیٹھا۔ مجھے وہ وقت، وہ دن، وہ جگہ، وہ مسائل اور جہاں سے وہ آئے تھے، اچھی طرح یاد ہیں۔ میں نے ایک بار ایک نہایت پیچیدہ حکم بڑی کوشش و جانفشانی سے نکالا، اور اس کی تائیدات مع تنقیح آٹھ ورق میں جمع کیں۔ مگر جب حضرت والد ماجد قدس سرہ کے حضور میں پیش کیا۔ تو انہوں نے ایک جملہ ایسا فرمایا کہ اس سے یہ سب ورق رد ہو گئے۔ وہی جملے اب تک کانوں میں پڑے ہوئے ہیں، اور قلب میں اب تک ان کا اثر باقی ہے۔ خودستائی جائز نہیں۔ مگر وقت حاجت اظہار حقیقت تحدیث نعمت ہے۔ سیدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بادشاہ مصر سے فرمایا:

اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَائِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْم

''زمین کے خزانے میرے ہاتھ میں دے دیجئے بیشک میں حفظ والا ہوں اور علم والا ہوں۔''

بفضل و رحمت الٰہی پھر بعون و عنایت رسالت پناہی ﷺ افتاء اور رد وہابیہ کے دونوں کامل فن، دونوں نہایت عالی فن یہاں سے اچھا نہ سا۔ اللہ تعالیٰ ہندوستان میں کہیں نہ پایئے گا۔ غیر ممالک کی بابت نہیں کہہ سکتا۔ میں تو ہر شخص کو بہ طیب خاطر سکھانے کو تیار ہوں۔ سید محمد اشرفی صاحب تو میرے شاہزادے ہیں، میرے پاس جو کچھ ہے وہ انہیں کے جد امجد (یعنی حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ) کا صدقہ و عطیہ ہے۔ آپ یہاں کے موجودین میں 'متفقہ' جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ استفتا سناتے ہیں اور جو کچھ میں جواب دیتا ہوں، لکھتے ہیں۔ طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے۔ اسی طرح علم توقیت بھی ایسا فن ہے کہ اس کے جاننے والے بھی معدوم ہیں۔ حالانکہ ائمہ دین نے اسے فرض کفایہ بتایا ہے۔ علمائے موجودین میں تو کوئی اتنا بھی نہیں جانتا کہ فلاں دن آفتاب کب طلوع ہوگا، اور کب غروب؟ بہت سی عمر گزر گئی تھوڑی باقی ہے۔ جن صاحب کو جو کچھ لینا ہو وہ حاصل کرلیں **سلونی قبل ان تفقدونی** حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا ارشاد ہے۔ اور شیخ سعدی علیہ الرحمہ کا قول بالکل صحیح ہے: 'قدر نعمت پس از زوال' پھر لینے والے کو یہ چاہئے کہ جب کسی چیز کے حاصل کرنے کا ارادہ کرے، تو اگرچہ کمالات سے بھرا ہوا ہو، اپنے تمام کمالات کو دروازہ ہی پر چھوڑ دے، اور یہ جانے کہ میں کچھ جانتا ہی نہیں۔ خالی ہو کر آئے گا، تو کچھ پائے گا اور اگر اپنے کو بھرا سمجھے گا تو

انائیکہ پر شد دگر چوں برد ''بھرے برتن میں اور کوئی چیز نہیں ڈالی جاسکتی۔''

اور آج کل تو حاصل کرنے والے ایسے ہیں کہ جب میں حسن میاں مرحوم کے مکان میں رہتا تھا، اس میں ایک زینہ ہے، جو باہر سے چھت پر گیا ہے۔ اس زمانہ میں ایک مدرس صاحب کے ھدایہ اخیرین سپرد ہوا۔ یہ کوئی آسان کتاب نہیں۔ جب انہوں نے کام چلتا نہ دیکھا، تو مجھ سے پڑھنا چاہا۔ مگر شرط یہ کہ اس باہر کے زینہ سے چھت پر مجھے بلا لیا جائے، اور وہاں تنہائی میں پڑھا دیا کیجئے، کسی کو معلوم نہ ہو۔ میں نے کہا مولانا! ہدایہ اخیرین کا سبق کوئی سرقہ نہیں، جو لوگوں سے چھپ کر ہو، مجھ سے یہ نہ ہوگا۔

ایک صاحب یہیں کے، فتویٰ نویسی کرتے تھے وہ اس طرح لکھتے تھے کہ باہر سے جواب لکھ کر بھیج دیا، میں نے اصلاح دے کر بھیج دیا، ایک روز ان سے کہا گیا: مولانا! یوں جواب تو ٹھیک ہو جائے گا، مگر آپ کو یہ نہ معلوم ہوگا کہ آپ کی لکھی ہوئی عبارت کیوں کاٹی گئی اور دوسری عبارتیں کس مصلحت سے بڑھائی گئیں۔ مناسب یہ ہے کہ آپ بعد عصر اپنے لکھے ہوئے فتووں پر اصلاح لے لیا کریں۔ انہوں نے کہا: اس وقت آپ کے پاس بہت سے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اس مجمع میں آپ فرمائیں گے تو تم نے یہ غلط لکھا، وہ غلط لکھا، اور مجھے اس میں ندامت ہوگی۔ اس بندۂ خدا کے نام افریقہ، امریکہ سے استفتے آتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں سے ان کے نام سے جواب جاتا، تو لوگ انہیں کے نام استفتے بھیجتے۔ اس زمانہ میں مکہ معظمہ کے ایک عالم جلیل حضرت مولانا سید اسمٰعیل خلیل حافظ کتب حرم رحمۃ اللہ علیہ فقیر کے یہاں تشریف لائے ہوئے تھے۔ مکہ معظمہ سے صرف ملاقات فقیر کے لیے کرم فرمایا تھا۔ ان کے سامنے اس کا تذکرہ ہوا۔ فرمایا: ایسا شخص برکت علم سے محروم رہتا ہے۔ یہی ہوا کہ وہ صاحب چھوڑ کر بیٹھ رہے۔ اب بی، اے پاس کرنے کی فکر میں ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں جب بغرض تحصیل علم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے در دولت پر جاتا، اور باہر تشریف نہ رکھتے ہوتے۔ تو براہ ادب ان کو آواز نہ دیتا، ان کی چوکھٹ پر سر رکھ کر لیٹ رہتا۔ ہوا خاک اور ریتا اڑا کر مجھ پر ڈالتی۔ پھر جب حضرت زید کاشانۂ اقدس سے تشریف لاتے۔ فرماتے: اے ابن عم رسول اللہ ﷺ! آپ نے مجھے اطلاع کیوں نہ کرادی؟ میں عرض کرتا: مجھے لائق نہ تھا کہ میں آپ کو اطلاع کراتا۔ یہ وہ جواب ہے جس کی تعلیم قرآن عظیم نے فرمائی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

"جو حجروں کے باہر سے تمہیں آواز دیتے ہیں، ان میں بہت کو عقل نہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تم باہر تشریف لاؤ تو ان کے لیے بہتر تھا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورہ حجرات ۴۹/۵)"

ایک مرتبہ حضرت زید رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہیں، کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے رکاب تھامی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ کیا ہے؟ اے ابن عم رسول اللہ ﷺ! انہوں نے کہا: ہمیں یہی تعلیم دی گئی ہے کہ علما کے ساتھ ادب کریں۔ اس پر حضرت زید رضی اللہ عنہ گھوڑے سے اترے، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بوسہ دیا، اور فرمایا: ہمیں یہی حکم ہے کہ اہل بیت اطہار کے ساتھ ایسا ہی کریں۔

ہارون رشید جیسے بادشاہ نے مامون رشید کی تعلیم کے لیے حضرت امام کسائی سے (جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے خالہ زاد بھائی اور اجلہ علما وقراء سبعہ میں سے ہیں) عرض کیا۔ فرمایا: میں یہاں پڑھانے نہ آؤں گا، شہزادہ میرے مکان پر آجایا کرے۔ ہارون رشید نے عرض کی: وہ وہیں حاضر ہوجایا کرے گا، مگر اس کا سبق پہلے ہو۔ فرمایا: یہ بھی نہ ہوگا، بلکہ جو پہلے آئے گا، اس کا سبق پہلے ہوگا۔ غرض مومون رشید نے پڑھنا شروع کیا۔ اتفاق ایک روز ہارون رشید کا گزر ہوا، دیکھا کہ امام کسائی اپنے پاؤں دھورہے ہیں، اور ماموں رشید پانی ڈالتا ہے۔ بادشاہ غضبناک ہوکر اترا اور مامون رشید کے کوڑا مارا، اور کہا: او بے ادب! خدا نے دو ہاتھ کس لیے دیئے ہیں؟ ایک ہاتھ سے پانی ڈال، دوسرے ہاتھ سے ان کا پاؤں دھو۔

ایک مرتبہ ہارون رشید نے ابو معاویہ ضریر کی دعوت کی۔ وہ آنکھوں سے معذور تھے۔ جب آفتابہ اور چلمچی ہاتھ دھونے کے لیے لائی گئی تو چلمچی خدمتگار کو دی اور آفتابہ خود لے کر ان کے ہاتھ دھلائے، اور کہا کہ آپ نے جانا، کون آپکے ہاتھوں پر پانی ڈال رہا ہے؟ کہا نہیں، کہا ہارون۔ کہا جیسی آپ نے علم کی عزت کی، الہی اللہ آپ کی عزت کرے۔ ہارون رشید نے کہا۔ اسی دعا کے حاصل کرنے کے لیے ہی کیا تھا۔

ہارون رشید کے دربار میں جب کوئی عالم تشریف لاتے، بادشاہ ان کی تعظیم کے لیے سروقد کھڑا ہوتا۔ ایک بار درباریوں نے عرض کیا۔ یا امیر المومنین! رعب سلطنت جاتا ہے۔ جواب دیا اگر علمائے دین کی تعظیم سے رعب سلطنت جاتا ہے، تو جانے ہی کے قابل ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کا رعب روئے زمین کے بادشاہوں پر بدرجہ اتم تھا۔ سلاطین نصاریٰ ان کا نام لیتے تھراتے تھے۔

تخت قسطنطنیہ پر ایک عیسائیہ عورت حکمران تھی، اور وہ ہر سال خراج ادا کرتی، جب وہ مرگئی تو اس کا بیٹا تخت پر بیٹھا اور خراج حاضر نہ کیا۔ ادھر سے خراج کا مطالبہ ہوا، تو اس نے حضرت ہارون رشید کی خدمت میں ایک ایلچی کے ہاتھ اس مضمون کی تحریر بھیجی۔

وہ عورت مرگئی جو خود پیادہ بنی تھی، اور آپ کو رخ بنایا تھا۔

یہ تحریر لے کر جب ایلچی دربار میں حاضر ہوا، وزیر کو حکم ہوا، سناؤ۔ وزیر نے اسے دیکھ کر عرض کی، حضور مجھ میں تاب جو اُسے سنا سکوں۔ فرمایا: لا مجھے دے۔ اور اس تحریر کو پڑھا۔ بادشاہ کو دیکھتے ہی ایسا جلال آیا، جسے دیکھ کر تمام دربار بھاگ گیا۔ صرف وزیر اور ایلچی رہ گئے۔ وزیر کو حکم ہوا، جواب لکھ۔ اس نے ارادہ لکھنے کا کیا۔ مگر رعب شاہی اس قدر غالب تھا کہ ہاتھ تھر تھرانے لگا، اور قلم نہ چلا۔ پھر فرمایا: لا مجھے دے۔ اور یوں لکھا

یہ خط ہے خدا کے بندے امیر المومنین ہارون رشید کی طرف سے روم کے کتے فلاں کو، کہ او کافرہ کے جنے، جواب وہ نہیں جو تو سنے جواب وہ ہے جو تو دیکھے گا۔

یہ فرمان ایلچی کو دیا۔ اور فوراً لشکر کو تیاری کا حکم دیا۔ ایلچی کے ساتھ لشکر لے کر پہنچے اور جاتے ہی قسطنطنیہ کو فتح کر کے اس بادشاہ عیسائی کو گرفتار کرلیا۔ اس نے بہت گریہ وزاری کی، ہاتھ پاؤں جوڑے، خراج دینے کا وعدہ کیا۔ چھوڑ دیا، اور تاج بخشی کر کے واپس آئے۔ ابھی ایک منزل آئے تھے کہ خبر پائی کہ پھر اس نے سرتابی کی۔ فوراً واپس گئے، اور پھر فتح کیا، اور اسے گرفتار کیا۔ پھر آپ نے ہاتھ جوڑے، اور خوشامد کی۔ پھر چھوڑ دیا۔ ایسے جبار بادشاہ کی علماء کے ساتھ یہ طرز تعلیم تھی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم (ق ۲۱۲، ۲۱۷)

حج و زیارت (اول)

۱۲۹۵ھ میں حضرت والد ماجد کے ساتھ زیارت حرمین طیبین **زادھما اللّٰہ شرفا و تعظیما** سے شرف افتخار و امتیاز حاصل فرمایا۔ اور اکابر علمائے دریا مثل حضرت سید احمد دحلان مفتی شافعیہ و حضرت عبد الرحمن سراج مفتی حنفیہ سے سند حدیث و فقہ و اصول و تفسیر و دیگر علوم حاصل فرمائی۔ ایک دن نماز مغرب مقام ابراہیم میں ادا کی، کہ بعدِ نماز، امام شافعیہ حضرت حسین بن صالح جمال اللیل نے بلا تعارف سابق آپ کا ہاتھ پکڑا اور لیتے ہوئے اپنے دولت کدہ شریف لے گئے، اور دیر تک آپ کی پیشانی کر پکڑ کر فرمایا:

انی لا جد نور اللّٰہ فی ھذا الجبین

''بے شک میں اللہ کا نور اس پیشانی میں پاتا ہوں۔''

اور صحاح ستہ اور سلسلہ قادریہ کی اجازت اپنے دست مبارک سے لکھ کر عنایت فرمائی۔ اور فرمایا: کہ تمہارا نام 'ضیاء الدین احمد' ہے۔

اس سند کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں امام بخاری تک فقط گیارہ واسطے ہیں۔ نیز حضرت نے بایمائے حضرت شیخ جمال اللیل مصوف اُن کی تصنیف لطیف جوھرہ مفید مناسک حج شافعیہ کا اردو ترجمہ کیا۔ اور ایک شرح دو دن میں تحریر فرمائی۔ جس کا نام النیرۃ الوضیہ فی شرح الجوھرۃ المضیہ رکھا۔ جس وقت اس ترجمہ اور شرح کو حضرت شیخ جمال اللیل کی خدمت میں پیش کیا، حضرت شیخ بہت خوش ہوئے، اور بہت تعریف فرمائی۔ اور مدینہ طیبہ میں مفتی شافعیہ یعنی صاحبزادہ مولانا محمد بن محمد بن عرب نے اعلیٰ حضرت کی دعوت کی۔ اثنائے طعام مسئلہ افضلیتِ مدفونین بقیع شریف پر گفتگو چھڑ گئی۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ مدفونین بقیع میں سب سے افضل امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور مولانا محمد صاحب فرماتے تھے کہ ان میں سب سے افضل حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ ہیں۔ دونوں حضرات نے اپنے اپنے قول پر دلائل پیش کئے۔ آخر مولانا نے فرمایا: دونوں قول صحیح اور موجہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: **وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا** عین اسی وقت عصر کی اذان حرم شریف میں ہوئی۔ ختم اذان پر اعلیٰ حضرت نے فرمایا: **فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ** غرض جلسہ برخاست ہوا، اور سب لوگ نماز کے لیے حرم شریف پہنچے۔ شب کے وقت اعلیٰ حضرت نے تنہا مسجد خیف میں اقامت کی، اور مغفرت کی بشارت سے مبشر ہوئے۔

حج وزیارت (دوم)

جامع حالات فقیر محمد ظفر الدین قادری غفرلہٗ عرض کرتا ہے کہ میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ حضرت مولانا محمد رضا خاں صاحب برادر اصغر اور حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب خلف اکبر اور حضرت کی اہلیہ محترمہ ۱۳۲۳ھ حج وزیارت کے لیے روانہ ہوئیں۔ تو حضرت جھانسی تک ان کو پہنچانے تشریف لے گئے کہ وہاں سے بمبئی میل پر وہ لوگ روانہ ہوں گے، جو سیدھا بمبئی جائے گا اور کہیں بدلنا نہ ہوگا۔ اس وقت تک اعلیٰ حضرت کا قصد حج وزیارت کے لیے سفر کا بالکل نہ تھا کہ حج فرض ادا ہو چکا تھا۔ زیارت سے مشرف ہو چکے تھے صرف ان کی مشایعت مقصود تھی۔ اسی درمیان میں اعلیٰ حضرت کو اپنی نعتیہ غزل یاد آ گئی جس کا مطلع ہے۔

گزرے جس راہ سے وہ سید والا ہو کر　　رہ گئی ساری زمیں عنبر سارا ہو کر

اس کا ایک شعر یہ ہے

وائے محرومی قسمت کہ میں پھر اب کے برس　　رہ گیا ہمرہ زوار مدینہ ہو کر

اس کا یاد آنا تھا کہ دل بے چین ہو گیا اور وہی ہوا جس کے حضور نے دوسری غزل میں فرمایا ہے۔

پھر اٹھا ولولہ یاد مغیلان عرب　　پھر کھنچا دامن دل سوئے بیابان عرب

اسی وقت حج وزیارت بلکہ خاص زیارت سرور عالم ﷺ کا قصد مصمم فرمایا۔ لیکن والدہ ماجدہ کی بغیر اجازت سفر مناسب نہ جانا، اس لیے اُن کی گاڑی چھوٹنے کے بعد بریلی واپس تشریف لائے، اور والدہ ماجدہ سے اجازت کے لیے حاضر خدمت ہوئے۔ جب اجازت مل گئی تو مطمئن ہوئے، ورنہ جھانسی سے واپسی کے بعد بہت پریشان نظر آتے تھے۔ اجازت مل جانے کے بعد سامان سفر مکمل فرمایا اور روانہ ہوئے۔ سب لوگ ایک ہی جہاز میں روانہ ہوئے اور یہ سفر مبارک بخیر وخوبی انجام پایا۔ اسی سفر کے متعلق اعلیٰ حضرت کا شعر ہے۔

کعبہ کا نام تک نہ لیا طیبہ ہی کہا　　پوچھا تھا ہم سے جس نے کہ نہضت کدھر کی ہے

حدیث شریف میں ہے: **انما الاعمال بالنیات و انما لکل امرئ مانو** عام طور پر بھی زبان زد ہے 'جیسی نیت ویسی برکت' یہ سفر اعلیٰ حضرت کا چونکہ خاص حضور اقدس ﷺ کی زیارت پاک کے لیے تھا، اس لیے ویسا ہی ہوا۔ (ق ۴۲،۴۳)

بیداری میں زیارت نبوی (ﷺ):

مولوی سید شاہ جعفر میاں صاحب خطیب جامع مسجد کپور تھلہ نے اپنے والد صاحب کے عرس کے موقع پر اس واقعہ کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا تھا۔ کہ جب جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ دوسری مرتبہ زیارت نبوی ﷺ کے لیے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے، شوق دیدار میں روضہ شریف کے مواجہہ میں درود شریف پڑھتے رہے یقین کیا کہ ضرور سرکار ابد قرار ﷺ عزت افزائی فرمائیں گے، اور بالمواجہہ زیارت سے مشرف فرمائیں گے۔ لیکن پہلی شب ایسا نہ ہوا تو کچھ کبیدہ خاطر ہو کر ایک غزل لکھی جس کا مطلع یہ ہے۔

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا　　تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

یہ غزل مواجہہ میں عرض کر کے انتظار میں مؤدب بیٹھے ہوئے تھے کہ قسمت جاگ اٹھی اور چشم سر سے بیداری میں حضور اقدس ﷺ سے مشرف ہوئے۔

رزقنا اللّٰہ و جمیع المسلمین زیارۃ النبی الکریم الرؤف الرحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم ببرکتہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ وعن جمیع علماء الاسلام و المشائخ الکرام و المنتمین الیہ الیٰ یوم القیام امین (ق ۴۳،۴۴)

عادات و اوصاف

حضور اس قدر سادہ وضع میں رہتے کہ کوئی شخص یہ بھی نہیں خیال کر سکتا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب جن کی شہرت شرق سے غرب، شمال سے جنوب تک ہے یہی ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک صاحب کاٹھیاواڑ سے حضرت کی شہرت سن کر تشریف لائے تھے، ظہر کا وقت تھا، اعلیٰ حضرت مسجد میں وضو فرماتے رہے تھے، سادی وضع تھی، خالتہ دار پائجامہ، ململ کا چھوٹا کرتا، معمولی ٹوپی، مسجد کی فصیل پر بیٹھے ہوئے مٹی کے لوٹوں سے وضو فرما رہے تھے کہ وہ صاحب مسجد میں تشریف لائے، اور السلام علیکم کہا، اعلیٰ حضرت نے جواب دیا۔ انہوں نے اعلیٰ حضرت ہی سے دریافت کیا کہ احمد رضا خاں صاحب کی زیارت کو آیا ہوں، وہ کہاں ہیں؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ احمد رضا میں ہی ہوں۔ انہوں نے کہا میں آپ کو نہیں، میں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب سے ملنے آیا ہوں۔ یہ اس لیے کہ آپ کبھی قیمتی لباس، قیمتی عبا، قیمتی عمامہ وغیرہ استعمال نہیں فرماتے تھے، نہ خاص مشائخانہ انداز، خانقاہ، چلہ حلقہ وغیرہ یا خدام کا مجمع۔ (از جلد چہارم)

جناب ذکاء اللہ خان صاحب تحریر کرتے ہیں کہ خادم نے حضرت کی حیات ظاہری میں اندازاً بارہ یا چودہ سال خدمت کی یا اس سے زائد۔ حضرت کی عادت کریمہ تھی کہ بروز بعد نماز جمعہ پھاٹک میں تشریف رکھتے تھے، بعد نماز مغرب مکان میں تشریف لے جاتے، اور روزانہ عصر کی نماز پڑھ کر پھاٹک میں تشریف رکھتے۔ علوم و فیوض برکات کے دریا جاری ہوتے، اور حضار آستانہ عوام اہل سنت و علمائے اہل سنت مستفیض ہوا کرتے۔ البتہ موسم سرما میں عصر مغرب کے درمیان مسجد ہی رہتے، تمام حاضرین بھی اعتکاف کے ساتھ مسجد شریف ہی حاضر خدمت رہتے اور وہیں تعلیم و تلقین کا سلسلہ جاری رہا کرتا۔ مغرب کی نماز پڑھ کر زنانہ مکان میں تشریف لے جاتے، یہ حضرت کا معمول تھا۔ علاوہ اس کے حضرت پانچوں وقت نماز میں تشریف لاتے، اور ہمیشہ نماز با جماعت مسجد میں ادا فرماتے۔ اگر کوئی صاحب کسی کام کے لیے شہر سے آتے یا کسی دوسرے شہر سے حضرت سے ملاقات کو تشریف لاتے، اطلاع ہوتے ہی حضرت باہر تشریف لے آتے۔

ایک صاحب جن کا نام حاجی کفایت اللہ صاحب ہے وہ حضرت کے خاص خادم تھے اور حضرت میں برابر سایہ کی طرح ساتھ رہتے۔ ایک سید صاحب مدنی حضرت سے علم جفر سیکھنے کی غرض سے مدینہ شریف سے تشریف لائے تھے، اور بہت عرصہ تک قیام کر کے علم جفر حاصل کیا۔ جب مدنی صاحب کلکتہ جانے لگے تو حضرت سے فرمایا: میرے ساتھ کوئی شخص ہوتا تو بہتر ہوتا۔ حضرت نے حاجی کفایت اللہ صاحب کو ہمراہ کیا، اور حاجی صاحب نے مجھ خادم سے کہا کہ میں کلکتہ جاتا ہوں، اور اعلیٰ حضرت کی خدمت تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ اور حضرت سے بھی یہی عرض کیا۔ حضرت نے مجھے خدمت کے لیے قبول فرمایا۔ (ق ۲۵،۲۶)

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ توسیع مسجد شریف کے لیے غسل خانہ، کنواں، طہارت خانہ مسقف کرتا تھا۔ چنانچہ مستری علی حسین قادری رضوی مرحوم نے ستونوں کی تعمیر شروع ہی کی تھی کہ ظہر کے وقت حضرت نے دیکھ کر فرمایا: بھائی علی حسین! یہ ستون تو کچھ اچھے نہیں معلوم ہوتے ہیں، خوبصورت بنایئے۔ پھر فرمایا: میں نے اپنے مکان کی تعمیر کے وقت کبھی دخل نہیں دیا۔ البتہ الماریوں کے یے ضرور کہا تھا، اور وہ بھی اس لیے کہ کتابیں محفوظ رہیں۔

انہیں کا بیان ہے کہ سبک خرامی کا یہ حال تھا کہ کبھی حضور کے چلنے میں پائے مبارک کی چاپ سننے میں نہ آئی۔ اکثر اوقات ایسا ہوا کہ میں اور برادرم قناعت علی پھاٹک میں سہ دری کے اندر کام کر رہے ہیں، اور حضرت کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لے آئے، اور پورا صحن بیرونہ نشست گاہ طے فرما کر خود تقدیم سلام فرمائی، تب خبردار ہوئے۔

انھیں کا بیان ہے کہ کوہ بھوالی سے میری طلبی فرمائی جاتی ہے میں بہ ہمراہی شاہزادہ اصغر حضرت مولوی شاہ محمد آل الرحمٰن مصطفےٰ رضا خاں صاحب مدظلہ الاقدس بعد مغرب وہاں پہنچتا ہوں۔ شاہزادہ ممدوح اندر مکان میں جاتے ہوئے یہ فرماتے ہیں، ابھی حضور کو آپ کے آنے کی اطلاع کرتا ہوں، مگر باوجود اس آگاہی کے کہ حضرت تشریف لانے والے ہیں، تقدیم سلام سرکار ہی فرماتے ہیں۔ اس وقت دیکھتا ہوں کہ حضور بالکل میرے قریب جلوہ فرما ہیں۔

انھیں کا بیان ہے کہ حضور کی غذا زیادہ سے زیادہ ایک پیالی شوربہ بکری کا بغیر مرچ کا، اور ایک یا ڈیڑھ بسکٹ سوجی کا، اور وہ بھی روزانہ نہیں، بلکہ بسا اوقات ناغہ بھی ہوتا تھا۔ (ق ۲۶،۲۷)

ایک روز حکیم عبدالسبحان صاحب جو بمبئی سے علم جفر سیکھنے کے لیے آئے تھے۔ اور مقیم آستانہ شریف تھے۔ ایک چھوٹی سی شیشی میں رقیق دوا آنکھوں میں ڈالنے کے واسطے پیش کرتے ہیں۔ حضور نے اس کے اجزا دریافت فرمائے۔ حکیم صاحب نے عرض کیا: حضرت استعمال تو فرمائیں، اور بہت کچھ تعریف کی۔ حضرت نے فرمایا: میں بغیر تحقیق اجزا کوئی دوا استعمال نہیں کرتا ہوں۔ حکیم صاحب نے اطمینان دلاتے ہوئے یہی کہا کہ اس میں کوئی شی مضر نہیں ہے۔ ان شاء اللہ ایک بار کے استعمال سے حضرت فائدہ محسوس فرمائیں گے، اسی وقت اجزا ابھی بتادوں گا۔ غرض حکیم صاحب کے

اطمینانی الفاظ کو باور کرتے ہوئے مکان میں جا کر جس وقت دوا کے قطرات آنکھوں میں ٹپکائے، نا قابل برداشت تکلیف پیدا ہوگئی۔ حضور دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھے ہوئے باہر تشریف لائے، اور بے تابانہ حکیم صاحب سے فرمایا: اب تو اجزا بتا دیجئے، مجھے سخت تکلیف ہے۔ حکیم صاحب نے من جملہ دیگر ادویات کے عرق لیموں کا بھی نام لیا۔ جسے سن کر حاضرین چونک پڑے۔ حضور نے فرمایا: آنکھ میں اور نیبو کا عرق؟

وَلاحول ولا قوۃ الا باللہ العظیم۔ پھر فرمایا: حکیم صاحب آنکھ جیسی نازک چیز اور ایسا تیز عرق۔ (ق ۴۷)

جناب شید ایوب ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ حضور ہفتہ میں دو بار جمعہ اور سہ شنبہ کو ملبوسات شریف تبدیل فرمایا کرتے تھے۔ ہاں اگر پنج شنبہ کو یوم عیدین یا یوم النبی ﷺ آ کر پڑے، تو دونوں لباس تبدیل فرماتے، یا شنبہ کے دن یہ مبارک تقریبیں آتیں، تب بھی دونوں دن تبدیل فرماتے۔ ان دنوں تقریبوں کے علاوہ سوا یوم معین کے اور کسی وجہ سے لباس تبدیل نہ فرماتے۔ حتی کہ جیلانی میاں سلمہ کے ختنہ کی تقریب ایسے روز ہوئی کہ تبدیل لباس کا دن نہ تھا، وہی لباس زیب تن رکھا، تبدیل نہ فرمایا۔ اگر چہ بعض اقربا و اعزہ و رسائے شہر مکلف لباس پہن کر آئے تھے۔ مگر حضرت اپنا لباس سابق پہنے ہوئے شریک تقریب رہے۔

انہیں کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت کی عادت کریمہ تھی کہ امام کو نماز میں سہو سے مطلع کرنے کے لیے اللہ اکبر نہ فرماتے۔ مثلاً تیسری رکعت میں قعدہ کرنا چاہتا ہے، تو سبحان اللہ فرمایا کرتے۔

کتب احادیث پر دوسری کتاب نہ رکھتے۔ اگر کسی حدیث کی ترجمانی فرما رہے ہیں اور درمیان میں کوئی شخص بات کاٹتا، تو سخت کبیدہ اور ناراض ہوتے۔ ایک پاؤں دوسرے پاؤں کے زانو پر رکھ کر بیٹھنے کو ناپسند فرماتے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے طریق نشست عرض کر دوں۔ چونکہ کمر میں ہمیشہ درد رہا کرتا تھا اس لیے گاؤ تکیہ پشت مبارک کے پیچھے رکھا کرتے تھے۔ اس سے پیشتر کہ یہ مرض نہ تھا، کبھی گاؤ تکیہ استعمال نہ فرمایا۔ کتب بینی یا لکھتے وقت پاؤں مبارک سمیٹ کر دونوں زانو اٹھائے رہتے، ورنہ سیدھے زانوئے مبارک اکثر اٹھا رہتا، اور دوسرا بچھا رہتا۔ اور کبھی بایاں زانو ضرورتاً اٹھاتے، تو داہنا بچھا لیا کرتے تھے۔ ذکر میلاد مبارک میں ابتدا سے انتہا تک ادباً دو زانو رہا کرتے، یوں ہی وعظ فرماتے چار پانچ گھنٹے کامل دو زانو ہی منبر شریف پر رہتے۔

اخیر عمر شریف میں پان چھوڑ دیا تھا۔ ورنہ پہلے پان بہت کثرت سے بغیر زردہ کے استعمال فرماتے۔ مگر بوقت وعظ پان مطلق ملاحظہ نہ فرماتے، بلکہ ایک چھوٹی صراحی شیشہ کی پاس رکھی جاتی، اس سے خشکی رفع فرمانے کے لیے غرارہ کر لیا کرتے۔

انہیں کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ کے بعض عادات کریمہ یہ تھے۔

☆ بشکل نام اقدس (محمد) ﷺ استراحت فرمانا۔

☆ ٹھٹھا نہ لگانا۔

☆ جماہی آنے پر انگلی دانتوں میں دبا لینا، اور کوئی آواز نہ ہونا۔

☆ کلی کرتے وقت دست چپ ریش مبارک پر رکھ کر خمیدہ سر ہو کر پانی منہ سے گرانا۔

☆ قبلہ کی طرف رخ کر کے کبھی نہ تھوکنا، نہ قبلہ کی طرف پائے مبارک دراز کرنا۔

☆ نماز پنج گانہ مسجد میں با جماعت ادا کرنا۔

☆ فرض نماز با عمامہ پڑھنا۔

☆ بغیر صوف پڑی دوات سے نفرت کرنا۔ یوں ہی لوہے کے قلم سے اجتناب کرنا۔

☆ خط بنواتے وقت اپنا کنگھا و شیشہ استعمال فرمانا۔

☆ مسواک کرنا۔

☆ سر مبارک میں پھلیل ڈلوانا۔ (ق ۴۷، ۴۹)

انھیں کا بیان ہے کہ حضور کے ایک مرید بمن نامی فٹن چلایا کرتے تھے۔ ریلوے اسٹیشن جنکشن پر رہتے تھے۔ انھوں نے نئی گاڑی بنوائی تھی، اسے قبل ظہر حضور کے پھاٹک پر لا کر کھڑا کیا۔ تھوڑی دیر میں حضور نماز کے لیے تشریف لائے۔ انہوں نے دست بوسی کی اور ہاتھ جوڑ کر عرض کیا: حضور! میں نے یہ نئی گاڑی بنوائی ہے، اس پر ابھی کوئی سوار نہیں ہوا ہے۔ میری تمنا ہے کہ پہلے حضور اس میں تشریف رکھیں۔ چنانچہ حضرت نے کچھ پڑھا اور گاڑی میں بیٹھ کر دروازہ مسجد شریف پر جو تیس چالیس قدم کے فاصلے پر تھا، اترے اور مسجد میں تشریف لے گئے۔

نبیرۂ حضرت محدث سورتی مولانا قاری احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ نانا میاں صاحب سجادہ نشین حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ (سخت گرمیوں میں) اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی عادت کریمہ تھی کہ جب مسجد سے فارغ ہو کر پھاٹک کی طرف تشریف لے جاتے تو اپنا عمامہ اتار کر بغل میں دبا لیا کرتے تھے اور نہایت آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے چلتے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ ہر قدم پر کچھ پڑھتے ہوئے جا

رہے ہیں۔ نگاہیں اکثر نیچی رہا کرتے تھیں، مگر کبھی سامنے بھی دیکھ لیا کرتے تھے۔

مولوی محمد حسین صاحب چشتی نظامی فخری بریلوی موجد طلسمی پریس تحریر فرماتے ہیں کہ آج ۱۴؍ شوال ۱۳۶۶ھ مطابق ۳۱؍ اگست ۱۹۴۷ء کو میری عمر دو ماہ کم ۷۴ سال کی ہے۔ میں نے ابتدائی عمر میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے نقل فتویٰ کی خدمت چند سال ۱۳۱۲ھ تک انجام دی۔ پھر مجھے بیس سال کی عمر میں حکما میرٹھ بھیجا گیا۔ اس وقت میرٹھ میں وہابیت بہت زیادہ تھی۔ اعلیٰ حضرت ضعیف الجثہ اور نہایت قلیل الغذا بزرگ تھے۔ اپنا وقت کبھی بے کار صرف نہیں فرماتے تھے۔ ہمہ وقت تالیف وتصنیف وفتاویٰ نویسی کا مشغلہ تھا۔ اسی وجہ سے زنان خانہ میں تشریف رکھتے تھے کہ عوام کی باتوں میں کام نہیں ہوگا یا بہت ہی کم ہوگا۔ صرف پنج گانہ نماز کے لیے باہر تشریف لاتے تا کہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں یا اتفاقیہ کسی مہمان سے ملنے کو کسی وقت۔ البتہ عصر کی نماز کے بعد باہر ہی پھاٹک میں تشریف رکھتے۔ اور وہی وقت عام لوگوں کی ملاقات کا تھا۔ (ق ۲۹، ۳۱)

ملفوظات حصہ اول میں ہے کہ حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی، جن کو اعلیٰ حضرت مدظلہ الاقدس نے الاسد الاسدا لاشد الارشد سے مخاطب فرمایا تھا، اور جناب مولانا احمد اللہ صاحب پشاوری بھی دولت کدۂ اقدس پر مہمان ہیں۔ اس لیے اعلیٰ حضرت بھی دن کا کھانا مہمانوں کی وجہ سے باہر ہی ملاحظہ فرمارہے ہیں۔ صدر الشریعہ حکیم امجد علی صاحب بھی حاضر اور شریک طعام ہیں۔ بریلی کے پانی کی نفاست کا ذکر ہوا، اس پر ارشاد فرمایا کہ:

پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جس سے قرآن عظیم میں جابجا بندوں پر منت رکھی، اور ایک جگہ خاص اس پر شکر کی ہدایت فرمائی:

اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ (واقعہ ۵۶/۷۰)

''کیا تم نے دیکھا یہ پانی، جو پیتے ہو۔ کیا تم نے اسے بادلوں سے اتارا یا اتارنے والے؟ (بلکہ تو ہی اے رب ہمارے) ہم چاہیں تو اسے سخت کھاری کردیں، پھر کیوں نہیں شکر کرتے۔ (تیرے وجہ کریم کے لیے ہمیشہ حمد ہے اے رب ہمارے)''

حضور سرور عالم ﷺ نے کبھی کھانے، پینے، پہننے کی کوئی چیز کسی سے طلب نہ فرمائی۔ مگر ٹھنڈا پانی دو بار طلب فرمایا، ایک بار فرمائش کی 'رات کا باسی لاؤ' میں نے مدینہ طیبہ سے بہتر پانی کہیں نہ پایا، خدام کرام حاضرین بارگاہ کے لیے زورقوں (لگنوں) میں پانی بھر کردیتے ہیں۔ گرمی کے موسم میں اس شہر کریم کی ٹھنڈی نسیمیں اتنا سرف کردیتی ہیں کہ بالکل برف معلوم ہوتا ہے۔ عمدہ پانی کی تین صفتیں ہیں اور وہ تینوں اس میں اعلیٰ درجہ پر ہیں، ایک صفت یہ کہ ہلکا ہو، اور وہ پانی اس قدر ہلکا ہے کہ پیتے وقت حلق میں اس کی ٹھنڈک تو محسوس ہوتی ہے اور کچھ نہیں۔ اگر خنکی نہ ہوتو پیتے وقت اس کا حلق سے اترنا بالکل معلوم نہ ہو۔ دوسری صفت شیرینی، وہ پانی اعلیٰ درجہ کا شیریں ہے۔ ایسا شیریں میں نے کہیں نہیں پایا۔ تیسری خنکی، یہ بھی اس میں اعلیٰ درجہ پر ہے۔۔۔۔ میری عادت ہے کہ کھانا کھاتے میں پانی پیتا ہوں، کھانا مکان پر کھایا جائے اور وہ جاں فزا پانی مسجد کریم میں۔ لہٰذا کھانے میں پانی نہ پیتا کھانے کے بعد مسجد کریم میں بہ نیت اعتکاف حاضر ہوتا، اور اس عطیہ سرکاری سے دل وجاں سیراب کرتا۔ اعتکاف تو ہر مسجد کی حاضری میں ہمیشہ ہوتا ہی ہے، پانی کے لیے اعتکاف نہ ہوتا تھا۔ بلکہ اس کی منفعت یہ ہے۔ (ورنہ) غیر معتکف کو مسجد میں کھانا پینا جائز نہیں۔ (ق، ۲۰۰)

اطاعت والدین:

حضرت سیدنا شاہ اسمٰعیل حسن میاں صاحب قدس سرہ کا بیان ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کو اللہ تعالیٰ نے جامع کمالا ظاہری وباطنی، صوری ومعنوی بنایا تھا۔ اوصاف وکمالات میں جس کو لے کر دیکھئے مولانا کی ذات میں بروجہ کمال اس کا ظہور تھا۔ والدین کی اتباع کا یہ حال تھا کہ جب مولانا کے والد ماجد جناب مولانا نقی علی خاں صاحب کا انتقال ہوا، اپنے حصۂ جائیداد کے خود مالک تھے۔ مگر سب اختیار والدہ ماجدہ کے سپرد تھا۔ وہ پوری مالکہ و متصرفہ تھیں۔ جس طرح چاہتیں صرف کرتیں۔ جب مولانا کو کتابوں کی خریداری کے لیے کسی غیر معمولی رقم کی ضرورت پڑتی، تو والدہ ماجدہ صاحبہ کی خدمت میں درخواست کرتے اور اپنی ضرورت ظاہر کرتے۔ جب وہ اجازت دیتیں اور درخواست منظور کرتیں تو کتابیں منگواتے۔ (ق/۴۲)

تعظیم اکابر:

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت جس طرح أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّار کے مصداق تھے اسی طرح رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کی بھی زندہ تصویر تھے۔ علمائے اہل سنت کی عزت وقدر ایسی کرتے کہ باوید وشاید۔ خصوصا حضرت تاج الفحول محب رسول مولانا شاہ عبدالقادر صاحب بدایونی قدس سرہ کی بہت ہی عزت کرتے تھے۔ قصیدہ آمال الابرار و آلام الاشرار میں علمائے اہل سنت کی تعریف میں فرمایا ہے۔

اذا حلوا تمصرت الایادی اذا راحو افصار المصربید

''یہ علمائے کرام ایسے ہیں جیسے کسی، ویرانے میں اُترتے ہیں تو اُن کے دم قدم سے وہ پُر رونق شہر ہو جاتا ہے۔ اور وہ جب کسی شہر سے روانہ ہوتے ہیں تو شہر ویران ہو جاتا ہے۔''

جس زمانہ میں میں محض برکت کے لیے ہی قصیدہ اعلیٰ حضرت سے پڑھا کرتا تھا (عربی اشعار کے زیروزبر دیئے ہوئے ہیں ہر شعر کے نیچے اُس کا ترجمہ کیا ہوا خاص خاص باتیں حاشیہ میں چھپی ہوئی ہیں اس میں پڑھنے کی کیا حاجت؟) جب اس شعر پر پہنچا میں نے کہا یہ تو محض مبالغہ شاعرانہ معلوم ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: نہیں، بلکہ بالکل واقعہ ہے۔ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہی شان تھی کہ جب تشریف لایا کرتے تو شہر کی حالت بدل جایا کرتی، عجیب رونق چہل پہل ہو جاتی۔ اور جب تشریف لے جاتے تو باوجودیکہ سب لوگ موجود رہتے، مگر ایک ویرانگی اور اداسی چھا جاتی۔

اس عزت وتوقیر کے باوجود بعض مسئلوں میں کچھ اختلاف بھی تھا، اور بعض اختلافی مسائل میں گفتگو ہو کر پھر اتفاق بھی ہو جاتا تھا۔ حضرت مولانا سید شاہ اسمٰعیل حسن میاں صاحب مارہری قدس سرہ العزیز کا بیان ہے کہ ایک بار ان دونوں حضرات میں مسئلہ عینیت وغیریت صفات باری تعالیٰ پر بحث ہوئی۔ مولانا عبدالقادر صاحب فرماتے ہیں کہ صوفیہ کے صفات کو عین ذات ماننے اور فلاسفہ کے عین ذات ماننے میں فرق ہے۔ اور مولانا احمد رضا خاں صاحب اس فرق کے ماننے میں اپنا تامل ظاہر فرماتے تھے۔ آخر یہی ٹھہری کہ سیتاپور چلیے اور وہاں حضرت جدامجد سیدنا شاہ اچھے میاں صاحب قدس سرہ العزیز کی مؤلفہ کتاب "آئین احمدی" کی جلد عقائد میرے کتب خانہ میں ہے اور دیگر کتب صوفیہ بھی موجود ہیں۔ اُن میں فرق کو دیکھ لیجئے۔ دونوں حضرات تشریف لائے اور اولاً "آئین احمدی" کی جلد عقائد سے کتاب زبدۃ المقائد مؤلف حضرت احمد صاحب کالپوی قدس سرہ جو ہمارے پیران سلسلہ سے ہیں، مولانا عبدالقادر صاحب نے نکال کر دکھائی۔ اُسے دیکھ کر حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب نے فرمایا: میں بغیر دلیل تسلیم کئے لیتا ہوں کہ صوفیہ کے قول عینیت اور فلاسفہ کے قول سنیت میں فرق ہے۔ اس لیے کہ میرے مرشدان عظام فرماتے ہیں کہ ہم جو صفات کو عین ذات مانتے ہیں وہ اس طرح نہیں جس طرح فلاسفہ مانتے ہیں۔ اگرچہ دلیل سے یہ فرق میرے ذہن میں اب تک نہیں آیا ہے۔

(٦) لیکن چونکہ میرے مرشدان عظام یہ فرماتے ہیں۔ اس لیے اپنے مرشدان عظام کے ارشاد پر سر تسلیم خم دیتا ہوں۔

مولوی محمد ابراہیم صاحب فریدی صدر مدرسہ شمس العلوم بدایون کا بیان ہے کہ حضرت مہدی حسن میاں صاحب سجادہ نشین سرکار کلاں مارہرہ شریف نے فرمایا کہ میں جب بریلی آتا، تو اعلیٰ حضرت خود کھانا لاتے اور ہاتھ دھلاتے۔ حسب دستور ایک بار ہاتھ دھلاتے وقت فرمایا: حضرت صاحبزادہ صاحب! انگوٹھی اور چھلے مجھے دیدیجئے۔ تو میں نے اُتار کر دے دیا، اور وہاں سے بمبئی چلا گیا۔ بمبئی سے مارہرہ واپس آیا تو میری لڑکی فاطمہ نے کہا: ابا بریلی کے مولانا صاحب کے یہاں سے پارسل آیا تھا، جس میں چھلے اور انگوٹھی تھے۔ (یہ دونوں طلائی تھے) اور والا نامہ میں مذکور تھا شاہزادی صاحبہ یہ دونوں طلائی اشیا آپ کی ہیں۔ یہ تھا اعلیٰ حضرت کا امر بالمعروف ونہی عن المنکر

(جامع حالات) فقیر رضوی کہتا ہے: اور ساتھ ساتھ اکابر ومشائخ کی تعظیم وتوقیر۔ (ق۴۳تا۴۶)

تواضع وانکسار:

حضرت سید شاہ اسمٰعیل حسن میاں صاحب مارہروی کا بیان ہے کہ حضرت جدامجد سیدنا شاہ برکت اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کا عرس شریف ایک زمانہ میں میرے اولد ماجد صاحب قدس سرہ العزیز نہایت اہتمام وانتظام اور اعلیٰ پیمانہ پر کیا کرتے تھے۔ اس میں بارہا حضرت مولانا بھی تشریف لائے اور میرے اصرار سے بیان بھی فرمایا۔ مگر اس طرح کہ حاضرین مجلس سے فرماتے: میں ابھی اپنے نفس کو وعظ نہیں کہہ پایا، دوسروں کو وعظ کے کیا لائق ہوں؟ آپ حضرات مجھ سے مسائل شرعیہ دریافت فرمائیں۔ ان کے بارے میں جو حکم شرعی میرے علم میں ہوگا، چونکہ بعد سوال اسے ظاہر کردینا حکم شریعت ہے، میں ظاہر کردوں گا۔ فقیر قادری غفرلہ عرض کرتا ہے اتنا سن کر حاضرین سے کوئی صاحب حسب حال سوال کرتے حضور پرنور اپنی تقریر دلپذیر سے ایک مؤثر بیان اس مسئلہ پر فرمادیتے۔

حضرت سید صاحب موصوف قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ ایک بار میرے اصرار سے مولانا نے مرزا ساحب البرکات قدس سرہ العزیز پر اپنے والد ماجد قبلہ کا مولفہ مولود شریف سرور القلوب فی ذکر المحبوب بھی پڑھا ہے۔

جامع حالات غفرلہ کہتا ہے، تواضع وانکساری کی یہ حد ہے۔ اس لیے کہ کتاب دیکھ کر مجلس میں ایک معمولی مولوی بھی پسند نہیں کرتا، بلکہ اس کو لوگ شان علم کے خلاف سمجھتے ہیں۔ میں نے بہتیروں کو دیکھا ہے کہ مبلغ علم اُن کا اردو میں میلاد کی چند کتابیں، مگر اُن کو دیکھ کر نہیں پڑھا کرتے بلکہ ایک مسلسل مضمون یاد کرلیا اور اسی کو زبانی جابجا پڑھا کرتے ہیں۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ پیلی بھیت شریف حضرت مولانا مولوی وصی احمد صاحب محدث سورتی قدس سرہ العزیز کے عرس سراپا قدس سے واپسی صبح کی گاڑی سے ہوئی۔ حضور نے اس وقت اسٹیشن پر آکر وظیفہ کی صندوقچی صاحب سے طلب فرمائی۔ کسی نے جلدی سے آرام کرسی ویٹنگ روم سے لاکر بچھادی۔ ارشاد فرمایا: "یہ تو بڑی متکبرانہ کرسی ہے" جتنی دیر تک وظیفہ پڑھا آرام کرسی کے تکیہ سے پشت مبارک نہ لگائی۔

مولوی محمد حسین صاحب میرٹھی موجد طلسمی پریس کا بیان ہے کہ ایک سال بریلی میں رمضان المبارک کی ۲۰/تاریخ سے اعتکاف کیا۔ اعلیٰ حضرت مسجد

میں آتے تو فرماتے جی بہت چاہتا ہے کہ میں بھی اعتکاف کروں۔ مگر فرصت نہیں ملتی۔ آخر ۲۶/ماہ مبارک کو فرمایا: آج سے میں بھی معتکف ہی ہو جاؤں۔ اعلیٰ حضرت بعد افطار پان نوش فرماتے، شام کو کھانا کھاتے میں نے کسی دن نہیں دیکھا۔ سحر کو صرف ایک چھوٹے سے پیالے میں فیرنی اور ایک پیالی میں چٹنی آیا کرتی تھی، وہ نوش فرمایا کرتے۔ ایک دن میں نے دریافت کیا حضور فیرنی اور چٹنی کا کیا جوڑ؟ فرمایا: نمک سے کھانا شروع کرنا اور نمک ہی پر ختم کرنا سنت ہے، اس لیے یہ چٹنی آتی ہے۔ ایک دن شام کو پان نہیں آئے۔ اور یہ بہت پختہ عادت تھی کہ کھانے کی کوئی چیز طلب نہیں فرماتے خاموش رہے۔ مگر چونکہ پان کے از حد عادی تھے ناگواری ضرور پیدا ہوئی۔ مغرب سے تقریباً دو گھنٹہ بعد گھر کا ملازم ایک بچہ پان لایا۔ حضرت نے اُسے ایک چپت مار کر فرمایا کہ اتنی دیر میں لایا۔ بعدہ سحر کے وقت سحری کھا کر مسجد کے باہر دروازہ تشریف لائے، اس وقت رحیم اللہ خاں ملازم اور میں گھبرایا اور عرض کی حضور ہم تو خدام ہیں، مخل ہونا کیا معنی؟ بعدہ اس بچے کو بلوایا جو شام کو پان سے دیر میں لایا تھا، اور فرمایا کہ شام کو میں نے غلطی کی، جو تمہارے چپت ماری۔ دیر سے بھیجنے والے کا قصور تھا۔ لہٰذا تم میرے سر پر چپت مارو۔ اور ٹوپی اتار کر اصرار فرما رہے ہیں۔ ہم دونوں بہت مضطرب اور دم بخود پریشان اور وہ بچہ بھی بہت پریشان اور کانپنے لگا، اس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔ حضور! میں نے معاف کیا۔ فرمایا: تم نابالغ ہو، تمہیں معاف کرنے کا حق نہیں۔ تم چپت مارو۔ مگر وہ نہ مار سکا۔ بعدہ وہ اپنا بکس منگوا کر مٹھی بھر پیسے نکالے، وہ پیسے دکھا کر فرمایا: میں تم کو یہ دوں گا، تم چپت مارو۔ مگر وہ بیچارہ یہی کہتا رہا۔ حضور میں نے معاف کیا۔ آخر کار اعلیٰ حضرت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بہت سی چپتیں اپنے سر مبارک پر اس کے ہاتھ سے لگائیں اور پھر اُس کو پیسے دے کر رخصت کیا۔ (ق۴۰تا۴۲)

مساوات اسلامی:

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک صاحب جن کا نام مجھے یاد نہیں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اور اعلیٰ حضرت بھی کبھی کبھی اُن کے یہاں تشریف لیجایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور ان کے یہاں تشریف فرما تھے کہ اُن کے محلّہ کا ایک بیچارہ غریب مسلمان ٹوٹی ہوئی پرانی چارپائی پر جو صحن کے کنارے پڑی تھی، جھجک کتے ہوئے بیٹھا ہی تھا کہ صاحب خانہ نے نہایت کڑوے تیوروں سے اس کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ ندامت سے سر جھکائے اٹھ کر چلا گیا۔ حضور کو صاحب خانہ کی اس مغرورانہ روش سے سخت تکلیف پہنچی، مگر کچھ فرمایا نہیں۔ کچھ دنوں کے بعد وہ حضور کے یہاں آئے۔ حضور نے اپنی چارپائی پر جگہ دی۔ وہ بیٹھے ہی تھے کہ اتنے میں کریم بخش حجام حضور کا خط بنانے کے لیے آئے، وہ اس فکر میں تھا کہ کہاں بیٹھوں؟ حضور نے فرمایا کہ بھائی کریم بخش کیوں کھڑے ہو؟ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور اُن صاحب کے برابر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔ وہ بیٹھ گئے۔ پھر اُن صاحب کے غصہ کی کیفیت تھی کہ جیسے سانپ پھنکاریں مارتا ہے، اور فوراً اُٹھ کر چلے گئے۔ پھر کبھی نہ آئے۔ خلاف معمول جب عرصہ گزر گیا، تو حضور نے فرمایا: اب فلاں صاحب تشریف نہیں لاتے ہیں۔ پھر خود ہی فرمایا: میں بھی ایسے متکبر مغرور شخص سے ملنا نہیں چاہتا۔ (ق۴۰)

اصاغر پر شفقت:

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک مسلمان ساکن محلّہ قرولان سوہن فروخت کیا کرتے تھے۔ ان سے حضور نے کچھ حلوہ سوہن خرید فرمایا اور یہی واقعہ پہلی کوٹھی میں قیام کے زمانہ کا ہے۔ میں اور برادرم قناعت علی شب کے وقت کام کر کے واپس آنے لگے، تو حضور نے قناعت علی سے ارشاد فرمایا: وہ سامنے تپائی پر کپڑے میں بندھا ہوا رکھا ہے، اٹھا لائیے۔ یہ دو پوٹلیاں اٹھا لئے۔ حضور ان کو دونوں ہاتھوں میں لے کر میری طرف بڑھے۔ میں پیچھے ہٹا، حضور آگے بڑھے، میں اور ہٹا، اور آگے بڑھے، یہاں تک کہ میں والان کے گوشہ میں پہنچ گیا۔ حضور نے ایک پوٹلی عطا فرمائی۔ میں نے کہا حضور یہ کیا؟ ارشاد فرمایا: حلوہ سوہن ہے۔ میں نے دبی زبان سے نیچی نظر کیے ہوئے عرض کیا: حضور! بڑی شرم معلوم ہوتی ہے۔ فرمایا: شرم کی کیا بات ہے؟ جیسے مصطفیٰ (یعنی مفتی اعظم) ویسے تم۔ سب بچوں کو حصہ دیا گیا، آپ دونوں کے لیے بھی میں نے دو حصے رکھ لیے۔ یہ سنتے ہی برادرم قناعت علی نے بڑھ کر حضور کے ہاتھ سے اپنا حصہ خود لے لیا، اور دست بستہ عرض کیا، حضور! میں نے یہ جسارت اس لیے کی کہ اپنے بزرگوں کے ہاتھوں میں چیز دیکھ کر بچے اسی طرح لے لیا کرتے ہیں۔ حضور نے تبسم فرمایا۔ بعدہ ہم لوگ دست بوسی کر کے مکان چلے آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور نے ہم لوگوں کو بہت نوازا۔ اور ہم نابکار کچھ خدمت نہ کر سکے۔

جامع حالات فقیر محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہٗ کہتا ہے کہ ۱۳۲۲ھ میں سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا، اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لیے پیش کیا۔ حسن اتفاق سے بالکل صحیح نکلا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز اس فتویٰ کو لیے ہوئے خود تشریف لائے اور ایک روپیہ دست مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: مولانا! سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا، اعلیٰ حضرت والد ماجد قدس سرہ العزیز نے مجھے شیرینی کھانے کے لیے دیتا ہوں۔ غایت مسرت کی وجہ سے میری زبان بند ہو گئی اور میں کچھ بول نہ سکا۔ اس لیے کہ فتویٰ پیش کرتے وقت خیال کر رہا تھا کہ خدا جانے جواب صحیح ہے یا غلط۔ مگر خدا کے فضل سے وہ صحیح اور بالکل صحیح نکلا۔ اور پھر اس پر انعام، اور وہ بھی ان الفاظ کریمہ سے میرے

والد ماجد صاحب نے مجھے اول فتوی صحیح پر انعام دیا تھا اس لیے میں بھی اول فتوی صحیح پر انعام دیتا ہوں۔ حق ہی ہے کہ ایک خادم کی وہ عزت افزائی ہے، جس کی حد نہیں، اور اس کے بعد اس کو ہمیشہ برقرار رکھا۔ میرے پاس چالیس سے زیادہ مکاتیب ہیں جو وقتاً فوقتاً بریلی شریف سے امضا فرمائے۔ اس میں برابر ولدی الاعز مولانا مولوی محمد ظفر الدین رحمۃ اللہ علیہ کا مہ ظفر الدین سے شروع فرمایا۔ فتاویٰ شریف جلد اول میں میرا نام انہیں لفظوں سے تحریر فرمایا۔ جزاک اللہ تعالیٰ خیر الجزاء

اسی سلسلہ میں یہ بات بھی مجھے ہمیشہ یاد رہتی ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں جب کبھی ماہ مبارک رمضان شریف میں بریلی شریف رہنا ہوا اور اس تعطیل میں مکان نہ آیا، تو عید الفطر کے دن جس طرح تمام عزیزوں کو عیدی تقسیم فرماتے، مجھے اور دوسرے خاص طلبہ مثلاً مولوی سید عبد الرشید صاحب کو پاوی عظیم آبادی۔۔۔۔ مولوی سید شاہ غلام محمد صاحب درگاہ کلاں بہار شریف۔۔۔۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب اوگانوانی۔۔۔۔ مولوی اسمٰعیل صاحب بہاری سب کو علی قدر مراتب تہواری عطا فرماتے۔

حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب کے برابر لڑکیاں ہی پیدا ہوئیں، اسی لیے سب لوگوں کی دلی تمنا تھی کہ کوئی لڑکا ہوتا تا کہ اس کے ذریعہ اعلیٰ حضرت کا نسب وحسب وفضل کمالات کا سلسلہ جاری رہتا۔ خداوند عالم کی شان کہ ۱۳۲۵ھ میں مولوی محمد ابراہیم رضا خاں صاحب سلمہ کی ولادت ہوئی، نہ صرف والدین اور اعلیٰ حضرت بلکہ تمام خاندان بلکہ جملہ متوسلین کو از حد خوشی ہوئی۔ اس خوشی میں منجملہ اور باتوں کے اعلیٰ حضرت نے جملہ طلبائے مدرسہ اہل سنت وجماعت منظر اسلام کی، ان کی خواہش کے مطابق دعوت فرمائی۔ بنگالی طلبہ سے دریافت فرمایا۔ آپ لوگ کیا کھانا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا مچھلی بھات۔ چنانچہ روہو مچھلی بہت وافر طریقہ پر منگائی گئی، اور ان لوگوں کی حسب خواہش دعوت ہوئی۔ بہاری طلبہ سے دریافت فرمایا۔ آپ لوگوں کی کیا خواہش ہے؟ ہم لوگوں نے کہا: بریانی، زردہ، فیرنی، کباب، میٹھا ٹکڑہ وغیرہ۔ بہاریوں کیلیے پر تکلف کھانا تیار کرایا گیا۔ پنجابی اور ولایتی طلبہ کی خواہش ہوئی دنبہ کا خوب چرب گوشت اور تنور کی پکی گرم گرم روٹیاں۔ غرض ان لوگوں کے لیے وافر طور پر اسی کا انتظام ہوا۔ اس وقت خاص خاص عزیزوں، مریدوں کے لیے جوڑا بھی تیار کیا گیا تھا۔ نہایت ہی مسرت سے لکھتا ہوں کہ میں بھی انہیں خاص لوگوں میں ہوں، جن کے یے جوڑا بھی تیار کرایا تھا۔ وہ کرتا، پائجامہ، جوتا، ٹوپی تو اسی زمانہ میں پہن لیا تھا، مگر انگرکھا بہت قیمتی کپڑے کا تھا، گاہے گاہے اس کو پہنا کرتا تھا۔ وہ بہت دنوں تک رہا، یہاں تک کہ چھوٹا ہو گیا، تو اس کو تبرکاً رکھ دیا۔ جب مدرسہ خانقاہ سہسرام میں مدرس ہوا، اور مخلص قدیم مولوی سید غیاث الدین صاحب چشتی ابو العلائی رجبتی بہاری کو حسب طلب مخلص محترم حامی دین متین جناب حاجی محمد لعل خاں صاحب کلکتہ بھیجنے لگا۔ اس وقت میں نے وہ انگرکھا مولوی صاحب موصوف کے نذر کر دیا، جو مجھ سے دبلے پتلے تھے، اور ان کے ٹھیک آ گیا۔ اس وقت ان کے بڑے بھائی مولوی محمد یونس صاحب نے کہا کہ تم کو لینا نہ چاہئے تھا۔ مگر مولوی صاحب موصوف نے جواب دیا کہ اولاً مولانا کے میرے تعلقات دوستانہ قدیم زمانہ طالب العلمی کے ہیں۔ ثانیاً یہ بھی انگرکھا تاریخی تبرک ہے یہ اعلیٰ حضرت کا عطیہ ہے۔ یہ مولانا ظفر الدین صاحب کی محبت وخلوص ہے، جو انہوں نے مجھے عنایت فرمایا، جو قیمتی ہونے کے علاوہ تبرک، اور عزیزی مولوی محمد ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں کی پیدائش کی یادگار ہے۔

۱۳۲۴ھ میں جب مدرسہ اسلامی شمس الھدی میں مدرس اول تھا۔ رمضان شریف کی تعطیل میں اعلیٰ حضرت کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا۔ اس زمانہ میں اعلیٰ حضرت علم ہیأت میں ایک کتاب تصنیف فرما رہے تھے، اور میں اُسے صاف کر رہا تھا۔ ارادہ تھا کہ ماہ رمضان المبارک تمام کر کے بعد شش عید کے جب مدرسہ کھلے گا، پٹنہ واپس ہوں گا۔ لیکن اواخر رمضان شریف میں جناب حاجی لعل خاں صاحب مرحوم کا خط پہنچا کہ یہاں ولی اللہ نام ایک وہابی آیا ہوا ہے، اور جگہ جگہ مناظرہ کا چیلنج دیتا ہے۔ حضور والا مولانا محمد ظفر الدین صاحب کو روانہ فرما دیں۔ اس وقت وہ کتاب قریب ختم کے تھی، اعلیٰ حضرت نے دو دن میں اس کو تمام کر دیا۔ لیکن مجھے نقل کرنا اور صاف کرنا بہت باقی تھا۔ اس لیے حضرت نے فرمایا کہ آپ اس کو اپنے ساتھ لیتے جائیے اور نقل کرنے کے بعد اصل اور نقل دونوں رجسٹری سے واپس کر دیجئے گا۔ جب چلنے کا وقت ہوا، اور اسٹیشن جانے کے لیے سواری آ گئی، اعلیٰ ضرت باہر تشریف لائے اور دو نوٹ دس دس روپے کے مجھے عنایت فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ میرا ارادہ تھا کہ امسال عید میں آپ یہیں رہیں گے۔ بچوں کے لیے کپڑے بنواؤں گا تو آپ کے لیے بھی بنواؤں گا۔ لیکن دینی ضرورت سے آپ کلکتہ جا رہے ہیں، اس لیے ہی روپے آپ کی نذر ہیں۔ مجھے بہت شرم آئی کہ طالب علمی کا زمانہ تو ضرورت کا زمانہ تھا، اب تو میں نوکر ہوں۔ میں پیر کی خدمت کیا کرتا اور ان کی نذر کرتا کہ الٹے پیر ہی سے روپے وصول کروں۔ میں نے کچھ تامل کیا۔ اعلیٰ حضرت نے بااصرار عنایت فرمایا۔ میں نے قدم بوسی کرتے ہوئے وہ روپے لے لیے اور کلکتہ روانہ ہوا۔ میرے پہنچنے کی خبر ملتے ہی سارا جوش ٹھنڈا ہو گیا۔ اب کس میں مناظرہ کا دم ہے اعلیٰ حضرت کی دعا کا اثر ہے۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے　　　　اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

اس کی مفصل کیفیت اسی زمانہ میں حاجی عبدالرحمن مارواڑی کے نام سے رسالہ 'گنجینۂ مناظرہ' میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ کلکتہ کے قیام میں میں نے اس رسالہ مبارکہ کو جس کا نام تسہیل التعدیل ہے، صاف کر کے اصل و نقل دونوں بنام اعلیٰ حضرت بصیغہ رجسٹری روانہ کر دیا۔ جس کی رسید بنام حاجی لعل خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ حضرت نے تحریر فرمائی۔ جناب سید محمود علی خاں صاحب کی کسی مریض کے زخم و آپریشن کی مفصل کیفیت بیان فرمانے پر، سید قناعت علی صاحب اپنی قلبی کمزوری کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے۔ اس وقت ان کے ہوش میں لانے کی ترکیبیں کی گئیں مگر ان کا اثر نہ ہوا۔ جب اعلیٰ حضرت نے ان کا سر اپنے زانوئے مبارک پر رکھ کر اپنا رومال ڈالا، فوراً ہوش ہو گیا، آنکھیں کھول دیں۔ اعلیٰ حضرت کے زانوئے مبارک پر سر دیکھ کر جلد اٹھنا چاہا، مگر ضعف کی وجہ سے نہ اٹھ سکے۔ حضور نے ازراہ شفقت فرمایا: لیٹے رہئے لیٹے رہئے۔

یہ شفقت علی الاصاغر کی بہترین مثال ہے۔

جناب مولانا مولوی مقبول احمد خاں صاحب صدر مدرس و مہتمم مدرسہ حمیدیہ دربھنگہ نے فرمایا کہ میرے طالب علمی کا زمانہ تھا، میں ٹونک میں پڑھتا تھا، وہاں ایک بزرگ تشریف لائے، جن کی دعا اور تعویذات کا بہت ہی شہرہ اور حد سے زیادہ چرچا تھا۔ جس کو جس مقصد کے لیے تعویذ دیا تیر بہدف ثابت ہوا۔ جو جس مقصد کے لیے تعویذ مانگتا کامیابی اس کا قدم چومتی۔ کامیاب ہونے کے بعد ہو نذر بھی کافی پیش کرتا۔ ایک دن خود مجھ سے فرمایا کہ تم کوئی تعویذ نہیں مانگتے؟ میں نے کہا کہ مرے پاس نذر دینے نے کو روپے کہاں ہیں کہ اس کی ہمت کروں۔ فرمایا: تم سے کچھ نذر نہیں۔ اس کے بعد نقش مجھے عطا فرمایا۔ اور فرمایا کہ سونے کے پتر پر شرف آفتاب میں کندہ کرا کے انگوٹھی میں جڑا کر پہننا تسخیر و اکسیر ہوگی، خدا کی شان کندہ کرنے والے بھی مل گئے، اس قدر سونے کا بھی سامان ہو گیا، رہا شرف آفتاب معلوم کرنے کا مسئلہ مجھے معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی مدظلہ اس فن میں کامل ہیں۔ چنانچہ ان کی خدمت میں عریضہ حاضر کیا۔ اور دریافت کیا کہ امسال شرف آفتاب کب ہے، اور کس وقت سے، اور کب تک رہے گا؟ خدا کی شان کہ کس دن ہی عریضہ وہاں پہنچا، اس کے دوسرے ہی دن شرف آفتاب تھا اور ظاہر ہے کہ اگر بواپسی ڈاک بھی اعلیٰ حضرت جواب تحریر فرماتے، تو بریلی سے ٹونک شرف آفتاب ختم ہو جانے کے بعد خط ملتا۔ اس وقت مجھے جو صدمہ ہوتا ہر عقل والا اندازہ کر سکتا ہے کہ بیان سے باہر ہوتا۔ اور ایک سال کامل پھر اس وقت کا انتظار کرنا پڑتا۔ اعلیٰ حضرت نے ایک طالب علم کی اس تکلیف و صدمہ کا خیال فرماتے ہوئے اپنے پاس سے تار پر جواب دیا کہ کل نو بجے سے شروع ہوا، اور ایک رات دن رہے گا۔ ٹھیک وقت پر مجھے تار مل گیا اور میں وقت مقررہ پر تعویذ کندہ کرا سکا۔ اس تعویذ کی انگوٹھی ہر وقت میرے ہاتھ میں رہتی ہے۔ جس وقت اس انگوٹھی کو دیکھتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت کی اس شفقت اور احسان کو یاد کرتا ہوں کہ ایک طالب علم کی ضرورت کا انہوں نے کس درجہ خیال کیا۔ ورنہ اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ معمولی غیر شناس آدمی جوابی خط لکھتا تب بھی اس کو جواب دینے کی زحمت برداشت نہیں کی جاتی، نہ کہ اپنے پاس سے تار دینا اور یہ خیال کرنا کہ وقت گذر جانے کے بعد اگر جواب دیا گیا تو کس کام کا؟ واقعی بڑوں کی بڑی بات ہے۔ (ق ۴۶، ۵۰)

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک روز نماز عشا کے لیے خلاف معمول حضور کو بہت دیر ہو گئی۔ اکثر لوگ نماز پڑھ پڑھ کر چلے گئے صرف میں (ایوب علی) اور برادرم قناعت علی اور دو چار دیگر حضرات انتظار کرتے رہے، حتیٰ کہ حضور تشریف لے آئے، جماعت قائم ہوئی، حضور نے امامت فرمائی۔ اور بعد سلام ہم سب کی طرف نظر کرم سے دیکھتے ہوئے فرمایا:

جزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء فی الدنیا والآخرۃ پھر سب کو شمار کیا، پھر فرمایا: نماز باجماعت کے لیے آپ حضرات کو بہت دیر انتظار کرنا پڑا اور فرمایا: انتظار نماز بھی داخل عبادت ہے۔ (ق ۱۷۹)

اخلاق کریمہ

میں نے علمائے کرام ومشائخ عظام کی جہاں تک زیارت کی اور معززین دنیاداروں کو دیکھا اکثر ایسا ہی پایا کہ اُن کی تعریف کیجئے تو بہت خوش، اور جہاں کسی بات پر اعتراض کیا اس درجہ خفا ہوئے کہ اُس کی صورت بھی دیکھنی نہیں چاہتے۔ ان میں سب سے اول نمبر جسے مستثنیٰ دیکھا، وہ ذات گرامی صفات اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی تھی۔ اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ کے سب کام محض اللہ تعالیٰ کے لیے تھے، نہ کسی کی تعریف سے مطلب، نہ کسی کی ملامت کا خوف تھا۔ حدیث شریف **مَن احب للّٰہ و ابغض للّٰہ واعطی للّٰہ و منع للّٰہ فقد استکمل الایمان** کے مصداق تھے۔ آپ کسی سے محبت کرتے، تو اللہ ہی کے لیے، مخالفت کرتے، تو اللہ ہی کے لئے، کسی کو جو کچھ دیتے، تو اللہ ہی کے لیے، اور کسی کو منع کرتے، تو اللہ ہی کے لیے۔ جیسا خود ایک رباعی میں فرماتے ہیں:

نہ مرا نوش زتحسین نہ مرا نیش زطعن — نہ مرا ہوش بمدحے نہ مرا گوش ذمے

منم وکنج خمولی کہ نہ گنجد درو رے — جز من وچند کتابے ودوات وقلمے

مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت کا صیغہ بمعمول تھا کہ تصنیف وتالیف، کتب بینی، اور اوراد اشغال کے خیال سے خلوت میں تشریف رکھتے۔ پانچوں نمازوں کے وقت مسجد میں تشریف لاتے اور ہمیشہ نماز، باجماعت ادا فرمایا کرتے۔ اکثر مکان ہی سے وضو کر کے تشریف لاتے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مسجد میں آکر مٹی کے لوٹے سے، اُتر طرف کی فصیل پر بیٹھ کر وضو فرماتے۔ مسجد کے لوٹے عموماً متوسط درجہ کے ہوا کرتے ہیں اور اعلیٰ حضرت وضو و غسل میں بہت احتیاط فرمایا کرتے۔ خاص طور پر خیال کر کے ایک ایک عضو کو تر کیا کرتے، اور وہ بھی اس طرح کہ ہر جگہ سے سیلان آب ہو جائے۔ اس لیے عموماً دو لوٹے پانی رکھا جاتا۔ اور اگر کثرت مصلیوں کی وجہ سے لوٹے فارغ نہ ہوتے تو ایک لوٹے پانی سے وضو شروع فرماتے، جب تک کوئی لوٹا خالی ہوتا، پھر اس میں پانی لا کر دیا جاتا۔ وضو کے بعد سنت ونوافل قبلیہ مسجد ہی میں پڑھتے۔ وقت جماعت ہو جانے پر فرض نماز باجماعت پڑھنے کے بعد سنت بعدیہ مسجد ہی میں ادا کر کے مکان تشریف لے جایا کرتے۔ سوائے عصر کے اس لیے کہ عصر کی نماز پڑھ کر پھاٹک میں چارپائی پر تشریف رکھتے، اور چاروں طرف کرسیاں رکھ دی جاتیں۔ زائرین تشریف لاتے، کرسیوں پر بیٹھتے۔ جب کرسیاں باوجود کثرت تعداد نا کافی ہوتیں، تو چند بنچ وتخت سائبان میں رہتے، وہ صحن مکان میں کھینچ لیے جاتے۔ بقیہ لوگ اس پر بیٹھتے۔ زائرین حاجتیں پیش کرتے، اُن کی حاجتیں پوری کی جاتیں۔ حقہ پان سے ہر ایک کی تواضع کی جاتی۔ پان کا طریقہ اعلیٰ حضرت کے یہاں ہم لوگوں کے پوربی طریقہ کے بالکل خلاف تھا۔ یہاں کھلی لگانے کا دستور ہے، اور وہاں پان پر نصف میں چونا اور دوسرے نصف میں کتھا لگاتے ہیں اور پھر اُسے موڑ دیتے ہیں کہ چونا اور کتھا علیحدہ علیحدہ رہتا ہے۔ چھالیا الگ ترشی ہوئی رہتی ہے۔ ہر ایک شخص ایک ایک پان اور چھالیا حسب خواہش لے لیا کرتا۔ اعلیٰ حضرت زردہ نہیں استعمال فرماتے تھے، اسی لیے پان کی تھالی میں زردہ نہیں رکھا جاتا۔ حقہ عام طور پر لوگ، بپاس ادب، اعلیٰ حضرت کے سامنے نہیں پیا کرتے تھے۔ البتہ بعض بوڑھے یا سادات کرام، حضرت کے سامنے بھی حقہ نوش کرتے۔ ان کے سامنے حقہ بڑھا دیا جایا کرتا تھا۔

اعلیٰ حضرت کو خطوط کے جواب کا بہت اہتمام تھا اس خیال سے کہ خطوط ضائع نہ ہوں۔ حاجی کفایت اللہ صاحب (رح) ساکن محلہ بہاری پور خادم خاص اعلیٰ حضرت نے ایک خوبصورت بکس ٹین کا بنوا کر رنگ کرا آویزاں کر دیا تھا، جس میں ڈاکیہ خطوط، پیکٹ وغیرہ ڈال دیا کرتا تھا۔ اس میں برابر تالا لگا رہتا کہ کوئی ان خطوط کو نکال نہ لے۔ کنجی اس کی اعلیٰ حضرت کے پاس رہتی۔ عصر کی نماز پڑھ کر جب باہر آکر تشریف رکھتے تو کنجی مجھے عنایت فرماتے۔ بکس کھول کر اس روز کی ڈاک سب لا کر حاضر کر دیتا، اور ایک ایک خط پڑھنا شروع کرتا۔ اگر خط تصوف کے متعلق ہوتا، تو اعلیٰ حضرت خود رکھ لیتے اور اس کا جواب بنفس نفیس خود تحریر فرماتے۔ تعویذات کے متعلق ہوتا، تو میرے یا حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب کے حوالہ کیا جاتا۔ استفتا ہوتا، تو حسب مراتب مولوی نواب مرزا صاحب بریلوی۔۔۔ مولوی سید شاہ غلام محمد صاحب بہاری۔۔۔ راقم الحروف جامع حالات فقیر ظفر الدین قادری رضوی۔۔۔ مولوی حکیم سید عزیز غوث صاحب۔۔۔ حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب کے حوالہ فرماتے۔ بہت پیچیدہ اور اہم ہوتا، خود اعلیٰ حضرت ہی جواب تحریر فرماتے۔ فرائض کا مسئلہ زیادہ تر حضرت مولانا مولوی محمد رضا خاں صاحب عرف ننھے میاں برادر اصغر اعلیٰ حضرت کے حوالہ ہوتا۔ مدرسہ کے متعلق جو خط ہوتا، حضرت حجۃ الاسلام کے پاس بھجوایا جاتا۔ مطبع کے متعلق خطوط بھی میرے حوالہ کیے جاتے۔ غرض تعویذات واستفتا حسب حصہ رسدی اور مطبع کا سب کام میرے ذمہ تھا۔

ان سب قسموں کے علاوہ بعض مہذب حضرات نے گالی نامہ بھی بھیجے۔ وہ ان حضرات کے فرزندان روحی ومعنوی ہیں، جنہوں نے باتباع شیطان رجیم اللہ ورسول جل وعلا و ﷺ کی توہین کر کے اپنا دین ایمان بگاڑا، اور اپنے کو دائرہ اسلام سے الگ حدود مسلمین سے جدا کر لیا ہے۔ ان کے متعلق جب حکم شرعی خدا اور رسول کا، اعلیٰ حضرت نے ظاہر فرمایا، اور تقریراً وتحریراً اس کا اعلان کیا۔ بات حق تھی انکار کرتے نہ بنی نہ کچھ جواب ہی ہو

سکا، سوائے سکوت چارہ کار نہ تھا۔ ذریات نے اگرچہ بعد کو اس زخم کے اندمال کی کوشش کی، مگر جو بات ان کے بزرگوں سے نہ بن سکی، اذ ناب اسے کیا بجاتے۔ آخر اسی غم میں مار دم بریدہ کی طرح پیچ و تاب کھاتے، دل ہی دل میں جلتے۔ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ جب غصہ تاب سے باہر ہو جاتا، ایک دو گالی نامہ لکھ کر حضرت کی خدمت میں بذریعہ ڈاک بھیج دیا کرتے۔ اور سمجھتے کہ بہت بڑا کارنمایاں کیا۔ غرض اسی قسم کا ایک خط گالیوں سے بھرا ہوا، کسی صاحب کا آیا۔ میں نے چند سطریں پڑھ کر اس کو علاحدہ رکھ دیا۔ اور عرض کیا کہ کسی وہابی نے اپنی شرارت کا ثبوت دیا ہے۔ ایک مرید صاحب نے جو نئے نئے حلقہ ارادت میں آئے تھے، اس خط کو اُٹھالیا، اور پڑھنے لگے۔ اتفاق وقت کہ بھیجنے کا جو نام اور پتہ لکھا واقعی یا فرضی، وہ ان صاحب کے اطراف کے تھے۔ اس لیے ان کو اور بھی بہت زیادہ رنج ہوا۔ اس وقت تو خاموش رہے، لیکن جب اعلیٰ حضرت مغرب کی نماز کے بعد مکان تشریف لے جانے لگے، حضرت کو روک کر کہا۔ اس وقت جو خط میں نے پڑھا، جسے مولانا ظفر الدین صاحب نے ذرا سا پڑھ کر چھوڑ دیا تھا، کسی بدتمیز نے نہایت ہی کمینہ پن کو راہ دی ہے۔ اس میں گالیاں لکھ کر بھیجی ہیں، میری رائے ہے کہ ان پر مقدمہ کیا جائے۔ ایسے لوگوں کو قرار واقعی سزا دلوائی جائے تاکہ دوسروں کے لیے ذریعۂ عبرت و نصیحت ہو۔ ورنہ دوسروں کو بھی ایسی جرأت ہوگی، اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ تشریف رکھیے، اندر تشریف لے گئے اور دس پندرہ خطوط دست مبارک میں لیے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا کہ ان کو پڑھیے۔ ہم لوگ متحیر تھے کہ کس قسم کے خطوط ہیں؟ خیال ہوا کہ شاید اسی قسم کے گالی نامے ہوں گے۔ جس کے پڑھوانے سے یہ مقصود ہوگا کہ اس قسم کے خط آج کوئی نئی بات نہیں، بلکہ زمانہ سے آ رہے ہیں، میں اس کا عادی ہوں۔ لیکن خط پڑھتے جاتے تھے اور ان صاحب کا چہرہ خوشی سے دمکتا جاتا تھا۔ آخر جب سب خط پڑھ چکے، تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا: پہلے ان تعریف کرنے والوں بلکہ تعریف کا پل باندھنے والوں کا انعام و اکرام جاگیر و عطیات سے مالا مال کر دیجیے، پھر گالی دینے والوں کو سزا دلوانے کی فکر کیجیے گا، انہوں نے اپنی مجبوری و معذوری ظاہری کی اور کہا کہ جی تو یہی چاہتا ہے کہ ان سب کو اتنا انعام و اکرام دیا جائے کہ نہ صرف ان کو بلکہ ان کے پشہا پشت کو کافی ہو۔ مگر میری وسعت سے باہر ہے۔ فرمایا: جب آپ مخلص کو نفع نہیں پہنچا سکتے تو مخالف کو نقصان بھی نہ پہنچائیے۔ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ (۸)(ق ۶۶-۷۰)

جناب سید ایوب علی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ایک کمسن صاحبزادے نہایت ہی بے تکلفانہ انداز میں سادگی کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے، اور عرض کی۔ میری بوا (یعنی والدہ) نے تمہاری دعوت کی ہے۔ کل صبح کو بلایا ہے۔ حضور نے ان سے دریافت فرمایا۔ مجھے دعوت میں کیا کھلائیے گا؟ اس پر ان صاحبزادے نے اپنے کرتے کا دامن جو دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے تھے، پھیلا دیا، جس میں ماش کی دال اور دو چار مرچیں پڑی ہوئیں تھیں۔ کہنے لگے، دیکھئے نا! یہ دال لایا ہوں۔ حضور نے ان کے سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے فرمایا: اچھا۔ میں اور یہ (حاجی کفایت اللہ صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کل دس بجے دن آئیں گے۔ اور حاجی صاحب سے فرمایا: مکان کا پتہ دریافت کر لیجئے۔ غرض صاحبزادے مکان کا پتہ بتا کر خوش خوش چلے گئے۔ یہ ہے حدیث شریف لـودعيت الى كراع لأ جبته کی تعمیل۔ دوسرے دن وقت متعین پر حضور عصائے مبارک ہاتھ میں لیے ہوئے باہر تشریف لائے اور حاجی صاحب سے فرمایا: چلئے۔ انہوں نے عرض کیا کہاں؟ فرمایا: ان صاحبزادے کے یہاں، دعوت کا وعدہ جو کیا ہے۔ آپ کو مکان کا پتہ معلوم ہو گیا یا نہیں؟ عرض کیا۔ ہاں حضور! ملوک پور میں ہے۔ اور ساتھ ہو لیے۔ حضور کو دیکھتے ہی یہ کہتے ہوئے بھاگے۔ ارے مولوی صاحب آگئے۔ اور مکان کے اندر چلے گئے۔ دروازہ میں ایک چھپر پڑا تھا، وہاں کھڑے ہو کر حضور انتظار فرمانے لگے، کچھ دیر بعد ایک بوسیدہ چٹائی آئی اور ڈھلیا میں موٹی موٹی باجرہ کی روٹیاں اور مٹی کی رکاب میں وہی ماش کی دال، جس میں مرچوں کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے، لا کر رکھ دی اور کہنے لگے: لو کھاؤ۔ حضور نے فرمایا۔ بہت اچھا! کھاتا ہوں۔ ہاتھ دھونے کے لیے پانی لے آئیے۔ ادھر وہ صاحبزادے پانی لانے کو گئے اور ادھر حاجی صاحب نے کہا کہ حضور یہ مکان نقارچی کا ہے۔ حضور یہ سن کر کبیدہ ہوئے، اور اظہاراً فرمایا: ابھی کیوں کہا، کھانا کھانے کے بعد کہا ہوتا۔ اتنے میں صاحبزادے پانی لے کر آگئے۔ حضرت نے دریافت فرمایا: آپ کے والد صاحب کہاں ہیں، اور کیا کام کرتے ہیں؟ دروازہ کے پردے میں ان صاحبزادے کی والدہ صاحبہ نے عرض کیا۔ حضور! میرے شوہر کا انتقال ہو گیا، وہ کسی زمانہ میں نوبت بجاتے تھے، اس کے بعد توبہ کر لی تھی۔ اب صرف یہی لڑکا ہے، جو راج مزدوروں کے ساتھ مزدوری کرتا ہے۔ حضور نے الحمد للہ کہا، اور دعائے خیر و برکت فرمائی۔ حاجی صاحب نے حضور کے ہاتھ دھلوائے اور خود ہاتھ دھو کر شریک طعام ہو گئے، مگر دل ہی دل میں حاجی صاحب کو یہ خیال گشت کر رہا تھا کہ حضور کو کھانے میں بہت احتیاط ہے، غذا میں سوجی کے بسکٹ کا استعمال ہے، یہ روٹی اور وہ بھی باجرے کی، اور اس پر ماش کی دال۔ کس طرح تناول فرمائیں گے؟ مگر قربان اس اخلاق اور دلداری کے کہ میزبان کی خوشی کے لیے خوب سیر ہو کر کھایا۔ حاجی صاحب فرماتے تھے کہ میں جب تک کھاتا رہا، حضور بھی برابر تناول فرماتے رہے۔ وہاں سے واپسی میں پولیس کی چوکی کے قریب حاجی صاحب کے شبہ کو رفع فرمانے کے لیے ارشاد فرمایا: اگر ایسی خلوص کی دعوت روز ہو تو میں روز قبول کروں۔

جامع حالات فقیر ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ المولی القوی کہتا ہے کہ میرے قیام بریلی شریف کے زمانہ میں بھی ایک واقعہ اسی قسم کا پیش آیا تھا۔ محلہ بانسمنڈی کے قریب ایک صاحب اعلیٰ حضرت کو دعوت دے کر چلے گئے۔ دوسرے دن گاڑی ائی، اعلیٰ حضرت نے مجھ سے فرمایا: مولانا آپ

بھی چلیں۔ گرمی کا زمانہ تھا، اور بعد مغرب کا وقت۔ مکان پر گاڑی پہنچی تو میزبان صاحب منتظر تھے۔ باہر بیٹھنے کی کوئی جگہ نہ تھی۔ اندر مکان کے تشریف لے گئے۔ آنگن میں ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی، اور اس پر دری تھی۔ چلتے وقت میں نے خیال کیا تھا کہ پلاؤ ضرور ہوگا۔ اب جو دیکھتا ہوں کہ ہاتھ دھلانے کے بعد ایک ڈھلیا میں چند روٹیاں رکھی ہوئی ہیں اور قیمہ غالباً گائے کے گوشت کا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے الجھن ہوئی، نگاہ اوپر اٹھائی تو سامنے خس پوش مکان نظر پڑا۔ سمجھا کہ آدمی غریب ہے اس لیے اس سے جو ہو سکا حاضر کیا۔ لیکن ساتھ ساتھ خیال ہو رہا تھا کہ اعلیٰ حضرت تو گائے کا گوشت تناول نہیں فرماتے۔ اگر شوربہ دار ہوتا، تو شوربے ہی پر اکتفا فرماتے۔ میں اسی خیال میں تھا کہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: حدیث شریف میں

ہے کہ **بسم اللّٰہ الذی لا یضر مع اسمہ شیءٌ فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم** پڑھ کر مسلمان جو کچھ کھالے، ہرگز ضرر نہ دے گا۔ میں سمجھ گیا کہ میرے شبہہ کا جواب ہے۔ میزبان صاحب میرے ملاقاتی تھے۔ جب کھانے کے بعد میں ہاتھ دھونے لگا، تو ان سے کہا کہ اس غربت کی حالت میں آپ کو اعلیٰ حضرت کے دعوت کی ضرورت ہی کیا تھی؟ بولے کہ غربت ہی کی وجہ سے تو اعلیٰ حضرت کی دعوت کی تاکہ اعلیٰ حضرت کا قدم مبارک میرے یہاں پہنچے، نان نمک جو کچھ ہو سکے حاضر خدمت کروں، حضور کھانے کے بعد دعا فرمائیں، تو گھر کا دلدر دور ہو، اور خوشحالی آئے، اور برکات دین و دنیا حاصل ہوں۔

ذکاء اللہ خاں صاحب کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت ایک زمانہ میں حسن میاں والے مکان شریف رکھتے تھے ایک روز شہر میں کسی جگہ حضرت کا تشریف لے جانا ہوا۔ خادم ہمراہ گیا، واپسی پر دوپہر کے کھانے کا وقت تھا۔ فرمایا: ذرا ٹھہریئے گا۔ یہ کہہ کہ مکان کے اندر تشریف لے گئے۔ چند منٹ کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت میرے لیے سینی میں کھانا لیے ہوئے تشریف لا رہے ہیں، اور مجھ سے فرمایا: کھایئے۔ میں شرم اور ندامت کے مارے ہمت نہیں کرتا تھا۔ آخر حضرت کے اصرار کی وجہ سے کھانا دست مبارک سے لے لیا، اور کھالیا۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ فقیر کا لڑکا یعقوب علی عرف جیلانی میاں بیان کرتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی کچھ ہلکی سی صورت یاد ہے۔ ایک واقعہ میں مجرم کی حیثیت سے حضرت کے سامنے، میں پیش کیا گیا تھا۔ کیونکہ والدہ اپنے ساتھ مجھ کو اور میری خالہ زاد بہن کو میری ہم عمر تھیں، لے گئی تھیں۔ اس کو میں بلا کہہ کر چڑایا کرتا تھا۔ چنانچہ اس دن بھی میں نے چڑایا، اور شاید مارا بھی۔ وہ شکایت لے کر حضرت قبلہ کے پاس گئی کہ دیکھئے حضرت! جیلانی میاں نے مجھے مارا ہے۔ حضرت نے جب سنا تو ان کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا۔ فرمایا: بلاؤ جیلانی کو۔ وہ سمجھے کہ ان کے پوتے جیلانی میاں نے یہ شرارت کی ہے۔ مگر جب مجھے حاضر کیا گیا، میری بہن نے کہا کہ اس نے مجھے مارا ہے، تو حضرت نے مسکرا کر پوچھا۔ بھئی! تم نے کیوں مارا؟ میں نے کہا حضرت یہ بلا ہے اس لیے مارا ہے۔ اس پر حضرت نے اپنے ہاتھ سے ہم دونوں کو ایک نوالہ کھلایا اور ہم دونوں ان کے ہاتھ سے ایک ایک نوالا کھا کر بھاگ آئے۔ اللہ اللہ مہمان کی کتنی خاطر داری ملحوظ ہے۔

جامع حالات فقیر ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ المولی القوی کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی عام غذا روٹی چکی کے پسے ہوئے آٹے کی، اور بکری کا قورمہ تھا۔ گائے کا گوشت تناول نہیں فرمایا کرتے تھے۔ لیکن ایک شخص نے حضرت کی دعوت کی، وہ باصرار لے گئے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے تھے، ان دنوں جناب سید حبیب اللہ صاحب و مشتاق جیلانی فقیر کے یہاں مقیم تھے، ان کی بھی دعوت تھی۔ میرے ساتھ تشریف لے گئے۔ وہاں دعوت کا یہ سامان تھا کہ چند لوگ گائے کے کباب بنا رہے تھے اور حلوائی پوریاں۔ یہی کھانا تھا۔ سید صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ آپ گائے کے گوشت کے عادی نہیں ہیں، اور یہاں اور کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ بہتر کہ صاحب خانہ سے کہہ دیا جائے، میں نے کہا میری عادت نہیں، وہی پوریاں، کباب کھائے۔ اسی دن مسوڑھوں میں ورم ہوگیا اور اتنا بڑھا کہ حلق اور منہ بالکل بند ہوگیا۔ مشکل سے تھوڑا دودھ حلق سے اتارتا تھا، اور اسی پر اکتفا کرتا۔ بات بالکل نہ کر سکتا تھا۔ یہاں تک کہ قرأت سریہ بھی میسر نہ تھی۔ سنتوں میں بھی کسی کی اقتدا کرتا۔ اس وقت مذہب حنفی میں عدم جواز قرأت خلف الامام کا یہ نفیس فائدہ مشاہدہ ہوا۔ جو کچھ کسی سے کہنا ہوتا۔ لکھ دیتا۔ بخار بہت شدید اور کان کے پیچھے گلٹیاں۔ میرے منجھلے بھائی مرحوم ایک طبیب کو لائے۔ ان دنوں بریلی میں مرض طاعون بشدت تھا۔ ان صاحب نے بغور دیکھ کر سات آٹھ مرتبہ کہا۔ یہ وہی ہے وہی ہے یعنی طاعون۔ میں بالکل کلام نہ کر سکتا تھا، اس لیے انھیں جواب نہ دے سکا۔ حالانکہ میں خوب جانتا تھا کہ یہ غلط کہہ رہے ہیں۔ نہ مجھے طاعون ہے اور نہ ان شاء اللہ العزیز کبھی ہوگا۔ اس لیے کہ میں نے طاعون زدہ کو دیکھ کر بارہا وہ دعا پڑھ لی ہے، جسے حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھ لے گا۔ اس بلا سے محفوظ رہے گا۔

وہ دعا یہ ہے۔

الحمدللّٰہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ و فضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلاً

جن جن امراض کے مریضوں، جن جن بلاؤں کے مبتلاؤں کو دیکھ کر میں نے اسے پڑھا۔ الحمد اللہ تعالیٰ آج تک ان سب سے محفوظ ہوں، اور بعونہ تعالیٰ ہمیشہ محفوظ رہوں گا۔ البتہ ایک بار اسے پڑھنے کا مجھے افسوس ہے۔ مجھے نوعمری میں اکثر آشوب چشم ہو جاتا کرتا تھا، اور بوجہ حدت مزاج بہت تکلیف دیکھتا تھا۔ ۱۹ سال کی عمر ہوگی کہ رامپور جاتے ہوئے ایک شخص کو رمد چشم میں مبتلا دیکھ کر یہ دعا پڑھی، جب سے اب تک آشوب چشم پھر نہیں

ہوا۔ اسی نماز میں صرف دو مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک کچھ دبتی معلوم ہوئی۔ دو چار دن بعد وہ صاف ہوگئی۔ دوسری دبی وہ بھی صاف ہوگئی، مگر درد، کھٹک، سرخی، کوئی تکلیف اصلاً کسی قسم کی نہیں۔ افسوس اس لیے کہ حضور سرور عالم ﷺ سے حدیث ہے۔ تین بیماریوں کو مکروہ نہ جانو زکام کہ اس کی وجہ سے بہت سی بیماریوں کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ کھجلی، کہ اس سے امراض جلد یہ جذام وغیرہ کا انسداد ہو جاتا ہے۔ آشوب چشم، نابینائی کو دفع کرتا ہے۔ اس دعا کی برکت سے یہ تو جاتا رہا۔ ایک اور مرض پیش آیا۔

جمادی الاولیٰ ۱۳۰۰ھ میں، بعض اہم تصانیف کے سبب ایک مہینہ باریک خط کی کتابوں شبانہ روز علی الاتصال دیکھتا ہوا۔ گرمی کا موسم تھا۔ دن کو اندر کے دالان میں کتاب دیکھتا اور لکھتا۔ اٹھائیسواں سال تھا۔ آنکھوں نے اندھیرے کا خیال نہ کیا۔ ایک روز شدت گرمی کے باعث دوپہر کو لکھتے لکھتے نہایا۔ سر پر پانی پڑتے ہی معلوم ہوا کہ کوئی چیز سر سے دہنی آنکھ میں اتر آئی۔ بائیں آنکھ بند کر کے دہنی سے دیکھا، تو وسط شئی مرئی میں ایک سیاہ حلقہ نظر آیا۔ اس کے نیچے شئی کا جتنا حصہ ہوا۔ وہ ناصاف اور دبا ہوا معلوم ہوتا۔ یہاں ایک ڈاکٹر اس زمانہ میں علاج چشم میں بہت سربرآوردہ تھا۔ سنڈر سن یا انڈرسن کچھ ایسا ہی نام تھا۔ میرے استاد جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۹) نے اصرار فرمایا کہ اسے آنکھ دکھائی جائے، علاج کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے۔ ڈاکٹر نے اندھیرے کمرے میں صرف آنکھ پر روشنی ڈال کر آلات سے بہت دیر تک بغور دیکھا اور کہا کہ کثرت کتاب بینی سے کچھ یبوست آگئی ہے۔ پندرہ کتاب نہ دیکھئے۔ مجھ سے پندرہ گھڑی بھی کتاب نہ چھوٹ سکی۔

حکیم سید مولوی اشفاق حسین صاحب مرحوم سہوانی ڈپٹی کلکٹر طبابت بھی کرتے تھے اور فقیر کے مہربان تھے۔ فرمایا: مقدمہ نزول آب ہے، بیس برس بعد (خدا نا کردہ) پانی اتر آئے گا۔ میں نے التفات نہ کیا اور نزول آب والے کو دیکھ کر وہی دعا پڑھ لی اور اپنے محبوب ﷺ کے ارشاد پاک پر مطمئن ہوگیا۔ ۱۳۱۶ھ میں ایک اور حاذق طبیب کے سامنے ذکر ہوا۔ کہا چار برس بعد (خدانخواستہ) پانی اتر آئے گا۔ ان کا حساب ڈپٹی صاحب کے حساب سے بالکل موافق آیا۔ انہوں نے بیس برس کے بعد کہے تھے، انہوں نے سولہ برس بعد، چار برس کہے۔ مجھے محبوب ﷺ کے ارشاد پر وہ اعتماد نہ تھا کہ طبیبوں کے کہنے سے معاذ اللہ متزلزل ہوتا۔ الحمد للہ بیس در کنار تیس برس سے زائد گذر چکے ہیں، اور وہ حلقہ ذرہ بھر نہ بڑھا، نہ بعونہ تعالیٰ بڑھے گا، نہ میں نے کتاب بینی میں کبھی کمی کی، نہ کمی کروں۔ یہ میں نے اس لیے بیان کیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے دائم و باقی معجزات ہیں، جو آج تک آنکھوں دیکھے جارہے ہیں اور قیامت تک اہل ایمان مشاہدہ کریں گے۔ اگر انہیں واقعات کو بیان کروں جو ارشادات کہ منافع میں نے خوب اپنی ذات میں مشاہدہ کئے، تو ایک دفتر ہو۔ مجھے ارشاد حدیث پر اطمینان تھا کہ مجھے طاعون کبھی نہ ہوگا۔ آخر شب میں کرب بڑھا، میرے دل نے درگاہ الٰہی میں عرض کی اللھم صدق الحبیب و کذب الطبیب کسی نے میرے دہنے کان پر منہ رکھ کر کہا مسواک اور سیاہ مرچیں، لوگ باری باری میرے لیے جاگتے تھے۔ اس وقت جو شخص جاگ رہا تھا میں نے ارشارہ سے بلایا اور اُسے مسواک اور سیاہ مرچ کا اشارہ کیا۔ وہ مسواک تو سمجھ گئے، گول مرچ کس طرح سمجھیں۔ غرض بمشکل سمجھے، جب دونوں چیزیں آئیں۔ بدقت میں نے مسواک کے سہارے پر تھوڑا تھوڑا منھ کھولا، اور دانتوں میں مسواک رکھ کر سیاہ مرچ کا سفوف چھوڑ دیا کہ دانتوں نے بند ہو کر دبالیا۔ پسی ہوئی مرچیں اسی راہ سے داڑھوں تک پہنچائیں۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک کلی خالص خون کی آئی، مگر کوئی تکلیف واذیت محسوس نہ ہوئی۔ اس کے بعد ایک کلی خون کی اور آئی اور بحمد اللہ وہ گلٹیاں جاری رہیں، منھ کھل گیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور طبیب صاحب سے کہلا بھیجا کہ آپ کا وہ طاعون بفضلہ تعالیٰ دفع ہوگیا۔ دو تین میں بخار بھی جاتا رہا۔ (ق ۸۸ تا ۹۳)

جناب حافظ یقین الدین صاحب قادری رضوی کا بیان ہے غالباً ۱۲۹۵ھ یا ۱۲۹۶ھ کا واقعہ ہے کہ میں اور حافظ عبدالکریم صاحب قضا و قدر کے مسئلہ کو دریافت کرنے کی غرض سے مولانا نالائق علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حضور میں گئے، اور دریافت کیا۔ حضرت ممدوح نے اس کا جواب دیا۔ جس سے اس کے متعلق پھر کچھ سوال کیا، تو وہ برافروختہ ہوئے۔ ہم دونوں اٹھ کر مولانا یعقوب علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے اور وہی سوال کیا۔ انہوں نے بھی وہی جواب دیا۔ دوبارہ دریافت کرنے پر وہ بھی خفا ہوگئے۔ تو اعلیٰ حضرت ﷺ کے حضور میں حاضر ہوئے، اور وہی سوال کیا۔ اور حضور نے بھی وہی جواب دیا، دوبارہ دریافت کرنے پر اس قدر سمجھایا کہ خوب اطمینان ہوگیا۔ اور انتہا درجہ کی خوشی حاصل ہوئی۔ اس کے بعد اکثر ہم دونوں حاضر ہوا کرتے تھے اور بے فرحت و مسرت حاصل ہوتی تھی، بلکہ جب کبھی راحت میں کسی طرح کا انتشار یا فکر و رنج ہوتا تھا، تو اس کی دفع کی تدبیر وہاں کی حاضری ہی ہوتی تھی۔ حضور کے فیض و برکت سے وہ فکر و رنج، فرحت و سرور سے بدل جاتے تھے۔ (ق ۱۳۹)

کرم و سخاوت:

جناب ذکاء اللہ خان صاحب کا بیان ہے کہ سردی کا موسم تھا۔ بعد مغرب اعلیٰ حضرت حسب معمول پھاٹک میں تشریف لاکر سب لوگوں کو رخصت کر رہے تھے۔ خادم کو دیکھ کر فرمایا: آپ کے پاس رزائی نہیں ہے؟ خادم خاموش ہوگیا۔ اس وقت جو رزائی اعلیٰ حضرت اوڑھے تھے، خادم کو اُتار کر دے دی، اور فرمایا کہ اوڑھ لیجئے۔ خادم نے بصد ادب قدم بوسی کی، اور حضرت کے فرمان مبارک کی تعمیل کی اور رزائی اوڑھ لی۔

انہیں کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت نے جب رزائی مجھے عنایت فرمائی، اُس کے دو تین دن کے بعد حضرت کی نئی رزائی تیار ہو کر آگئی۔ نئی رزائی اوڑھے

ہوئے چند ہی روز گزرے تھے کہ مسجد میں ایک مسافر صاحب رات کے وقت آئے اور اعلیٰ حضرت سے عرض کیا میرے پاس کچھ اوڑھنے کو نہیں ہے اعلیٰ حضرت نے وہی نئی رزائی اُن مسافر صاحب کو عطا فرمادی۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے: میرے والد علیل تھے۔ عسرت کی حالت تھی، حضور نے دس روپے مجھے عطا فرمائے اور میری طبیعت کا اندازہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ میں آپ کو نہیں دیتا ہوں، بلکہ اپنے دوست کی دوا کے لیے دے رہا ہوں۔ انہیں کا بیان ہے کہ موسم برسات میں بعض اوقات مسجد کی حاضری بحالت ترشح ہوا کرتی تھی۔ حاجی کفایت اللہ صاحب نے اس تکلیف کو محسوس کرتے ہوئے ایک چھتری خرید کر نذر کی، اور اپنے ہی پاس رکھ لی کہ جب حضور کاشانۂ اقدس سے باہر تشریف لاتے، تو حاجی صاحب چھتری لگا کر مسجد تک لے جاتے۔ ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ایک حاجت مند نے چھتری کا سوال کیا، حضور نے فوراً چھتری حاجی صاحب سے دلوادی۔

انہیں کا بیان ہے کہ موسم سرما میں ایک مرتبہ ننھے میاں صاحب (برادر خورد اعلیٰ حضرت جناب مولانا محمد رضا خاں صاحب قدس سرہ) نے حضور کے واسطے خاص طور پر ایک فرد تیار کرا کر پیش کی۔ حضور کی عادت کریمہ تھی کہ ہر سال فردیں تیار کرا کے غربا کو تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ اس سال کی سب تقسیم ہو چکی تھیں کہ ایک صاحب نے درخواست کی۔ حضور نے بلا تاخیر اپنی وہ فرد جو حضرت ننھے میاں صاحب نے تیار کر کے حاضر خدمت کی تھی اور اسی وقت اُس کو اوڑھا تھا، اُتار کر دے دی۔ انہیں کا بیان ہے کہ علامہ شیریں زبان واعظ خوش بیان مولانا مولوی حاجی قاری شاہ عبدالعلیم صاحب صدیقی قادری رضوی میرٹھی حرمین طیبین سے واپسی پر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مندرجہ ذیل منقبت نہایت ہی خوش آوازی سے پڑھ کر سنائی۔

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اُس سے سوا تم ہو — قسیم جام عرفاں اے شہ احمد رضا تم ہو
غریق بحر الفت مست جام بادۂ وحدت — محب خاص منظور حبیب کبریا تم ہو
جو مرکز ہو شریعت کا مدار اہل طریقت کا — جو محور ہے حقیقت کا وہ قطب الاولیا تم ہو
یہاں آ کر ملیں نہریں شریعت اور طریقت کی — ہے سینہ مجمع البحرین ایسے رہنما تم ہو
حرم والوں نے مانا تم کو اپنا قبلہ و کعبہ — جو قبلہ اہل قبلہ کا ہے وہ قبلہ نما تم ہو
مزین جس سے ہے تاج فضیلت تاج والوں کی — وہ لعل پر ضیا تم ہو وہ دُرِّ بے بہا تم ہو
عرب میں جا کے ان آنکھوں نے دیکھا جس کی صولت کو — عجم کے واسطے لاریب وہ قبلہ نما تم ہو
ہیں سیارہ صفت گردش کناں اہل طریقت یاں — وہ قطب وقت اے سرخیل جمع اولیا تم ہو
عیاں ہے شان صدیقی تمہاری شان تقویٰ سے — کہوں اتقیٰ نہ کیوں کر جبکہ خیر الاتقیا تم ہو
جلال و ہیبت فاروق اعظم آپ سے ظاہر — عدو اللہ پر اک حربۂ تیغ خدا تم ہو
أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ کے ہو سر بسر مظہر — مخالف جس سے تھرائیں وہی شیر وفا تم ہو
تمہیں نے جمع فرمائے نکات و رمز قرآنی — یہ ورثہ پانے والے حضرت عثماں کا تم ہو
خلوص مرتضیٰ خلق حسن عزم حسینی میں — عدیم المثل یکتائے زمن اے باخدا تم ہو
تمہیں پھیلا رہے ہو علم حق اکناف عالم میں — امام اہل سنت نائب غوث الوریٰ تم ہو
بھکاری تیرے در کا بھیک کی جھولی ہے پھیلائے — بھکاری کی بھرو جھولی گدا کا آسرا تم ہو
وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ ہر اک سائل کا حق ٹھہرا — نہیں پھرتا کوئی محروم ایسے بادسخا تم ہو
علیم خستہ اک ادنیٰ گدا ہے آستانہ کا — کرم فرمانے والے حال پر اُس کے شہا تم ہو

جب مولانا اشعار پڑھ چکے تو حضور نے ارشاد فرمایا: مولانا! میں آپ کی خدمت میں کیا پیش کروں؟ (اپنے عمامہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے جو بہت قیمت تھا۔ فرمایا) اگر اس عمامہ کو پیش کروں، تو آپ اس دیار پاک سے تشریف لا رہے ہیں، یہ عمامہ آپ کے قدموں کے لائق بھی نہیں۔ البتہ میرے کپڑوں میں سب سے بیش قیمت ایک جبہ ہے، وہ حاضر کیے دیتا ہوں، اور کاشانۂ اقدس سے سرخ کاشانی مخمل کا جبہ مبارکہ لا کر عطا فرمادیا، جو ڈیڑھ سو روپے سے کسی طرح کم قیمت کا نہ ہوگا۔ مولانا ممدوح نے سروقد کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ پھیلا کر لے لیا۔ آنکھوں سے لگایا، لبوں سے چوما، سر پر رکھا، سینے سے دیر تک لگائے رہے۔

جناب مولانا شاہ عبدالعلیم صاحب صدیقی میرٹھی کو جبہ عطا فرمانے پر ایک واقعہ مجھے اپنا بھی یاد آگیا، جو حضور کے جود و سخا اور اس فقیر پر نظر شفقت و مہربانی کی بین دلیل ہے۔ ۱۳۳۶ھ ملک میوات میں وہابیہ دیوبندیہ نے بہت اودھم مچا رکھا تھا، اور بیچارے سیدھے سادے میواتیوں کو اپنے دام

تزویر میں پھنسانا چاہتے تھے، کہ جناب مولانا صوفی رکن الدین صاحب الوری نے مولانا مولوی احمد حسین خاں صاحب رامپوری مقیم درگاہ معلی اجمیر شریف اندرون حجرہ نواب رامپور کو کسی عالم مناظر کو لینے کے لیے بریلی شریف بھیجا۔ مولوی صاحب موصوف بریلی حاضر ہوئے اور اعلیٰ حضرت سے وہاں کے حالات عرض کئے۔ اس وقت اعلیٰ حضرت نے مجھے یاد فرمایا: اور حکم دیا کہ ملک میوات تحصیل نواح فیروز پوجھرکا میں وہابیوں سے مناظرہ کرنا ہے۔ آپ مولانا کے ساتھ تشریف لے جائیے، اور وہابیہ کو شکست دیجئے، میں نے عرض کیا، تعمیل ارشاد کو حاضر ہوں۔ حضور کی دعا کی ضرورت ہے، حضور کی دعا شامل حال رہی تو ان شاء اللہ تعالیٰ وہابیہ کو ضرور شکست ہوگی۔ اس وقت اعلیٰ حضرت مکان کے اندر تشریف لے گئے اور ایک اونی جبّہ لاکر مجھے عنایت فرمایا: اور ارشاد ہوا کہ یہ مدینہ طیبہ کا ہے۔ میں نے اُسے دونوں ہاتھوں سے لے سر پر رکھا، آنکھوں سے لگایا اور رکھ لیا۔ اعلیٰ حضرت کی دعا اور اس جبّہ مبارکہ کی یہ برکت ہوئی کہ وہابیہ کی طرف متعدد صاحبان مناظرہ کے لئے آئے تھے۔ اُن میں ایک صاحب ایسے بھی جو بقول خود مکہ معظمہ میں تین چار سال قیام بھی کر چکے تھے، اور اسی بنا پر بڑے زور سے دعویٰ کیا تھا کہ تقریریں سب عربی میں ہوں۔ ادھر سے کہا گیا کہ مولانا یہ مجلس مناظرہ ہے، دونوں طرف کے عام بکثرت شریک جلسہ ہوئے ہیں، عربی میں فریقین کی تقریر ہونے سے کیا سمجھیں گے؟ لیکن وہ نہیں مانے اور اسی پر اصرار کیا۔ دو تین مرتبہ فریقین کی تقریریں ہوئیں تھیں، کہ مولوی صاحب موصوف تقریر کرتے کرتے بول اٹھے۔ **والناسُ مں فهمند** مولوی احمد خاں صاحب رامپوری نے فوراً ٹوکا۔ مولانا! یہ تو فصیح عربی نہیں ہوئی، فصیح **عربی والناسُ مں** مجھند ہے۔ کیا ایسی ہی عربی مکہ معظمہ سے سیکھ کر آئے ہیں؟ اس پر زبردست قہقہہ پڑا، اور مولوی صاحب کھسیانے سے ہوگئے۔ اُس کے بعد بقیہ تقریر اُردو میں کی۔ پھر فریقین کی تقریریں عربی کی جگہ اردو ہی میں ہونے لگیں۔ جب ابتدائی مباحث طے ہوگئے اور علمی سوالات کی نوبت آئی تو پہلی ہی سوال کے جواب میں سبھوں نے ایسی خاموشی اختیار کی کہ ایک لفظ بھی نہ بول سکے۔ تقاضے پر تقاضے ہوتے، مگر ان کا سکوت نہ ٹوٹتا۔ تین گھنٹے تک سب کے سب خاموش محض رہے۔ آخر ثالث وحکم صاحب نے کہا۔ مولانا! کچھ تو بولیے، تا کہ ہم لوگوں کو کچھ کہنے کا موقع ملے۔ اس پر بھی وہ لوگ خاموش محض رہے۔ آخر مجبوراً اُن لوگوں نے بھی اعلان کیا۔

صاحبو! آپ لوگوں کے سامنے سب ابتدائی باتیں طے ہوئیں۔ جب علمی باتوں کی نوبت آئی، مولانا ظفر الدین صاحب نے جو سوالات کئے، ان کے جوابات میں ان تمام علما نے سکوت محض سے کام لیا، اور بالکل خاموشی میں تین گھنٹہ وقت صرف کر دیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہے، اور یہ لوگ جواب سے قاصر ہیں۔ ورنہ کس دن کے لئے اُٹھا رکھتے۔ ان لوگوں کا مذہب باطل اور مولوی شاہ رکن الدین صاحب ومولوی شاہ ارشاد علی صاحب ومولانا مولوی حق ہے۔ آپ لوگ آتے وقت دو دروازے سے الگ الگ داخل ہوئے تھے، اب سب لوگ متفق ہو کر اس دروازہ سے مولوی ظفر الدین صاحب کے ساتھ مناظرہ گاہ سے باہر تشریف لے جائیے۔ چنانچہ اُن چند مولویوں کے علاوہ بقیہ سب لوگ علمائے اہل سنت کے ساتھ ساتھ آئے **الحمد للّٰہ علی ذلک** جب بخیر وخوبی کامیابی کیساتھ ہم لوگ بریلی شریف واپس ہوئے اور اعلیٰ حضرت کو اس مناظرہ کی روداد سنائی، اور اُن لوگوں کی خواہش کا اظہار کیا کہ میوات والے چاہتے ہیں کہ مناظرہ کے پورے حالات کتابی شکل میں شائع کر دیے جائیں، وہ لوگ اس کی طباعت کے مصارف برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے بھی اسے پسند فرمایا اور اس رسالہ کا تاریخی نام "یکے نجدیہ کا چپ مناظرہ" رکھا۔ اور جناب مولانا حسن رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا تاریخی نام "شکست سفاہت" رکھا۔ چنانچہ یہ رسالہ اسی زمانہ میں چھپ کر تمام ملک میں شائع کر دیا گیا۔ (ق ۵۴، ۵۶)

سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ کاشانۂ اقدس سے کبھی کوئی سائل خالی نہ پھرتا۔ اس کے علاوہ بیوگان کی امداد، ضرورت مندوں کی حاجت روائی، ناداروں کے سو کد (علی الاللہ) مہینے مقرر تھے۔ اور یہ اعانت فقط مقامی ہی نہ تھی، بلکہ بیرون جات میں بذریعہ منی آرڈر رقوم امداد روانہ فرمایا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک صاحب کی خدمت میں مدینہ طیبہ پچاس روپے روانہ کرنے تھے، اتفاق وقت کہ حضور کے پاس اس وقت کچھ نہ تھا۔ حضور نے بارگاہ رسالت ﷺ میں رجوع کیا کہ سرکار! میں نے کچھ بندگان خدا کے مہینے حضور کے بھروسے پر اپنے ذمہ مقرر کر لیے ہیں۔ اگر کل منی آرڈر پچاس روپیہ کا روانہ ہو جائے گا، تو ڈاک کے جہاز کے وقت پہنچ جائے گا، ورنہ تاخیر ہو جائے گی، یہ رات حضور کی اسی کرب وبے چینی میں گزری۔ علی الصباح ایک سیٹھ صاحب حاضر آستانہ ہوئے، اور مبلغ اکاون روپے مولوی حسنین رضا خاں صاحب کے ذریعے مکان میں بطور نذر حاضر خدمت کیے۔ اس وقت حضور پر بہت رقت طاری ہوئی اور مذکورہ بالا ضرورت کا انکشاف فرمایا۔ ارشاد ہوا: یہ یقیناً سرکاری عطیہ ہے۔ اس لیے کہ اکاون روپے ملنے کے کوئی معنی نہیں۔ سوائے اس کے کہ پچاس بھیجنے کے لیے فیس منی آرڈر بھی تو چاہیے۔ چنانچہ اُسی وقت منی آرڈر کا فارم بھرا گیا، اور ڈاکخانہ کھلتے ہی منی آرڈر کر دیا گیا۔

انہیں کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک ضرورت مند صاحب حاضر خدمت ہوئے۔ حضور نے ارشاد فرمایا: اس وقت میرے پاس صرف ساڑھے تین آنے پیسے ہیں، اور وہ بھی بعض خطوط کے جوابات کے لئے رکھے تھے۔ اگر آپ فرمائیں تو حاضر کر دیئے جائیں۔ حالانکہ آج ڈاک سے ایک منی آرڈر ڈھائی سو روپے کا آیا تھا، اور وہ سب تقسیم کر دیئے گئے، پہلے سے آپ آجاتے تو آپ کو بھی مل جاتا۔ اُن بیچارے نے آبدیدہ ہو کر نظر نیچی کر لی

اور حضور نے وہ ساڑھے تین آنے اُن کے حوالہ کر دیئے۔

یہاں یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ حضور نے ڈھائی سو روپے کے آنے اور تقسیم ہو جانے کا ذکر کیوں فرمایا؟ نہ اس خیال سے کہ عوام متحیر جائیں، نام و نمود کا تو اس دربار عالی میں کوئی ذکر ہی نہ تھا۔ حقیقۃً یہ بات تھی کہ ڈھائی سو روپے ہم خدام کے سامنے آئے تھے، اسی لیے بعض لوگوں کے وسوسہ رفع کرنے کو خلاف معمول یہ بیان فرمایا۔ اور یہ کوئی نئی بات نہ تھی، بارہا دیکھا گیا کہ جس وقت کوئی رقم آئی بکوشش اسے اپنے پاس سے خرچ کر دیا کرتے۔ انہیں کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت اپنے پیر و مرشد اعلیٰ حضرت سیدنا شاہ آل رسول احمدی مارہری قدس سرہ العزیز کا عرس سراپا قدس ۱۶-۱۷-۱۸ ذی الحجۃ الحرام کو کرتے۔ قل شریف کے بعد نذر کی رقم خدام وغیرہ پر تقسیم ہونا شروع ہو جاتی، اور اسی وجہ سے خلف اصغر حضرت مفتی اعظم مولانا محمد مصطفےٰ رضا خاں صاحب مدظلہ العالی فقیر سے بجمیل مصارف عرس کا حساب تیار کرنے کی تاکید فرمایا کرتے۔ اور خود فقیر بھی جلد تر تعمیل ارشاد کرتا۔ مگر پھر بھی کافی رقم تقسیم ہو جایا کرتی تھی، اور بالآخر دست گرداں رقوم کے مطالبات خود اپنے پاس سے ادا فرمایا کرتے۔ ایک مرتبہ ایسی ہی موقع پر تقسیم کرتے ہوئے فرمایا کہ کبھی میں نے ایک پیسہ زکوۃ کا نہیں دیا اور یہ بالکل صحیح ارشاد فرمایا کہ حضرت پر زکوۃ فرض ہی نہیں ہوتی تھی زکوۃ فرض تو جب ہو کہ مقدار نصاب ان کے پاس سال تمام تک رہے اور یہاں تو یہ حال تھا ایک طرف سے آیا دوسری طرف سے گیا۔

کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ لے اُس ہاتھ دے۔ (ق ۵۰،۴۵)

۱۳۳۴ھ کے سردی کا موسم ہے، میں ایک دن مراد پور چھینٹ دیکھنے کے لیے گیا، ایک دکان پر سبز زمین پر بہترین چھینٹ نظر پڑی، اور ساتھ ہی ساتھ دوسرا تھان دیکھا، جو پیڑیدار چھینٹ تھی، ان دونوں تھانوں کو دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ اس کپڑے کی دولائی بنوائی جائے، اور یہ بیل اُس میں لگائی جائے تو بہت بہتر دولائی ہو۔ چند احباب ساتھ تھے، انہوں نے بھی اس رائے کو بہت پسند کیا۔ اُسی وقت میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ واقعی یہ دلائی بہت ہی نفیس اور بہتر ہوگی، تو اس کے لیے مناسب ہے کہ بہت ہی شخص کے لیے بنے، اور میں نے ارادہ مصمم کر لیا کہ تیار کر کے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بصیغہ رجسٹری پارسل روانہ کروں گا۔ احباب نے کہا کہ استر کے لیے یک رنگا ہی خرید لیجئے۔ میں نے اپنا قصد ظاہر کیا کہ اعلیٰ حضرت کے لیے صندلی رنگ کا استر مناسب ہے۔ چنانچہ کفش ململ لے کر مراد پور ہی میں صندلی رنگنے کو دے دیا۔

الغرض جیسا میں چاہتا تھا بہتر سے بہتر وہ دولائی سل کر تیار ہوئی، میں نے پارسل سے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں روانہ کر دی اور اُس پر حضرت حسن میاں صاحب مرحوم مغفور کا یہ مصرعہ لکھ دیا۔

سرکار میں یہ نذر محقر قبول ہو

جناب مولوی امجد رضا صاحب عرف ماموں میاں صاحب قبلہ کا بیان ہے کہ جس وقت وہ پارسل بریلی پہنچا، اس وقت میں بھی حاضر خدمت تھا۔ سیل و مہر جدا کرنے کے بعد پارسل کھولا گیا اور دولائی برآمد ہوئی۔ اعلیٰ حضرت اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، اور جتنے لوگ اس کاشانہ اقدس میں موجود تھے، سب نے بہت پسند کیا، اور بہت تعریف کی۔ اور واقعی وہ دولائی ہر حیثیت سے قابل تعریف تھی۔ اعلیٰ حضرت نے سب کے اصرار سے اُسے اوڑھا، اور مسہری پر تشریف فرما ہوئے کہ میری زبان سے بے اختیاری میں یہ فقرہ نکلا۔ واقعی بہت عمدہ دولائی ہے، جوانوں کے لائق ہے۔ یہ سنتے ہی اعلیٰ حضرت نے وہ دولائی مجھے عطا فرما دی کہ تم اسے اوڑھو، حالانکہ میں نے اس غرض سے یہ جملہ نہیں کہا تھا۔ لیکن اعلیٰ حضرت نے باصرار مجھے عنایت فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ میری خوشی اسی میں ہے۔ یہ اعلیٰ حضرت کے جود و سخا کا ادنیٰ نمونہ ہے۔ (ق ۵۸،۵۸)

قناعت و توکل:

مولوی محمد ابراہیم صاحب فریدی صدر مدرس مدرسہ شمس العلوم بدایوں کا بیان ہے کہ حضرت مہدی حسن میاں صاحب سجادہ نشین سرکار کلاں مارہرہ شریف نے فرمایا کہ میں نے اعلیٰ حضرت کے پاس ایک خط بھیجا، جس کا جواب تاخیر سے آیا۔ والا نامہ میں مذکور کہ حضرت شاہزادہ صاحب! چونکہ میرے پاس ٹکٹ کے دام نہیں تھے، اس لیے غیر معمولی تاخیر ہوئی۔ میں نے خیال کیا کہ ان دنوں مولانا صاحب کے پاس داموں کی کمی ہے لہٰذا کچھ فتوحات سے بھیج دوں۔ میں نے سو یا دو سو (صحیح مقدار یاد نہیں) کی رقم بذریعہ منی آرڈر بھیج دی، جسے مولانا صاحب نے وصول کر لیا اور رسید بھی آ گئی۔ کچھ دنوں کے بعد اعلیٰ حضرت کا منی آرڈر آیا۔ جس میں میری بھیجی ہوئی رقم بھی شامل تھی والا نامہ میں مذکور تھا کہ فقیر کی عادت ہے کہ اپنے ضروریات کے مطابق تھوڑے روپے رکھ لئے، باقی زنان خانے میں بھیج دیئے۔ آپ کے گرامی نامہ کی وصولی سے پہلے وہ روپے خرچ ہو چکے تھے، اور گاؤں سے رقم آئی نہیں تھی، اور میں نے اپنی ضروریات کے لیے کسی سے طلب نہیں کرتا ہوں۔ حضرت شاہزادہ صاحب! یہاں جو کچھ ہے وہ سب آپ ہی کے یہاں کا ہے۔ اگر آپ مجھے کچھ دینا چاہتے ہیں تو حضرت میاں صاحب کے بیاض سے شجرۂ زر کا عمل نقل کر کے بھیج دیجئے۔ چنانچہ میں نے بیاض سے نقل کر کے بھیج دیا۔ اس کے بعد بریلی جانا ہوا۔ اعلیٰ حضرت سے ملاقات ہوئی، اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ۔

مکہ معظمہ سے ایک صاحب کا والا نامہ آیا کہ میری دو لڑکیوں کی شادی ہے، اس کے لیے آپ امداد کیجئے۔ میں نے خیال کیا کہ دونوں لڑکیوں کے لئے ایک ایک ہزار کی رقم باقی ہوگی۔ اسی مقصد کے لیے شجرۂ زر کا عمل کیا۔ عمل کا چالیسواں دن تھا کہ میں معمول سے فارغ ہو کر بیٹھا تھا کہ حامد رضا آئے، اور ایک بندھا ہوا رومال دیا، اور کہا کہ ایک صاحب ملنے کی خاطر آئے تھے۔ میں نے کہا، اس وقت بالاخانہ پر معمول میں مشغول ہیں، دوسرے وقت تشریف لائیے گا، وہ صاحب یہ رومال دے کر چلے گئے، میں نے جب وہ رومال کھولا تو اس میں ایک ہزار سے زیادہ رقم تھی۔ خیال کیا کہ زیادہ کیوں ہے؟ معاً ذہن میں آیا کہ مکہ معظمہ تک پہنچنے کے مصارف ہیں۔ میں نے فوراً اس عمل کو ہٹادیا کہ اس سے توکل میں فرق آتا ہے۔ (ق ۵۷، ۵۸)

اتباعِ شرع و تقوی

حضرت سیدنا شاہ اسماعیل حسن میاں صاحب نے فرمایا کہ ایک بار میں اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب بدایونی اور حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی خیرآباد گئے۔ مولانا عبدالقادر صاحب نے مولوی عبدالحق صاحب خیرآبادی سے ملنے کے لیے جانے کا ارادہ کیا۔ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب نے یہ کہہ کر ہمراہ جانے سے عذر کیا کہ مولوی عبدالحق صاحب خیرآبادی کے متعلق مسموع ہوا کہ وہ فقہائے کرام، علمائے اعلام کے خلاف شان غیر مناسب کلمات کہا کرتے ہیں۔ مجھ سے اس کی برداشت نہ ہوگی اور مجلس میں بے لطفی پیدا ہو جائے گی، آپ وہاں تشریف لے جائیں، اور میں مولانا حسین بخش صاحب سے ملنے جاتا ہوں۔ یہ مولانا حسین بخش صاحب خیرآباد میں فقیہ تھے اور حضرت چھوٹے مخدوم صاحب حضرت مخدوم اللہ دیا خیرآبادی قدس سرہ کی اولاد امجاد میں تھے۔

انہیں کا بیان ہے کہ سیتاپور میں مولانا احمد رضا خان صاحب سے سیزدہ درود شریف نقل کرایا۔ حضور سید عالم ﷺ کی صفت میں لفظ حسین اور زاھد بھی ہے۔ مولانا نے نقل میں یہ دو لفظ تحریر نہ فرمائے اور فرمایا: حسین صیغۂ تصغیر ہے اور زاھد سے کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ حضور اقدس ﷺ کی شان میں ان الفاظ کا لکھنا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

انہیں کا بیان ہے کہ ایک بار مولانا فضل رسول صاحب کے عرس کے زمانے میں مجھے معلوم ہوا کہ مولوی غلام قطب الدین برہم چاری صاحب آئے ہوئے ہیں، اور بعد نماز جمعہ جامع مسجد بدایون میں وعظ فرمائیں گے۔ ان کے بیان کا شہرہ سن کر مجھے بھی اشتیاق ہوا، میں نے مولانا عبدالقادر صاحب سے کہا کہ ہم اور آپ نماز جمعہ جامع مسجد میں چل کر پڑھیں، وہاں بیان بھی سنیں گے۔ مولانا عبدالقادر صاحب اور میں نے جامع مسجد جانے لگے تو مولانا احمد رضا خان صاحب نے مولانا بدایونی صاحب سے اجازت طلب کی کہ درگاہ شریف ہی میں جمعہ قائم کرلیں، اس لیے کہ امام جامع مسجد کی نسبت کچھ قرأت وغیرہ ضروریات نماز میں نقصان وقصور مسموع ہوا۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک روز فریضۂ فجر ادا کرنے کے لیے خلاف معمول کسی قدر حضور کو دیر ہوگئی۔ نمازیوں کی نگاہیں بار بار کاشانۂ اقدس کی طرف اٹھ رہی تھیں کہ عین انتظار میں جلد جلد تشریف لائے۔ اس وقت برادرم قناعت علی نے اپنا یہ خیال مجھ سے کہا کہ اس تنگ وقت میں دیکھنا یہ ہے کہ حضور سیدھا قدم مسجد میں پہلے رکھتے ہیں یا بایاں، مگر قربان اس ذات کریم کے کہ دروازۂ مسجد کے زینہ پر جس وقت قدم مبارک پہنچتا ہے تو سیدھا، تو سیعی فرش مسجد پر قدم پہنچتا ہے تو سیدھا، آگے صحن مسجد میں ایک صف بچھی تھی اس پر قدم پہنچا ہے تو سیدھا، اور اسی پر بس نہیں، ہر صف پر تقدیم سیدھے ہی قدم سے فرمائی۔ یہاں تک کہ محراب میں مصلے پر قدم پاک سیدھا ہی پہنچتا ہے۔ اور اسی پر کیا منحصر ہے بینی پاک کرنے اور استنجا فرمانے کے سوا حضور کے ہر فعل کی ابتدا سیدھے ہی جانب سے ہوتی تھی۔ چنانچہ عمامہ مبارکہ کا شملہ سیدھے شانہ پر رہتا، عمامہ مبارکہ کے پیچ سیدھی جانب ہوتے، عمامہ مقدسہ کی بندش اس طور پر ہوتی کہ بائیں دست مبارک میں گردش اور داہنا مبارک پیشانی پر ہر پیچ کی گرفت کرتا تھا۔

ایک روز جناب سید محمود جان صاحب نوری مرحوم ومغفور نے حضور کے عمامہ باندھنے پر عرض کیا کہ حضور باندھنے میں الٹا ہاتھ کام کرتا ہے۔ فرمایا: اگر سیدھا ہاتھ ہٹا لیا جائے، تو الٹے ہاتھ سے باندھ تو لیجئے۔ اصل بندش تو سیدھے ہی ہاتھ سے ہوتی ہے۔

اگر کسی کو کوئی شی دینا ہوتی، اور اس نے الٹا ہاتھ لینے کو بڑھایا۔ فوراً اپنا دست مبارک روک لیتے اور فرماتے، سیدھے ہاتھ میں لیجئے، الٹے ہاتھ سے شیطان لیتا ہے۔

اعداد بسم اللہ شریف '۷۸۶' عام طور سے لوگ جب لکھتے ہیں، تو ابتدا '۷' سے کرتے ہیں۔ پھر '۸' لکھتے ہیں، اس کے بعد '۶'۔ مگر اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ پہلے '۶' تحریر فرماتے، پھر '۸' تب '۷'۔

یونہی نقش کے خطوط سیدھی ہی جانب سے کشش فرماتے، اور تہ فرمانے میں بھی اس کا لحاظ تھا کہ نقش کے سیدھے رخ کی طرف یعنی جس طرف ۷۸۶ ہے ادھر سے نیچے کی طرف تہ کرتے ہوئے لاتے، پھر سیدھی جانب سے فیلتے تعویذ کی صورت میں کر دیتے۔

یہاں ایک ضروری ارشاد عرض کروں، وہ یہ کہ ہر وہ تعویذ جس پر موم جامہ کرنا ہو پہلے اس پر خوشبو لگالی جائے یا لوبان کی دھونی دی جائے، اس کے بعد سادہ کاغذ لپیٹ کر (کاغذ رول دار نہ ہو) پاک کپڑے کی تہ دے کر موم جامہ کیا جائے، یہ احتیاط اس لیے ہے کہ موم جامہ سیاہی کو جلد چاٹ لیتا ہے تو جب نقش ہی نہ رہا، ظاہر ہے کہ اثر کیا ہوگا؟ مسجد سے باہر آتے وقت پہلے الٹا قدم نکالنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ اس لیے حضور اس موقت پر الٹا قدم جوتے کے بالائی حصہ پر قائم فرما کر سیدھے پاؤں میں پہلے جوتا پہنتے، پھر الٹے میں۔ بیت الادب میں داخل ہوتے وقت عصائے مبارک باہر بازو کر کھڑا فرما کر جاتے۔ شاید اس میں دو مصلحت مضمر تھیں۔ ایک تو یہ کہ دوسرا شخص آنے نہ پائے، دوسرا عصائے مبارک مسجد میں ساتھ رہتا تھا۔ بلکہ اس کے سہارے سے مسجد میں قیام فرماتے۔ اس لیے احتیاط ملحوظ رکھتے۔ والحمدللہ (ق ۱۷۶، ۱۷۸)

انہیں کا بیان ہے کہ نماز جمعہ کے لیے جس وقت تشریف لاتے، فرش مسجد پر قدم رکھتے ہی حاضرین سے تقدیم سالم فرماتے۔ اور اسی پر بس نہیں، بلکہ جس درجہ میں ورد مسعود ہوتا، تقدیم سلام ہوتی جاتی، اس کی بھی آنکھیں شاہد ہیں کہ مسجد کے ہر درجہ میں وسط در سے داخل ہونے میں سہولت ہی کیوں نہ ہو، نیز بعض اوقات اوراد و وظائف مسجد شریف ہی میں بحالت خرام شمالاً و جنوباً پڑھا کرتے۔ مگر منتہائے فرش مسجد سے واپسی (۱۰) ہمیشہ قبلہ رو ہو کر ہی ہوتی، کبھی پشت کرتے ہی کسی نے نہ دیکھا۔

انہیں کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضور بحالت اعتکاف اپنی مسجد میں مقیم تھے۔ شب کا وقت، جاڑے کا زمانہ، اور اس وقت دیر سے شدید بارش مسلسل ہو رہی تھی، حضور کو نماز عشاء کے لیے وضو کرنے کی فکر ہوئی کہ پانی تو موجود، مگر بارش میں کس جگہ بیٹھ کر وضو کیا جائے؟ بالآخر مسجد کے اندر لحاف، گدے کی چارتہ کر کے اس پر وضو کیا، اور ایک قطرہ فرش مسجد پر نہ گرنے دیا، اور پوری رات جاڑوں کی، اور اس پر باد و باراں کا طوفان، یونہی جاگ کر ٹھٹھر ٹھٹھر کر کاٹ دی۔ جزاه الله عن الاسلام خير الجزاء

انہیں کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ تین چار فوجی آدمی عقیدتاً خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، اور سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے، حضور نے نیچی نظر کر لی، انہوں نے کچھ عرض کیا، حضور نے بغیر نظر اٹھائے، جواب دیا، چونکہ ہم خدام حضور سے سنے ہوئے تھے کہ ناف سے زانو تک مرد کا جسم عورت ہے، اور اس کا چھپانا واجب ہے، اور یہ لوگ نیکر پہنے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے زانو کھلے ہوئے تے، فوراً ایک کپڑا لے کر سب کے زانو ڈھک دیے، اس کے بعد حضور نے نظر ملا کر کلام فرمایا۔

نبیرۂ حضرت محدث سورتی مولانا قاری احمد صاحب کا بیان ہے کہ مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت کے سالانہ جسلہ میں اعلیٰ حضرت قبلہ پیلی بھیت تشریف لائے۔ ایک روز صبح کو حضرت محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ پیلی بھیت کےمشہور بزرگ شاہ جی محمد شیر میاں علیہ الرحمۃ سے ملنے تشریف لے گئے، وہاں پہنچ کر دیکھا کہ شاہ صاحب بے حجابانہ عورتوں کو بیعت کر رہے ہیں، اعلیٰ حضرت بمقتضائے کمال غیرت علیٰ احکام الشرع بغیر ملے ہوئے واپس تشریف لے آئے، دوسرا کوئی ہوتا۔ تو بگڑ جاتا، لیکن حضرت شاہ جی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کمال بے نفسی و حق پسندی اس طرح جلوہ گر ہوا کہ شام کو جب اعلیٰ حضرت بریلی شریف لے جانے لگے، تو شاہ جی میاں صاحب رضی اللہ عنہ اسٹیشن تک پہنچانے گئے، اور صبح کے واقعہ پر اظہار افسوس کر کے فرمایا کہ مولانا! اب آئندہ میں عورتوں کو پس پردہ بٹھا کر ان سے بیعت لیا کروں گا۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے ان سے مصافحہ اور معانقہ فرمایا۔ یہ تھے ان حضرات کے مابین وَنَزَّعْنَامَا فِي صُدُوْرِهِم مِنْ غِل اِخْوَانًا عَلٰى سُرر مُّتَقْبِلِيْن کے جلوے رضی تعالیٰ عنہما۔ والله الحمد

مولوی محمد حسین صاحب میرٹھی موجد طلسمی پریس کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا سید دیدار علی صاحب اوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لائے جماعت کا وقت تھا مسجد کے کنوے پر ایک بہشتی کا لڑکا بھر رہا تھا جلدی کی وجہ سے اسی لڑکے سے پانی طلب فرمایا، اس نے کہا کہ مولانا میرے بھرے ہوئے پانی سے آپ کو وضو کرنا جائز نہیں اور نہیں دیا مولانا کو غصہ اور فرمایا کہ ہم جب تجھ سے لے رہے ہیں تو تو کیوں جائز نہیں اس نے کہا کہ مجھے دینے کا اختیار نہیں میں نابالغ ہوں مولانا کو اور غصہ آیا جماعت ہو رہی تھی اور یہاں اور دیر لگ رہی ہے فرمایا: آخر تو جہاں جہاں پانی دیتا ہے ان کا وضو کیسے جائز ہو جاتا ہے اس نے کہا وہ لوگ تو مجھ سے مول لیتے ہیں، اور غصہ آیا مگر اس نے نہیں دیا آخر کار خود بھرا اور جلدی جلدی وضو کر کے نماز میں شریک ہوئے تو غصہ کم ہوا اور سلام پھیرا تو خیال آیا بہشتی کا لڑکا از روئے فقہ صحیح کہتا تھا۔ دیدار علی! تم سے تو اعلیٰ حضرت کے یہاں کے خدمت گاروں کے بچے بھی زیادہ علم رکھتے ہیں، یہ سب اعلیٰ حضرت کے اتباع شریعت کا فیض ہے یہ خیال آ کر بہت شرم آئی اور پھر ادب و عقیدت سے اعلیٰ حضرت سے ملے اور پھر حضور اعلیٰ حضرت قبلہ سے خلافت و اجازت حاصل کی۔ رحمۃ اللہ علیہ (ق ۹، ۱۷۹، ۱۸۱)

احتیاط فی الدین:

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ نقشہ ماہ مبارک ۱۳۳۵ھ کے اوقات صلاۃ خمسہ فقیر استخراج کرتا ہے، اور تکمیل کے بعد بغرض ملاحظہ کاشانہ اقدس میں بوقت صبح حاضر کرتا ہے، جو دس پندرہ منٹ میں اوپس آ جاتا ہے، دیکھتا ہوں کہ ہر نماز کے کالم میں صحیح رقوم ہے بجز ایک کالم، کہ اس کے اخیر میں لفظ (خیر) تحریر فرمایا تھا، اور جس تاریخ کے وقت میں خامی تھی اس پر نشان (x) بنا دیا تھا۔ چنانچہ جانچ کرنے سے وہ نقص دور ہو گیا۔ جو سکنڈ کے ہزارویں حصہ میں تھا۔ اگرچہ وقت پر اس کا اثر نہ آتا تھا، مگر غلطی تو تھی، اس لیے بجائے صحیح کے لفظ (خیر) ارقام فرمایا گیا۔ اللہ اللہ یہ ہیں وہ پاک و متبرک و بے مثل محتاط، صادق القول نفوس قدسیہ جن کی تحریر منیر اور تقریر دل پذیر کا کوئی جملہ، کوئی لفظ، کوئی حرف نعوذ باللہ قابل گرفت نہیں۔

انہیں کا بیان ہے کہ شعبان المعظم کا اخیر ہفتہ ہے، نقشہ اوقات صلاۃ خمسہ ماہ مبارک کا تیار ہو چکا ہے، حضور نماز عصر اپنی جیبی گھڑی سے جس میں صحیح وقت تھا، اس سے ایک اور گھڑی میں کچھ منٹ کم یا بیش کر کے میرے اور برادرم قناعت علی کے حوالے فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ شہر سے بلند مقام پر پہنچ کر غروب آفتاب مشاہدہ کرو، اور یہ دیکھو کہ بوقت غروب اس گھڑی میں کیا وقت ہوتا ہے؟ حسب الارشاد ہم دونوں روانہ ہوئے، یہ منظر دیکھنے

کے لیے ہمارے ساتھ نواب سعید احمد خان صاحب اور نواب وحید خان صاحب قادری رضوی بھی تشریف لے گئے، ہم لوگوں کے پاس ایک گھڑی صحیح وقت کی تار گھر سے ملی ہوئی اور تھی، نیز اس روز کا وقت غروب بھی معلوم تھا۔ مختصر یہ کہ بوقت غروب ہم چاروں شخص کی آنکھیں شاہد ہیں کہ قرص آفتاب کا باریک کنارہ جھلک دے رہا ہے، تو وقت میں بھی سکنڈ باقی ہیں، یہاں تک کہ ادھر وقت پورا ہوا، اور اُدھر آفتاب نظروں سے اوجھل تھا۔ یہ کیفیت دیکھ کر حاضرین کی زبان سے بے ساختہ سبحان اللہ سبحان اللہ نکل گیا، اب فکر صرف یہ رہ گئی کہ حضور کی عطا کردہ گھڑی میں جتنے منٹ کا تفاوت ہوا، حضور کے روبرو صحیح ثابت ہو جائے۔ چنانچہ حاضر ہو کر عرض کیا کہ غروب کے وقت اس گھڑی میں یہ وقت تھا۔ حضور نے تبسم فرمایا، اور فرمایا کہ بحمد اللہ تعالیٰ نقشہ کے مطابق غروب ہوا۔

انہیں کا بیان ہے کہ برسات کا موسم تھا، عشاء کے وقت ہوا کے تیز جھونکے مسجد کے کڑوے تیل کا چراغ بار بار گل کر دیتے تھے، جس کے روشن کرنے میں بارش کی وجہ سے سخت دقت ہوتی تھی۔ اور اس کی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ خارج مسجد دیا سلائی جلانے کا حکم تھا، اس زمانے میں ناروے کی دیا سلائی استعمال کی جاتی تھی، جس کے روشن کرنے میں گندھک کی بدبو نکلتی تھی، لہٰذا اس تکلیف کی مدافعت حضور کے خادم خاص حاجی کفایت اللہ صاحب نے یہ کی، کہ ایک لالٹین میں معمولی چار شیشہ لگوا کر کپی میں ارنڈی کا تیل ڈالا، اور روشن کر کے حضور کے ساتھ ساتھ مسجد کے اندر لے جا کر رکھ دی، تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ حضور کی نظر اس پر پڑی، ارشاد فرمایا: حاجی صاحب! آپ نے یہ مسئلہ بار ہا سنا ہوگا کہ مسجد میں بدبودار تیل نہیں جلانا چاہئے، انہوں نے عرض کیا۔ حضور! اس میں ارنڈی کا تیل ہے، فرمایا: راہ گیر دیکھ کر کیسے سمجھیں گے کہ اس لالٹین میں ارنڈی کا تیل جل رہا ہے؟ وہ تو یہی کہیں گے کہ دوسروں کو تو فتویٰ دیا جاتا ہے کہ مٹی کا بدبودار تیل مسجد میں نہ جلاؤ، اور خود مسجد میں لالٹین جلوا رہے ہیں، ہاں! اگر آپ برابر اس کے پاس بیٹھے ہوئے یہ کہتے رہیں کہ اس لالٹین میں ارنڈی کا تیل ہے، اس لالٹین میں ارنڈی کا تیل ہے، تو مضائقہ نہیں، چنانچہ حاجی صاحب نے فوراً اس لالٹین کو گل کر کے خارج مسجد کر دیا۔

جامع حالات فقیر ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ کہتا ہے کہ اگرچہ اس لالٹین میں شرعاً مضائقہ نہ تھا، مگر غایت احتیاط فی الدین کی وجہ سے ایسا فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا کہ:

بچو اعتراض کے مواقع سے۔ یعنی اگرچہ وہ بات درست ہو مگر لوگوں کو خواہ مخواہ طعن و تشنیع کا موقع اس سے ملتا ہو، اس سے احتیاط کرو، نیز اس میں یہ حکمت تھی کہ عام مخلصین و معتقدین اس لالٹین کو دیکھ کر اپنی غلط فہمی سے اس میں مٹی کا تیل جلتا ہوا سمجھ کر یہ غلط بات باور نہ کر لیں کہ جب اعلیٰ حضرت کی مسجد میں مٹی کا تیل جلایا جاتا ہے تو مسجد میں مٹی کا تیل جلانا جائز ہی ہوگا یہ ہے نشان امامت اہل سنت و غلامی سرکار رسالت کا جلوہ۔ ذٰلک الحمد

انہیں کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت قبلہ کی آنکھیں دُکھنے آگئی تھیں، اس زمانہ میں بوقت حاضری مسجد متعدد بار ایسا اتفاق ہوا کہ کبھی قبل نماز اور کبھی بعد نماز مجھے پاس بلایا، اور فرمایا: سید صاحب دیکھئے تو آنکھ کے حلقہ سے باہر پانی تو نہیں آیا ہے؟ ورنہ وضو کر کے نماز اعادہ کرنا ہوگی۔

مولوی محمد صاحب میرٹھی موجد طلسمی پریس کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت نماز میں اس قدر احتیاط اور جزئیات مسائل کا ایسا خیال فرماتے کہ عام لوگ نہیں، بلکہ اکثر علما اس کے سمجھنے سے بھی قاصر ہیں، ایک سال میں بیس رمضان شریف سے اعلیٰ حضرت کی مسجد میں معتکف ہوا، چھبیس رمضان شریف سے اعلیٰ حضرت نے بھی اعتکاف فرمایا۔ ایک دن قبل اعتکاف عصر کے وقت تشریف لائے اور نماز پڑھا کر تشریف لے گئے، میں مسجد کے اپنے کونے میں چلا گیا، تھوڑی دیر میں مجھ سے ایک صاحب نے فرمایا: آپ نے ابھی عصر کی نماز نہیں پڑھی؟ میں نے کہا میں نے حضرت کے پیچھے نماز پڑھ لی۔ انہوں نے کہا کہ حضرت تو اب پڑھ رہے ہیں۔ مجھے اس وجہ سے یقین نہیں آیا کہ بعد عصر تو افل نہیں، اور اگر کسی وجہ سے نماز نہیں ہوئی تھی تو حضرت کا ایسا حافظ نہیں کہ مجھے بھول جاتے اور مطلع نہ فرماتے، انہوں نے مجھ سے پھر کہا کہ دیکھ لیجئے، وہ پڑھ رہے ہیں، میں نے بڑھ کر دیکھا تو واقعی پڑھ رہے تھے۔ مجھے بے حد حیرت ہوئی اور آگے بڑھ کر کھڑا رہا، سلام پھیرنے پر عرض کیا حضور! میری سمجھ میں نہیں آیا۔ ارشاد فرمایا کہ قعدۂ اخیرہ میں سانس کی حرکت سے میرے انگرکھے کا بند ٹوٹ گیا تھا۔ چونکہ نماز تشہد ختم ہو جاتی ہے، اس وجہ سے میں نے آپ سے نہیں کہا اور گھر جا کر بند درست کرا کر اپنی نماز پڑھ لی۔

یہ ایسا واقعہ ہے کہ اکثر صاحبان کی سمجھ میں نہیں آتا صرف ایک بزرگ نے مجھ سے یہ سن کر اس کی بڑی عظمت کی۔ یہ بزرگ پیر عبد الحمید صاحب بغدادی ہیں۔ بڑودہ میں تشریف لائے اور جامع مسجد میں ایک دن مغرب کی نماز پڑھائی۔ میں نے ایسا اثر کبھی قرآن شریف پڑھنے کا نہیں دیکھا۔ بعدہٗ معلوم کیا کہ یہ کون صاحب تھے؟ تب ان سے ملنے ان کی قیام گاہ پر گیا۔ اعجاز قرآنی کے سلسلے میں فرمایا: میں ایک مرتبہ ایران گیا، وہاں آتش پرستوں کا ایک آتش کدہ بہت پرانا ہے۔ اس کی پرستش کرتے ہیں۔ ان سے مباحثہ کے لیے لوگوں نے میرا نام لے دیا۔ میں نے کہا کہ یہ لوگ جسے پوجتے ہیں، اسی سے پوچھ لو۔ یعنی آتشکدہ میں جا کر آگ سے پوچھ لو کہ وہ کس کی رعایت کرتی ہے؟ لوگوں نے اسے محض دھمکانا سمجھا اور لوگوں نے میرا وہاں کے ایک پجاری کا نام مقرر کر کے ایک تاریخ، وقت معین کر کے مناظرے کا اعلان کر دیا، وقت مقررہ پر تمام شہر کی مخلوق کثرت سے موجود تھی۔ اس وقت میں نے اس پجاری سے کہا، چلیے، اب گھبرایا اور رُکا۔

میں نے خیال کیا کہ اگر میں بھی رکا تو محض دھمکی سمجھیں گے۔ اس وجہ سے تنہا اس آتش کدہ میں چلا گیا اور پوری بیش منٹ آگ میں کھڑا رہا۔ بعدہ نکل آیا یہ دیکھ کہ بہت سے آتش پرست مسلمان ہو گئے۔ میں نے اپنے ضعیف ایمانی کی وجہ سے ان سے مکرر پوچھا کہ آپ کیسے آتش کدہ میں چلے گئے؟ فرمایا: قرآن مجید لے کر، یہ سمجھ کر چلا گیا۔ جب ہم کو قرآن نار جہنم سے بچائے گا، تو اس معمولی آگ سے کیوں نہیں بچائے گا؟ اس واقعہ سے حضرات ناظرین ان بغدادوی صاحب کی بزرگی اور قوت ایمانی کا اندازہ لگائیں۔ ان بزرگ نے مجھ سے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ عصر کی نماز کا سنا۔ دوسرے دن ان سے پھر ملاقات ہوئی اور فرمایا: آج پوری رات روتے گذری۔ یہی کہتا رہا کہ خداوندا! تیرے ایسے ایسے بندے بھی ہیں، جو اس احتیاط سے نماز پڑھتے ہیں۔ (ق ۱۸۱،۱۸۴)

مولوی محمد حسین صاحب چشتی نظامی فرماتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے تمام عمر جماعت سے نماز التزاماً پڑھی، اور باوجدیکہ بے حد حار مزاج تھے۔ مگر کیسی ہی گرمی کیوں نہ ہو، ہمیشہ دستار اور انگرکھے کے ساتھ نماز پڑھا کرتے۔ خصوصاً فرض تو کبھی صرف ٹوپی اور کرتے کے ساتھ ادا نہ کیا۔

اعلیٰ حضرت جس قدر احتیاط سے نماز پڑھتے تھے، آج کل یہ بات نظر نہیں آتی، ہمیشہ میری دو رکعت ان کی ایک رکعت میں ہوتی تھی اور دوسرے لوگ میری چار رکعت میں کم سے کم چھ رکعت بلکہ آٹھ رکعت۔

ہر شخص حتیٰ کہ چھوٹی عمر والے سے بھی نہایت ہی خلق کے ساتھ ملتے، آپ اور جناب سے مخاطب فرماتے، اور حسب حیثیت اس کی توقیر و تعظیم فرماتے۔ (ق ۳۰،۳۱)

صلابت مذہبی و حق گوئی:

حضرت سید شاہ اسماعیل حسن میاں صاحب مارہری کا بیان ہے کہ ایک بار مولانا فضل رسول صاحب قدس سرہ العزیز کے عرس میں مولانا احمد رضا خان صاحب تشریف لائے تھے۔ کسی نے مولوی سراج الدین صاحب آنولوی کو میلاد شریف پڑھنے بٹھا دیا تھا، انہوں نے اثنائے تقریر میں یہ کہا کہ پہلے حضور اقدس ﷺ کے جسم مبارک میں قیامت کے دن فرشتے روح ڈالیں گے، چونکہ اس میں حیات انبیاء علیہم السلام کے مسلّمہ اصول سے انکار نکلتا تھا، یہ سن کر مولانا موصوف کا چہرہ متغیر ہو گیا، اور جناب مولانا عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: آپ اجازت دیں تو میں ان کو منبر پر سے اتار دوں۔ مولانا عبدالقادر صاحب نے آنولوی صاحب کو بیان سے روک دیا اور مولانا عبدالمقتدر صاحب سے فرمایا کہ مولانا! ایسے بے علم لوگوں کو مولانا احمد رضا خان صاحب کے سامنے میلاد شریف پڑھنے نہ بٹھایا کیجئے۔ جن کے سامنے بیان کرنے والے کے لیے علم اور زبان پر بہت نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا: 'مولانا احمد رضا خاں صاحب نے فرمایا ہے کہ انہیں وجوہ سے آج کل کے واعظین اور میلاد خوانوں کے بیانوں و وعظوں میں جانا چھوڑ دیا' اور حضرت شاہ علی حسین صاحب کچھوچھی علیہ الرحمۃ کے متعلق فرمایا کہ حضرت ان میں سے ہیں جن کا بیان میں بخوشی سنتا ہوں۔

انہیں کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے عرس حضرت صاحب البرکات شاہ برکت اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کے قبل مولانا کو طلب کر لیا تھا، درگاہ شریف کے ایک حجرہ میں قیام فرماتے تھے۔ مبارک جان نامی علی گڑھ کی ایک مشہور اور بڑی متمول رنڈی کسی کے یہاں مارہرہ آئی ہوئی تھی۔ درگاہ معلیٰ میں حاضر ہوئی اور روضہ شریف کی سیڑیوں پر بیٹھ کر گانا آغاز کرنا ہی چاہتی تھی، سازندوں نے ساز لگائے تھے، تو مولانا کی نظر پڑ گئی اور بے اختیار ہو کر حجرہ سے باہر تشریف لا کر ان سے فرمایا کہ تم یہاں کیسے آئے؟ یہ درگاہ معلیٰ ناچ گانے شیطانی کاموں کی جگہ نہیں، فوراً یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ یہ فرمایا اور درگاہ سے ان لوگوں کو باہر کر دیا۔

جناب حاجی کفایت اللہ صاحب جناب حاجی خدا بخش صاحب کی زبانی روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں نے صبح کی نماز اعلیٰ حضرت کے پیچھے پڑھی۔ جب حضرت نماز پڑھ چکے، تو ایک مسافر صاحب آئے ہوئے تھے، انہوں نے اعلیٰ حضرت کو ایک خط دیا، وہ صاحب اعلیٰ حضرت کے مرید تھے، ان کی داڑھی حد شرع سے کم تھی، انہوں نے خواہش کی کہ کوئی وظیفہ حضور مجھ کو تعلیم فرمائیں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ جس وقت تمہاری داڑھی حد شرع کے مطابق ہو جائے گی، اس وقت میں وظیفہ وغیرہ بتادوں گا۔ وہ صاحب اس کے متعلق ایک بزرگ کا سفارشی خط لائے تھے کہ ان کو کچھ بتادیا جائے۔ حضرت نے فرمایا: جب تک تم داڑھی حد شرع تک بڑھا کر نہ آؤ گے، اس وقت تک تم کسی کی سفارش لاؤ تم کو کچھ نہیں بتاؤں گا، جب داڑھی تمہاری حد شرع کے مطابق ہو جائے گی، میں خود ہی بتادوں گا۔ اس میں کسی کی سفارش کی ضرورت نہیں۔

رسالہ مبارکہ 'دربار حق و ہدایت' میں حضرت مولانا ابو المساکین شاہ ضیاء الدین صاحب قادری رضوی پیلی بھیتی مدیر تحفہ حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ مجلس علمائے اہل سنت و جماعت پٹنہ کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۷ رجب المرجب لغایۃ ۱۳ رجب المرجب ۱۳۱۸ھ میں حضور اعلیٰ حضرت قبلہ شرکت فرماتے ہیں۔ جلسۂ مذکورہ کے اخیر روز ایک شاعر آزاد، نیچری وضع، داڑھی صفاچٹ، جن کے ساتھ اسی وضع کے آٹھ دس حضرات اور بھی تھے، خدمت اقدس حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبدالقادر صاحب بدایونی رحمۃ اللہ علیہ میں حاضر ہو کر اپنا ایک فارسی ترکیب

بند، تین بند کا مدح جلسہ مبہمہ (جس سے کچھ بھی واضح نہیں ہوتا تھا کہ کس جلسہ کی تعریف ہے) اس اظہار کے ساتھ کہ میں نے اس مجلس مبارکہ علمائے اہل سنت و جماعت کی مدح میں لکھا ہے، اس جلسہ میں پڑھ کر فخر حاصل کرنے کی اجازت مانگتا ہوں، پیش کیا۔ حضرت والا نے فرمایا: مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے پاس لے جائیے، انہیں سنا بھی لیجئے۔ اگر وہ بعض الفاظ کی تبدیلی کو کہیں بدل دیجئے، اور انہیں سے اجازت لیجئے۔ آزاد صاحب اعلیٰ حضرت کے پاس آئے، اپنی نظم دکھائی۔ حضور نے بعض الفاظ مخالف شرع میں اصلاح دی۔ آزاد صاحب نے قبول کی، حضور نے ان کی وضع و ترکیب سے سراپا نیچری اور داڑھی منڈی دیکھ کر فرمایا۔ آپ مولوی سید اعظم شاہ صاحب کو اجازت دیجئے کہ وہ آپ کی طرف سے جلسہ میں پڑھ دیں۔ کہا میں ایرانی لہجہ میں پڑھوں گا۔ شاید مولوی صاحب نہ پڑھ سکیں۔ مولوی اعظم شاہ صاحب نے فرمایا: عربی، مصری، ایرانی جیسا لہجہ کہیے، میں پڑھ دوں۔ پھر ایک بند ایرانی لہجہ میں پڑھ کر سنایا۔ آزاد صاحب نے پسند کیا، اور بظاہر راضی ہوئے کہ یہی پڑھ دیں۔ مولانا مولوی سید عبد الصمد صاحب سہوانی کا وعظ ہو رہا تھا، اس کے ختم کا انتظار ہے کہ حافظ عبد المجید صاحب رئیس موضع اندھوس تشریف لائے، اور حضور اعلیٰ حضرت قبلہ سے عرض کیا۔ کچھ ضروری عرض ہے، دوسرے کمرے میں تشریف لے چلیے، ارشاد فرمایا: جلسہ وعظ سے اٹھ کر جانا کیا مناسب ہے؟ اگر کوئی ایسی ہی شدید ضرورت ہو تو خیر! ورنہ ختم وعظ کا انتظار کیجئے۔ کہا: اسی وقت کی ضرورت ہے۔ حضور اٹھے، اور ایک خالی کمرہ میں، جہاں صرف مولوی سید شاہ بشیر صاحب الہ آبادی تشریف رکھتے تھے، جا کر بایں الفاظ تمہید شروع کی کہ یہ آٹھ دس نیچری جو اس داڑھی منڈے کے ساتھ آئے ہیں، سب ندوی تھے، اس داڑھی منڈی نے انہیں ہدایت کر کے ندوہ سے بیزار کیا۔ اور جلسہ اہل سنت کا طرف دار بنایا ہے، حضور نے فرمایا: اگر ایسا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں جزا ہے۔ اس وقت مقصود کیا ہے؟ کہا۔ اس کی نظم جلسہ میں دوسرا پڑھے، اس میں اس کی سخت دل شکنی ہے، اجازت دیجئے کہ یہی پڑھے، اور اس کا میں ذمہ لیتا ہوں کہ یہ پورا سنی ہے، یہاں تک کہ ندوہ کا بھی مخالف ہے۔ آپ اس کی نیچری وضع پر نہ جائیں۔ جب زیادہ اصرار ہوا، اور مولوی سید شاہ بشیر صاحب سے بھی حافظ صاحب نے سفارش چاہی تو حضور نے فرمایا: بہت اچھا یہی پڑھیں۔ مگر ایک شرط یہ ہے کہ کھڑے ہو کر بر سر جلسہ اعلانیہ فرمائیں۔ صاحبو! میں سنی صحیح العقیدہ ہوں۔ نیچریوں، وہابیوں، رافضیوں، غیر مقلدوں، سب گمراہوں سے جدا ہوں۔ اس وضع کو بھی خلاف شرع شریف جانتا ہوں۔ میں نے اپنے علمائے اہل سنت و جماعت کی مدح میں کچھ نظم عرض کی ہے، اسے سنانا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد پڑھ دیں، ہمارا حرج نہیں۔ حافظ صاحب اس شرط پر راضی ہوگئے۔ وہاں سے جا کر یہ شرط آزاد صاحب سے بیان کی، یہ انہیں منظور نہ ہوئی۔ حافظ صاحب پھر آئے اور کہا کہ آپ مجھ سے حلف اٹھوا لیں کہ یہ داڑھی منڈا سنی ہے۔ حضور نے فرمایا کہ جب وہ بر سر جلسہ اعلان کر دیں گے، آپ کے حلف کی حاجت نہیں رہے گی۔ کہنے لگے کہ آپ اس کا بھی خیال نہیں کرتے کہ اس نے اتنے لوگوں کو ندوہ کا مخالف بنا دیا ہے۔ اس پر حضور نے آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

قُلْ لَا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ هَدٰاکُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ

"مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ تمہیں ایمان کی ہدایت فرمائی اگر تم سچے ہو۔"

حافظ صاحب نے فرمایا کہ پہلے آپ اعلان کر دیجئے کہ میں سنی ہوں۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ میرا سنی ہونا یہاں سے حرمین محترمین زادھما اللہ شرفا وتکریما تک آفتاب سے زیادہ روشن ہے، میری تصنیفات تمام ہندوستان میں شائع ہیں، جو میری سنیت پہ شاہد عدل ہیں، اور بیان کو کہیے تو رات چار گھنٹے فقیر نے یہی بیان کیا کہ میں سنی ہوں، اور بحمد اللہ نیچریہ، وہابیہ، رافضیہ، وغیر مقلدین، وندویہ وغیرہم سب بدمذہبوں سے بیزار ہوں۔ اور جب تک زندہ رہوں گا، بعونہ تعالیٰ تقریراً تحریراً یہی بیان و اعلان کرتا رہوں گا۔ فقیر پر بحمد اللہ کسی تہمت و احتمال کا وہم نہیں، جس سے تبریہ کی حاجت ہو۔ حافظ صاحب ساکت ہو کر گئے، مگر آزاد صاحب بہت گرم ہوتے ہوئے تشریف لائے کہ مجھ پر وجہ احتمال و تہمت کیا ہے؟ مولوی سید اعظم شاہ صاحب نے آزاد صاحب کی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر بتایا کہ یہ ہے! کہا ترک داڑھی منڈاتے ہیں۔ حضور نے فرمایا: اس سے جواز کیوں کر ثابت ہوا؟ یہ جلسہ ندویہ کی سنگت نہیں، جس میں سب کی کھپت ہے۔ یہاں آ کر اگر اپنی نظم سنانا چاہتے ہیں، تو پہلے وہ اعلان کرنا ضرور ہوگا، ورنہ اجازت نہ ہوگی۔ آزاد صاحب و حافظ صاحب و جملہ نیا چرہ خفا ہو کر چلے گئے۔ دوسرے دن معلوم ہوا کہ یہ پورے آزادی پسند اور ندوہ کے خادم اور پابند ہیں، اسی جلسہ ندوہ میں ان کی اردو نظم مدح ندوہ میں چھپ چکی ہے۔ جو انہوں نے ندوہ کے جلسہ میں پڑھی۔ اس مہمل و مبہم ترکیب بند کے سنا دینے میں یہ حکمت تھی کہ اعتراض کی گنجائش ہوگی کہ مجلس علمائے اہل سنت میں بھی ایسے حضرات لکچراری کرتے ہیں، مگر اہل سنت کا حافظ و ناصر اللہ عزوجل ہے، وللہ الحمد

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ حضور کی سب سے چھوٹی صاحب زادی مرحومہ کی شادی عنقریب ہونے والی تھی کہ بمبئی سے تار آیا کہ مولوی اشرف علی تھانوی حج کے ارادے سے آئے ہوئے ہیں، اور مسافر خانہ میں مقیم ہیں، حضور نے فوراً تار کا جواب تار پر دیا کہ تحقیقی تار آنے پر، میری آمد کا تار ملنے پر، جہاز کا ٹکٹ خرید لیا جائے، اور تیاری شروع کر دی، جب یہ خبر عام ہوئی تو اکثر بندگان خدا جنہیں مقدور تھا اور پہلے سے منتظر تھے، آمادہ ہوگئے۔ حضور کی صاحبزادی صاحبہ مرحومہ نے بھی اپنے جذبۂ شوق میں عرض کر ہی دیا کہ حضور نے میرے لیے جو سامان مہیا فرمایا ہے

اسے فروخت کر کے مجھے بھی ساتھ لیتے چلیے۔ معلوم ہوا کہ حضور نے وعدہ فرمالیا۔ میں اور برادرم قناعت علی بھی عرصہ مدید سے حسب گنجائش پس انداز کررہے تھے، اور جس کا ایک موقع پر حضور کو علم ہوگیا تھا، اس لیے حضور نے ایک روز ہم دونوں سے دریافت فرمایا۔ ہم لوگوں نے مقدار جدا جدا عرض کی اور وہ اس قدر تھی کہ مجموعی رقم ایک شخص کے لیے کفایت کرتی۔ حضور یہ معلوم کر کے خاموش مکان میں تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر میں کچھ خطوط لکھ کر فرمایا: انہیں پڑھ کر ڈاک میں ڈال دؤ اور اندر تشریف لے گئے۔ ان خطوط میں تحریر فرمایا تھا کہ میرا ارادہ حرمین طیبین حاضری کا ہے، میرے ساتھ چند بندگان خدا جانا چاہتے ہیں، اگر آپ کے امکان میں حج بدل کا انتظام ہوسکے تو ذریعہ تار مطلع کیجیے اور میرے تار کے جواب میں تار پر روپیہ روانہ کیجیے۔ چنانچہ ان خطوط کا جواب فوراً تار پر آیا، روپیہ کا انتظام ہے صرف حضور کے تار کا انتظار ہے، یہ تار ملتے پر حضور نے ہم دونوں سے وعدہ فرمالیا۔ اس کے دوسرے روز صبح کے وقت مکرمی جناب حکیم علی احمد خاں صاحب نے جو حضور کے بھانجے تھے اور جن کے سپرد تعویذات کا کام تھا، مجھے اور قناعت علی کو اپنی ڈیوڑھی میں بلا کر اندر سے ایک عرضی لا کر دکھائی، جو انہوں نے حضور کی خدمت میں بایں مضمون پیش کی تھی کہ حضور! مجھے اپنے ہم رکاب لے چلئے، اور حج بدل کی کوشش فرمادیجئے۔ اس پر حضور نے تحریر فرمایا تھا کہ میں نے دو بندگان خدا سے وعدہ کرلیا ہے، پہلے وہ مستحق ہیں، اس کے بعد اگر کہیں سے اور آ گیا تو آپ کو بھی ساتھ لے لوں گا۔ حکیم صاحب کا مقصود اس درخواست کے دکھانے سے یہ تھا کہ ہم لوگوں کو شاید معلوم ہو کہ وہ دو شخص کون ہیں، جن سے حضور نے وعدہ فرمالیا ہے؟ مختصر یہ کہ اب بمبئی سے تھانوی کی نقل وحرکت پر تار یکے بعد دیگرے آنے لگے، اب مسافر خانہ سے سامان بندرگاہ جارہا ہے، اب وہ مع ہمراہیان روانہ ہوگئے، اب جہاز پر سامان بار ہورہا ہے، اب وہ مع ہمراہیان جہاز پر سوار ہونے کے لئے جارہے ہیں، اس کے بعد آخری تار آیا کہ تھانوی اپنے بعض عزیزوں کو روانہ کرنے کے لیے آئے تھے، خود نہیں گئے، حضور نے بھی ارادہ ملتوی فرمادیا۔

یہاں ناظرین کرام پر اتنا ظاہر کردینا ضروری ہے کہ حضور نے اس سفر مبارک کو تھانوی کی روانگی پر کیوں منحصر کیا تھا؟ وجہ یہ تھی کہ وہابیہ کی عیاریاں، مکاریاں، کیا دیاں اس دیار پاک میں کوئی نیا فتنہ نہ پیدا کریں کہ اس گندے بروزے کے اثرات ہندوستان کی فضا کو خراب کریں۔

انہیں کا بیان ہے کہ حضرت ننھے میاں (برادر خورد اعلیٰ حضرت) عصر کے بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ حیدر آباد دکن سے ایک رافضی محض آپ سے ملنے کی غرض سے پیچھے آرہا ہے، تالیف قلوب کے لیے اس سے بات چیت کرلیجئے۔ کہ اتنے میں وہ بھی آ گیا۔ ہم لوگوں نے دیکھا کہ حضور بالکل اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ ننھے میاں نے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا، وہ بیٹھ گیا۔ حضور کے مخاطبہ نہ فرمانے سے اس کی بھی جرأت نہ ہوئی کہ تقدیم کلام کرتا۔ غرض تھوڑی دیر بیٹھ کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ننھے میاں نے حضور کو سناتے ہوئے کہا کہ اتنی دوری سے ملاقات کے لیے آیا تھا، اخلاقاً توجہ فرمالینے میں کیا حرج تھا؟ حضور نے جلال کے ساتھ ارشاد فرمایا: میرے اکابر نے مجھے یہی اخلاق بتایا ہے، پھر فرمایا ''امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مسجد شریف سے تشریف لارہے ہیں۔ راہ میں ایک مسافر ملتا اور سوال کرتا میں بھوکا ہوں، آپ ساتھ چلنے کا ارشاد فرماتے ہیں، وہ پیچھے پیچھے کاشانہ اقدس تک پہنچتا ہے۔ امیر المومنین خادم کو کھانے لانے کے لیے حکم فرماتے ہیں، خادم کھانا لاتا ہے، اور دستر خوان بچھا کر کھانا سامنے رکھتا ہے۔ وہ کھانا کھانے میں کوئی بدمذہبی کے الفاظ زبان سے نکالتا ہے۔ امیر المومنین خادم کو حکم فرماتے ہیں۔ کھانا اس کے سامنے سے فوراً اٹھالیا جائے اور کان پکڑ کر باہر کردیا جائے۔ خادم فوراً تعمیل کرتا ہے۔ خود حضور سید عالم ﷺ نے مسجد نبوی شریف سے نام لے لے کر منافقین کو نکلوادیا:

اخرج یا فلاں انک منافق

''اے فلاں نکل جا کہ تو منافق ہے''۔

انہیں کا بیان ہے کہ بدایونی مقدمہ کی فتح یابی پر مبارک بادیوں کا سلسلہ ختم ہوا ہی تھا کہ سرکار مارہرہ کے عرس سراپا قدس کا زمانہ آ گیا۔ حضرت سید شاہ مہدی حسن میاں صاحب سجادہ نشین دامت فیوضہ اعلیٰ حضرت قبلہ کو عرس شریف میں شرکت کرنے کے لیے مدعو فرماتے ہیں اور یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اہالیان بدایوں میں اکثریت آپ کے موافقین کی ہے۔ انہوں نے یہ طے کیا ہے کہ جس روز اعلیٰ حضرت بدایوں اسٹیشن سے گذریں گے، اس روز شہر کے کسی باغ میں پھول باقی نہ رکھیں گے، اس قدر کثرت سے گل ریزی کرنے کا انتظام ہورہا ہے اور لوگ نہایت ہی مشتاق ہیں۔ اس پر حضور نے فرمایا: میں خود ہی ارادہ کررہا تھا کہ بہت عرصہ سے حاضری بھی نہیں ہوئی ہے، ضرور حاضری کا قصد رکھتا ہوں۔ غرض یہ خبر مشتہر ہوتے مخلصین ہمراہ چلنے کے واسطے اپنے یہاں کی تاریخ تقریبات ہٹادیں۔ عوام وخواص جس کو دیکھئے مارہرہ شریف چلنے کا سامان کررہا ہے۔ لہٰذا اس کثرت کو دیکھتے ہوئے حضور نے فرمایا: بہتر ہوگا، اگر اسپیشل کا انتظام کرلیا جائے۔

حضرت سید شاہ مہدی حسن میاں صاحب نے ادھر تو اعلیٰ حضرت قبلہ کو دعوت شرکت عرس کی دی، اور ادھر نواب حامد علی خان والی ریاست رامپور کو بھی (۱۱) عرس شریف کی شرکت کی دعوت دی اور یہ بھی ظاہر فرمادیا کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی مدظلہ بھی امسال عرس شریف کے موقع پر تشریف لائیں گے۔ چونکہ نواب رام پور برسوں سے حضور کے علم جفر کا کمال دیکھ کر زیارت کا مشتاق اور کوشاں تھا، اس موقع کو غنیمت جان کر

دعوت منظور کر لیتا ہے، اور اظہار نیازمندی وخوش اعتقادی کے لیے بہت کچھ ساز وسامان ریاست سے مارہرہ شریف پہنچ جاتا ہے، ریلوے اسٹیشن سے بستی تک سڑک کے دونوں جانب روشنی کے لیے قریب قریب گیس کے ہنڈے لگا دیے گئے، اور ہر ٹرین پر زائرین کو لینے کے لیے ریاست کی موٹر اور ہاتھ، جن پر زری کی جھولیں پڑی تھیں، گشت لگا رہے تھے۔ جب ریاست کی طرف سے ساز وسامان مارہرہ شریف پہنچ گیا، اور والی ریاست نے یہ طے کر دیا کہ جس وقت اعلیٰ حضرت بریلی سے روانہ ہوں گے، میں بھی اسپیشل سے روانہ ہو جاؤں گا۔ اس وقت حضرت سید شاہ مہدی حسن صاحب قبلہ نے مزید رجسٹری کرنے کے لیے ایک خط حضور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بدیں مضمون بھیجا کہ۔

''میں نے سنا ہے کہ آپ نے مارہرہ آنے کے بارے میں کسی سے کہا کہ میں تو پیشاب پھرنے کو بھی وہاں نہ جاؤں گا''

جس وقت یہ خط یہاں آیا، حضور فوراً باہر تشریف لائے، چہرہ سے اثر جلال نمایاں تھا۔ فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ جس لیے میاں نے یہ خط بھیجا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ''میں نے سنا ہے کہ آپ نے مارہرہ آنے کے بارے میں کسی سے کہا کہ میں تو پیشاب پھرنے کو بھی وہاں نہ جاؤں گا۔'' یہ فقرہ محض اس لیے دماغ سے اتارا گیا کہ میں اس کے جواب میں یہ لکھ دوں گا کہ آپ کو یہ کسی نے غلط باور کرایا ہے۔ میں ضرور آؤں گا۔ مجھ سے رجسٹری کرانا مقصود ہے تاکہ نواب کو دکھانے کے لیے ہو جائے۔ میاں سمجھتے ہیں کہ میں اس چہار دیواری کے اندر بیٹھا ہوں، اسے کیا خبر ہوگی؟ میں جانتا ہوں کہ میری روانگی ہوتے ہی نواب کا اسپیشل روانہ ہو جائے گا، جو بالکل تیار کھڑا ہے، چونکہ وہ خط اعلیٰ حضرت نے اتنا ہی پڑھا تھا، اس لیے آگے پڑھنے کو مصطفےٰ میاں سے فرمایا، جس میں لکھا ہوا تھا ''یہ سن کر میرا دل پاش پاش ہو گیا'' فرمایا: جس کا دل پاش پاش ہو جائے، وہ خط لکھنے پر قادر ہو سکتا ہے۔ بس انہ جاؤں گا اور نہ تشریف لے گئے۔

انہیں کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ نواب رام پور نینی تال جا رہے تھے، اسپیشل بریلی شریف پہنچا تو حضرت شاہ مہدی حسن میاں صاحب اپنے نام سے ڈیڑھ ہزار کے نوٹ ریاست کے مدارالمہام کی معرفت بطور نذرانہ اسٹیشن سے حضور کی خدمت میں بھیجتے ہیں، اور والی ریاست کی جانت سے متدعی ہوتے ہیں، کہ ملاقات کا موقع دیا جائے۔ حضور کو مدارالمہام صاحب کے آنے کی خبر ہوئی، تو اندر سے دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑے کھڑے مدارالمہام صاحب سے فرمایا کہ میاں کو میرا اسلام عرض کیجئے، اور یہ کہیے گا۔ ''یہ اُلٹی نذر کیسی؟'' مجھے میاں کی خدمت میں نذر پیش کرنا چاہیے نہ کہ میاں مجھے نذر دیں، یہ ڈیڑھ ہزار ہوں یا جتنے ہوں، واپس لے جائیے۔ فقیر کا مکان نہ اس قابل کہ کسی والی ریاست کو بلا سکوں، اور نہ میں والیاں ریاست کے آداب سے واقف کہ خود جا سکوں۔

جامع حیات فقیر ظفرالدین قادری رضوی غفرلہ المولی القوی کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی اس صلابت مذہبی کو دین وشروع سے ناواقف لوگ شدت وغلظت طبیعت یا مقتضائے قومیت (یعنی پٹھان ہونے) پر محمول تھا۔ چنانچہ رسالہ 'عرصہ ظہور' مصنفہ سید شاہ ابوالخیر محمد نورالحسن صاحب رحمانی میں ہے۔

> بادشاہ دہلی حاضر خدمت مولانا فخرالدین صاحب چشتی کے ہوا۔ موافق دستور کے آپ نے اس کی تعظیم فرمائی۔ بعد اناں اعلیٰ و ادنیٰ جو آیا، سب کی تعظیم فرماتے رہے۔ بادشاہ جب وہاں سے رخصت ہو کر حضرت مرزا مظہر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے موافق عادت کے کوئی تعظیم نہیں فرمائی، اور جو کوئی آیا، اس کی بھی تعظیم نہیں فرمائی۔ بعد ازاں وہاں سے رخصت ہو کر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی خدمت میں آیا، آپ نے اس کی تعظیم فرمائی۔ اس کا وزیر بھی آیا تو کوئی تعظیم نہ فرمائی۔ بعد ازاں چوبدار شاہی سامنے آیا، اس کی تعظیم فرمائی۔ بادشاہ متعجب ہو کر مستفسر ہوا کہ اس اشکال کو حل فرمائیے، اور ہر جگہ کا دیکھا ہوا حال بیان کیا۔ آپ نے فرمایا: حضرت فخرالدین چشتی مقام توحید وجودی میں ہیں، لہٰذا سب میں جلوۂ یاران کو نظر آتا ہے، اور حضرت مرزا صاحب پر توحید شہود کا غلبہ ہے، لہٰذا مشاہدہ عظمت الٰہی کے سبب سے کسی کی تعظیم روا نہیں رکھتے، اور فقیر پابند شرع ہے، تم اولوالامر ہو تمہاری تعظیم لازم ہے، اور یہ وزیر رافضی ہے، لہٰذا قابل تعظیم نہیں، اور یہ چوبدار تمہارا حافظ قرآن ہے، اس واسطے میں نے تعظیم کی۔

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی سب صفتوں میں ایک بہت بڑی صفت جو عالم باعمل کی شان ہونی چاہئے، یہ تھی کہ آپ کا ظاہر باطن ایک تھا۔ جو کچھ آپ کے دل میں تھا وہی زبان سے ادا فرماتے تھے، اسی پر آپ کا عمل تھا۔ کوئی شخص کیسا ہی پیارا ہو یا کیسا ہی معزز، کبھی اس کی رعایت سے بات خلاف، شرع اور اپنی تحقیق کے، نہ زبان سے نکلتے نہ تحریر فرماتے۔ اور رعایت، مصلحت کا وہاں گذر ہی نہ تھا۔ جس طرح دیگر علمائے مشاہیر کے یہاں اس کا رواج تھا۔

مولوی سلیمان صاحب ندوی 'حیات شبلی' صفحہ ۲۸۱ پر لکھتے ہیں۔

> یہی زمانہ ہے جب سرسید کے مشورہ سے مولانا نے خلافت پر مسلسل ایک مضمون لکھنا چاہا، جس میں رکتوں کی خلافت کو مذہبی حیثیت سے انکار کیا تھا۔ یہ مضمون علی گڑھ میگزین میں چھپا، مگر چوں کہ یہ آورد تھا آمد نہ تھا، اس لیے وہ ناتمام ہی رہا۔ ۱۹۲۰ء میں جب رکن وفد خلافت کی حیثیت سے لندن گیا تھا، تو پروفیسر آرنلڈ اکثر اس مضمون کو یاد دلاتے تھے، میں کہتا تھا کہ مولانا نے لکھا نہیں لکھوایا گیا تھا۔

اس میں قطع نظر اس سے کہ جو شبلی صاحب کا خیال تھا، وہ حق تھا یا جو سر سید کا عقیدہ تھا، درست تھا، اتنا ثابت ہوتا ہے کہ شبلی صاحب ترکی سلطان کو خلیفۃ المسلمین و امیر المومنین جانتے تھے۔ مگر سر سید کے کہنے سے ان کی خلافت کے خلاف مضمون لکھا، اور اس کو علی گڑھ میگزین میں چھپوایا۔ اگر چہ درحقیقت اس مسئلہ میں سر سید کا عقیدہ درست تھا کہ سلطان ترکی قریشی نہ ہونے کے سبب خلیفۃ المسلمین نہیں۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت اس مسئلہ کی پوری توضیح وتحقیق اپنے رسالہ مبارکہ 'دوام العیش فی الأئمة من قریش' میں فرمائی ہے۔

یوں ہی جس طرح قلب وزبان مین یگانگت واتفاق کلی تھا، اسی طرح زبان وعمل میں بھی۔ مثلاً اپنے کو وہ محمدی سنی حنفی قادری فرماتے۔ یہی پہلی مہر مبارک میں کندہ بھی تھا۔ تو آپ پوری محمدی سنی تھے، کسی بات میں کسی فعل میں خلاف سنت نہیں کیا، نہ کسی وقت کسی موقع پر مذہب حنفی کی خلاف کوئی عمل کیا، نہ قادری مشرب کے خلاف کوئی بات کی، جس طرح دوسرے مشاہیر کیا کرتے ہیں۔ سلیمان صاحب ندوی اسی کتاب کے صفحہ ۷۸۲ پر شبلی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں "بلکہ بات یہ ہے کہ وہ شدید حنفی تھے (اور میرا ابھی یہی خیال ہے اور غیر مقلدین سے مناظرہ کرنا ان کے رد میں کتاب لکھنا اس پر دال ہے)۔ پھر بھندوی صاحب نے صفحہ ۲۸۷ پر شبلی صاحب کے سفر روم کے واقعہ میں لکھا۔ جہاز پر دو تین روز تک پرندے کے گوشت کھانے سے پرہیز کیا، پھر مسٹر ارنلڈ کے کہنے پر کہ جہاز پر جانوروں کی گردن مروڑی نہیں جاتی، بلکہ ذبح کیا جاتا ہے۔ اس کو دیکھنے کے لئے گئے، اور اس کو ذبح کو خلاف مذہب حنفی جانتے ہوئے اس کو کھایا، اور یہ خیال ظاہر کیا کہ اگر چہ حنفیوں کے یہاں یہ ذبیحہ حلال نہیں، لیکن اس مسئلہ میں چند دنوں کے لیے شافعی بن گیا تھا۔ (سفرنامہ صفحہ ۱۵)

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ منشی شوکت علی صاحب سابق محرر چورنگی ساکن محلہ ذخیرہ، حاجی محمد شیر صاحب پیلی بھیتی علیہ الرحمۃ کے مرید ہیں اور حضور اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ کے از حد معتقد، کہ اکثر لوگ انہیں حضرت ہی کا مرید جانتے ہیں۔ محرم الحرام کی کسی ابتدائی تاریخ میں حضور کی خدمت اقدس میں سیاہ ٹوپی اوڑھے ہوئے حاضر ہوتے ہیں۔ ان پر نظر پڑتے ہی ارشاد ہوتا ہے۔

منشی جی عشرہ محرم تک تین رنگ کا کپڑا پہننا نہیں چاہئے ایک سبز کہ علم داروں کا لباس ہے، دوسرا سرخ کہ خوارج پہنتے ہیں، جنھوں نے شہادت امام عالی مقام پر خوشی منائی تھی۔ تیسرا یہ روافض کا لباس ہے۔ آپ کے سر پر سیاہ ٹوپی ہے۔

یہ سنتے ہیں منشی جی نے فوراً ٹوپی اتار لی، اور برہنہ سر بیٹھ گئے۔ ارشاد فرمایا: اب تو آپ نے روافض کا اور تشبہ اختیار کرلیا اور فوراً حکم ہوا کہ 'اندر مکان سے میری ٹوپی منگالو' یہ سن کر حاضرین میں سے ہر ایک اپنی اپنی ٹوپی اس لالچ میں کہ حضور کی ٹوپی ہمیں ملے گی منشی جی کو پیش کرنے لگا۔ مگر کیا وہ اس بات کو نہیں سمجھتے تھے؟ انھوں نے کسی کی ٹوپی قبول نہ فرمائی، اور اتنی دیر یوں ہی بیٹھے رہے، جب تک کہ حضور کی کلاہ مبارک حاصل نہ کرلی۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا کہ میں رویت ہلال سے پہلے روئی کی مرزئی پہنے ہوئے تھا۔ اس کے کپڑے میں یہ تینوں رنگ موجود تھے یعنی اس کی زمین سیاہ تھی اور اس پر سرخ گلاب کے پھول اور شاخیں پتیاں سبز تھیں۔ اگر چہ اس کے پہنے رہنے سے کسی کا تشبہ نہ تھا اس لیے کہ ہر ایک جدا جدا تینوں رنگوں میں سے ایک ایک رنگ اختیار کرتا ہے، مگر میں نے احتیاطاً اس مرزئی کو اتار دیا۔ (ق ۱۸۴، ۱۹۵)

ماہ جمادی الاخرہ ۱۳۰۰ھ میں مُفضلہ بریلی، بدایوں، سنبھل، رامپور، وغیرہ نے متفقہ طریقہ سے مسئلہ تفضیل میں اعلیٰ حضرت سے مناظرہ کا اعلان کیا۔ اور سبھوں نے مولانا مولوی محمد حسن صاحب سنبھلی مصنف تنسیق النظام فی مسند الامام و حاشیہ ہدایہ وغیرہ کو امیر جماعت ومناظرہ کیا اور بریلی پہنچے۔ اس زمانہ میں اعلیٰ حضرت منضج پی رہے تھے اور جلاب کے دن قریب تھے۔ ایک نئے طبیب کے زیر علاج تھے۔ اس کی سازش سے یہ مشورہ ہوا کہ مسہل کے ایک دن قبل دعوت مناظرہ دینی چاہیے۔ اعلیٰ حضرت بوجہ مسہل خود ہی انکار کردیں گے۔ اور اگر ہمت کی بھی تو طبیب کی حیثیت سے وہ معالج صاحب منع کردیں گے۔ بات بن جائے گی کہ مناظرہ سے فرار کیا۔ لیکن جسے خداوند عالم سربلند کرے اُسے کون نیچا دکھا سکتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فوراً چیلنج مناظرہ منظور فرمالیا۔ معالج صاحب نے بہت منع کیا کہ کل مسہل کا دن ہے، اعلیٰ حضرت نے فرمایا: مناظرہ کرتے ہوئے مجھے مرجانا منظور ہے، اور مناظرہ سے انکار کرکے بچنا مقصود نہیں۔ آخر اُسی حالت میں تیس سوال لکھ کر سر گروہ جماعت جناب مولانا محمد حسن صاحب سنبھلی کے پاس روانہ کردئے۔ مولانا موصوف کی دیانت کہ بجز دس سوالات دیکھنے کے فرمایا: ان سوالات کا جواب کوئی شخص تفضیلی عقیدہ رکھتے ہوئے نہیں دے سکتا ہے، اور اسی وقت ریل میں سوار ہوکر مکان شریف لے آئے۔ اُس کے بعد شرح عقائد کا حاشیہ مسمّی بہ نظم الفرائد تحریر فرمایا۔ جس میں مذہب اہل سنت وجماعت کی حمایت وتائید کی۔ دوسرے معاونین نے یہ حال دیکھ کر من سکت سلم پر عمل کیا اور بالکل خاموشی اختیار کی۔ جس کی قدرے تفصیل رسالہ فتح خیبر میں اُسی زمانہ میں مطبوع ہوچکی ہے۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے کئی مرتبہ اُن لوگوں کو دعوت مناظرہ دی، مگر ادھر سے صدائے برنخاست۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم (ق ۱۲، ۱۳)

خود داری :

حضرت سیّد شاہ اسماعیل حسن میاں صاحب کا بیان ہے کہ ایک سال مولانا فضل رسول صاحب بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں، میں نے اور میاں صاحب بھائی قبلہ مرحوم نے مولوی حامد رضا خان صاحب اور بریلی کیا یک مرزا جی کو، جن کا نام اس وقت خیال سے اترا ہوا ہے (۱۲)، اور جن کے پاس موئے شریف بھی تھا، اور خوش آواز آدمی تھے، نعت شریف کے نور کا قصیدہ پڑھنے بٹھا دیا تھا۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب کا دستور یہ تھا کہ وہ بعد مغرب میرے پاس زمانہ عرس میں آ بیٹھتے تھے۔ مولوی حامد رضا خاں صاحب اور مرزا جی ساتھ مل کر اشعار نعت شریف پڑھ رہے ہیں۔
فوراً ہی اٹھ کر قیام گاہ تشریف لے گئے اور مولوی حامد رضا خاں صاحب کو بھی بلوایا۔ مجھے خیال گذرا کہ کہیں مولوی حامد رضا خاں صاحب پر ناراض نہ ہوں۔ میں نے مولانا عبدالقادر صاحب سے یہ خیال ظاہر کر کے انہیں مولانا کے خیمہ میں بھیجا۔ مولوی حامد رضا خاں پہنچ چکے تھے اور مولانا عبدالقادر صاحب سے اس بارے میں گفتگو آنے پر مولانا احمد رضا خاں صاحب نے فرمایا کہ حضرت! میں علما کے لیے اس طرح ایسے مواقع پر عام کے ساتھ آوازیں ملا کر نغمہ و ترنم سے نعت شریف پڑھنا مناسب نہیں سمجھتا، اور مجھے صاحب زادہ صاحب (یعنی فقیر کے بڑے لڑکے سیّد غلام محی الدین فقیر عالم) سے بھی مثنوی شریف کے ساتھ اس طریقے پر نعت شریف کے اشعار پڑھوانا مناسب معلوم ہوا تھا۔ (فقیر عالم سے اشعار نعت مولانا عبدالقادر صاحب نے اس سے پہلے پڑھوائے تھے)۔
جناب سیّد ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک صاحب نے بدایونی پیڑوں کی ہانڈی پیش کی۔ حضور نے فرمایا کہ کیسے تکلیف فرمائی؟ انھوں نے کہا کہ حضور کو سلام کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ حضور جواب سلام فرما کر کچھ دیر خاموش رہے اور پھر دریافت فرمایا: کوئی کام ہے؟ انہوں نے عرض کیا کچھ نہیں حضور، محض مزاج پرسی کے لیے آیا تھا۔ ارشاد فرمایا: عنایت و نوازش۔ اور قدرے سکوت کے بعد حضور نے پھر بایں الفاظ مخاطب فرمایا: کچھ فرمایئے گا؟ انھوں نے پھر نفی میں جواب دیا۔ اس کے بعد پھر حضور نے وہ شیرینی مکان میں بھجوا دی۔ اب وہ صاحب تھوڑی دیر کے بعد ایک تعویذ کی درخواست کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ میں نے تو آپ سے تین بار دریافت کیا مگر آپ نے کچھ نہ بتایا، اچھا تشریف رکھئے اور اپنے بھانجے علی احمد خان صاحب مرحوم کے پاس سے تعویذ منگا کر کہ یہ کام انھیں کے متعلق تھا، ان صاحب کو عطا فرمایا اور ساتھ ہی حاجی کفایت اللہ صاحب نے حضور کا اشارہ پاتے ہی مکان سے وہ مٹھائی کی ہانڈی منگوا کر سامنے رکھ دی۔ جسے حضور نے بایں الفاظ واپس فرمایا: 'اس ہانڈی کو ساتھ لیتے جائیے، میرے یہاں تعویذ بکتا نہیں ہے' انھوں نے بہت کچھ معذرت کی، مگر قبول نہ فرمایا۔ بالآخر وہ بے چارے اپنی شیرینی واپس لیتے گئے۔
انھیں کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضور نے جہاں گیر خان صاحب قادری رضوی ساکن محلّہ چھپی ٹولہ قلعہ سے فرمایا کہ مجھے ایک پیا مٹی کے تیل کی ضرورت ہے، کیوں کہ وہ تیل فروخت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ ایک پیپا تیل لے کر حاضر ہوئے۔ حضور نے قیمت دریافت فرمائی۔ انھوں نے اس وقت جو قیمت تھی اس کا اظہار بایں الفاظ فرمایا: 'ویسے تو اس کی قیمت یہ ہے مگر حضور کچھ کم کر کے اتنی دے دیں' اس پر حضور نے فرمایا: مجھے سے وہی قیمت لیجئے جو سب سے لیتے ہیں، انھوں نے عرض کیا نہیں حضور! آپ میرے بزرگ ہیں، عالم ہیں، آپ سے عام بکری کے دام کیسے لے سکتا ہوں؟ حضور نے فرمایا: میں علم نہیں بیچتا ہوں اور وہی عالم بکری کے دام خان صاحب کو دیے۔ (ق ۲۹)

محبت و عزت علما :

حضرت مولانا سیّد شاہ اسماعیل حسن میاں صاحب کا بیان ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب بمضمون أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ جس قدر کفار و مرتدین پر سخت تھے، اسی درجہ علمائے اہل سنت کے لیے ابر کرم سراپا کرم تھے۔ جب کسی سنی عالم سے ملاقات ہوتی، دیکھ کر باغ باغ ہو جاتے، اور ان کی ایسی عزت و قدر کرتے کہ وہ خود اپنے کو اس کا اہل نہ خیال کرتے۔ خصوصاً مولانا عبدالقادر صاحب اور مولانا احمد رضا خان صاحب میں جو اخلاص و محبت و اتحاد و وداد کے تعلقات تھے، دیکھنے ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ مختصر یہ کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کو مولانا عبدالقادر صاحب اپنے عزیز ترین بھائی سے کسی طرح کم نہیں سمجھتے تھے۔ اپنا قوت بازو خیال فرماتے۔ اور مولانا احمد رضا خان صاحب بھی ان کو اپنا بزرگ بھائی جانتے، ان کے اعزاز و اکرام میں مافوق العادۃ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں فرماتے۔ حتی کہ ان کے سامنے حقہ نہ پیتے، پان نہ کھاتے۔
جامع حالات فقیر ظفرالدین قادری رضوی غفرلہ کہتا ہے کہ جس زمانہ میں قصیدہ آمال الابرار و آلام الاشرار اعلیٰ حضرت کو سنایا کرتا تھا، جب اس شعر پر پہنچا۔

اذاحلو اتمصرت الایادی   اذا راحو فصار المصر بید

''جب وہ تشریف فرما ہوتے تو ویرانہ شہر بن جاتا ہے اور جب وہ کوچ کرتے ہیں تو شہر ویران ہو جاتا ہے۔''
میں نے عرض کیا کہ یہ تو محض مبالغہ شاعرانہ معلوم ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: نہیں، بلکہ یہ واقعہ ہے حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا

عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہی شان تھی کہ جب یہاں فروکش ہوتے، عجیب رونق اور چہل پہل ہو جاتی، درو دیوار روشن ہوتے، انوار و برکات کی بارش ہوتی۔ اور جب واپس تشریف لے جاتے، باوجودیکہ صرف وہی ایک جاتے، گھر کے سب لوگ، محلہ والے، سب کے سب رہتے، لیکن عجیب اداسی اور ویرانیت چھا جاتی۔

دولہا گیارہ گئے براتی (ق ۱۹۶، ۱۹۷)

جامع حالات غفرلہ کہتا ہے کہ میرے زمانہ قیام بریلی شریف یعنی ۱۳۲۱ھ سے ۱۳۲۹ھ تک علمائے اہل سنت ومشائخ کرام وداعیان دین وملت ودیگر حضرات اہل سنت و جماعت برابر تشریف لایا کرتے۔ کوئی دن ایسا نہ ہوتا کہ ایک دو مہمان تشریف نہ لاتے ہوں۔ ان سب کی خاطر و مدارات حسب مرتبہ کی جاتی۔ اور علمائے کرام کی تشریف آوری کے وقت اعلیٰ حضرت کے مسرت کی جو حالت ہوتی احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ خصوصاً

☆ حضرت محدث سورتی مولانا شاہ وصی احمد صاحب پیلی بھیتی

☆ حضرت ابوالوقت شیر بیشۂ سنت مولانا ہدایت الرسول صاحب لکھنوی

☆ حضرت مولانا سراج الدین ابوالنر کا شاہ سلامت اللہ صاحب اعظمی رامپوری

☆ حضرت مولانا شاہ ظہور الحسین صاحب رام پوری

☆ حضرت مولانا شاہ ریاست علی خاں صاحب شاہ جہاں پوری

☆ حضرت مولانا عبدالاسلام شاہ عبداسلام جبل پوری

☆ حضرت مولانا سید شاہ محمد فاکر صاحب الٰہ آبادی

☆ حضرت مولانا سید شاہ علی حسین صاحب اشرفی کچھوچھوی

☆ اور ان کے صاحب زادہ حضرت مولانا سید شاہ احمد اشرف صاحب جناب مولانا قاضی عبدالوحید صاحب عظیم آبادی

☆ محمد عمر الدین صاحب ہزاروی نزیل بمبئی

☆ حضرت مولانا سید شاہ دیدار علی صاحب الوری ثم اللاہوری

☆ جناب مولانا شاہ احمد مختار صاحب صدیقی میرٹھی

☆ مولانا شاہ حبیب اللہ صاحب میرٹھی

☆ حضرت استاذ مولانا شاہ عبید اللہ صاحب الٰہ آبادی ثم الکانپوری

☆ مولانا مشتاق احمد صاحب کان پوری

☆ مولانا سید شاہ سلیمان اشرف صاحب بہاری علی گڑھی

☆ مولانا رحیم بخش صاحب بہاری آروی

☆ مولانا سید شاہ عبدالغنی صاحب سہرامی وغیرہ علمائے کرام کی تشریف آوری کے وقت کا سماں تو بیان سے باہر ہے۔ ان میں حضرت محدث سورتی اکثر و بیشتر تشریف لایا کرتے اور حضرت سیف اللہ المسلول جناب مولانا شاہ ہدایت الرسول صاحب جن تشریف لاتے تو شہر بھر میں ان کے وعظوں کی دھوم پڑ جاتی اور جگہ جگہ (وعظ) ہونے لگتے ور مہینہ دو مہینہ سے کم قیام کی نوبت نہ آتی وہ زمانہ بھی عجیب چہل پہل کا ہوتا شہر بھر میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ جاتی۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضور پیلی بھیت حضور مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی کے یہاں تشریف لے گئے۔ دوران قیام میں، ایک روز کسی صاحب کے یہاں دعوت تھی اور بوجہ نقاہت پالکی میں تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا۔ منجملہ اور متوسلین و معتقدین کے خود حضرت محدث صاحب ممدوح پیادہ پا پالکی کے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ چونکہ کہاروں کی رفتار تیز تھی، آپ نے سعی فرمائی، یہاں تک کہ دوڑنا شروع کر دیا، اور اسی پر بس نہ کیا، بلکہ نعلین شریفین در بغلین کر لیں۔ شارع عام پر عام بلکہ تمام حضرات حیرت و استعجاب سے پالکی اور مولانا ممدوح کو دیکھ رہے تھے۔ یکا یک کہاروں نے کاندھا بدلنے کے لیے پالکی روکی، چونکہ حضرت محدث صاحب تیز روی سے ہمراہ تھے، لہٰذا روبرو میں پالکی کی کھڑکی کا سامنے ہو گیا۔ جس وقت اعلیٰ حضرت کی نظر حضرت محدث صاحب پر پڑی کہ برہنہ پا پالکی کے ہمراہ ہیں۔ کہاروں کو حکم فرمایا: پالی یہیں رکھ دو۔ اور فرمایا: مولانا! یہ غضب کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: حضور تشریف تو رکھیں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ محدث صاحب نے فرمایا: آپ بہت کمزور ہیں، اور ابھی مکان دور ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اچھا تو آپ یہیں سے واپس تشریف لے جائیے۔ تب میں پالی میں بیٹھوں گا۔ ورنہ میں بھی پیدل چلوں گا۔ بالآخر محدث صاحب کو واپس ہونا پڑا، تب پالکی آگے بڑھی۔ چونکہ حضرت محدث صاحب بھی وہاں مدعو تھے، اعلیٰ حضرت کے پہنچ جانے کے بعد ان رئیس صاحب نے دوبارہ پالکی حضرت محدث صاحب کے لیے بھیجی۔

حضرت محدث سورتی کہ اصول وفروع کسی ایک مسئلہ میں بھی اعلیٰ حضرت سے خلاف نہیں۔صاحب ورع وتقویٰ، عالم باعمل، حق گوئی کی یہ شان کہ ہر وقت ہر حال میں حق بات دوٹوک اور فیصلہ کن کہتے ہیں۔اصلاً پس وپیش نہ کیا، اس لیے اعلیٰ حضرت جب بھی ان کو خط تحریر فرماتے، آداب والقاب اس طرح لکھتے: "کنزالکرامۃ، جبل الاستقامۃ" ان کو اعلیٰ حضرت سے نہ صرف محبت بلکہ عشق تھا۔اسی لیے شاید ہی کوئی مہینہ ایسا ہوتا کہ پیلی بھیت سے بریلی تشریف لاکر اعلیٰ حضرت سے ملاقات نہ کرتے ہوں۔ان دونوں علم وعمل، دین ودیانت، رشد وہدایت کے شمس وقمر کا منظر بھی قابل دید ہوتا تھا۔پیلی بھیت سے اکثر محدث سورتی صاحب صبح کی گاڑی سے تشریف لاتے کہ دن بھر قیام کر کے شام کے وقت واپس ہوجائیں گے۔اس کو اعلیٰ حضرت کی کرامت کہیئے یا جس وقت حضرت محدث صاحب تشریف لاتے، کسی نہ کسی ضرورت سے اعلیٰ حضرت باہر ہی تشریف رکھتے اور آتے ہی ملاقات ہوجاتی۔اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضرت باہر نہیں ہوتے تو اطلاع ہونے پر باہر تشریف لے آتے۔جس وقت ان دونوں کی نظریں دوچار ہوتیں۔پہلے مصافحہ، پھر معانقہ فرماتے، اس کے بعد ایک دوسرے کی دست بوسی کرتے۔پھر دونوں حضرات سائبان میں قالین پر تشریف رکھتے، پھر ایک دوسرے کی خیریت دریافت کرنے کے بعد علمی باتیں شروع ہوتیں۔افسوس کہ اس وقت ان کے ضبط کا خیال نہ ہوا، ورنہ خدا جانے کیسے گراں مایہ مضامین اکٹھا ہوجاتے، جس کی قدر علما کرتے، عوام اس سے بے شمار فائدے اٹھاتے۔

ایک مرتبہ کسی ضروری فتویٰ کے لیے تشریف لائے۔اعلیٰ حضرت کی عادت کریمہ تھی کہ تصنیف وتالیف، تحریر مضامین، جواب استفتا وغیرہ زنانہ مکان میں تحریر فرماتے۔حضرت محدث سورتی صاحب ہی کی خصوصیت تھی کہ ان کی تشریف آوری کے وقت زمانہ قیام تک حضرت بھی باہر ہی تشریف رکھتے، اور جو کچھ تحریر فرمانا ہوتا، باہر ہی تحریر فرماتے۔چنانچہ اس استفتا کا جواب باہر ہی بیٹھے لکھ رہے تھے، کہ حقہ بھرنے کو خادم گیا۔اس وقت حضرت نے لکھنا چھوڑ دیا۔عادت کریمہ تھی کہ جب تک لکھتے یا کتاب دیکھتے، چشمہ لگائے رہتے۔جب لکھنا موقوف فرماتے، عینک کو پیشانی کے اوپر چڑھا لیتے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی نگاہ شورٹ سائٹ تھی۔یعنی دور کی نگاہ اچھی نزدیک کی کمزور تھی۔جیسا کہ عام طور پر بوڑھے لوگوں کی نگاہ ہوا کرتی ہے، اس لیے لکھنے پڑھنے کیوقت چشمہ لگایا کرتے، اور فارغ وقتوں میں چشمہ خارج ہوجاتا، اوپر چڑھا لیا کرتے تھے۔اسی عادت کی وجہ سے ایک مرتبہ بہت دقت ہوئی، چشمہ حضرت نے پیشانی پر چڑھا لیا تھا۔کچھ دیر تک لوگوں سے باتوں میں مشغول رہے، اس کے بعد کچھ لکھنا چاہا تو ذہن سے یہ بات اتر گئی کہ چشمہ اوپر چڑھا لیا ہے۔چشمہ کی تلاش شروع کی، مگر چشمہ نہ ملا۔اتنے ہی میں اتفاقیہ منہ پر ہاتھ پھیرا تو چشمہ پیشانی پر سے ڈھلک کر آنکھوں پر آرہا (۱۳) غرض چشمہ پیشانی پر چڑھا کر حضرت نے فتویٰ اسی وقت تحریر فرما دیا، مگر پیلی بھیت جانے کی اجازت نہ دی۔

تعظیم و اکرامِ سادات

علمائے کرام نے اپنی مستند تصانیف میں تحریر فرمایا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی محبت و تعظیم سے ہے کہ وہ چیز جس کو حضور اقدس ﷺ سے نسبت و اضافت ہے، اس کی تعظیم و توقیر کرنا۔ اور ان میں سادات کرام جزء رسول ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ مستحق توقیر و تعظیم ہیں۔ اور اس پر پورا عمل کرنے والا میں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کو پایا۔ اس لیے کہ کسی سید صاحب کو وہ اس کی ذاتی حیثیت ولیاقت سے نہیں دیکھتے، بلکہ اس حیثیت سے ملاحظہ فرماتے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا جزء ہیں۔ پھر اس اعتقاد و نظریہ کے بعد جو کچھ ان کی تعظیم و توقیر کی جائے، سب درست و بجا ہے۔ اعلیٰ حضرت اپنے قصیدۂ نور میں عرض کرتے ہیں۔

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا　　　تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے۔ ایک کم عمر صاحبزادے خانہ داری کے کاموں میں امداد کے لیے کاشانۂ اقدس میں ملازم ہوئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ سید زادے ہیں۔ لہٰذا گھر والوں کو تاکید فرمادی کہ صاحبزادے صاحب سے خبردار کوئی کام نہ لیا جائے کہ مخدوم زادہ ہیں۔ کھانا وغیرہ اور جس شئے کی ضرورت ہو حاضر کی جائے، جس تنخواہ کا وعدہ ہے، وہ بطور نذرانہ پیش ہوتا رہے۔ چنانچہ حسب الارشاد تعمیل ہوتی رہی۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ صاحبزادے خود ہی تشریف لے گئے۔ انھیں کا بیان ہے کہ فقیر اور برادرم سید قناعت علی کے بیعت ہونے پر بموقع عید الفطر بعد نماز دست بوسی کے لیے عام نے ہجوم کیا۔ مگر جس وقت قناعت علی دست بوس ہوئے، حضور پر نور اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ چوم لیے، یہ خائف ہوئے اور دیگر مقربان خاص سے تذکرہ کا، تو معلوم ہوا کہ حضور کا یہ معمول ہے کہ بموقع عیدین دورانِ مصافحہ سب سے پہلے جو سید صاحب مصافحہ کرتے ہیں، اعلیٰ حضرت اس کی دست بوسی فرمایا کرتے ہیں، غالبًا آپ موجود سادات کرام میں سب سے پہلے دست بوس ہوئے ہوں گے۔

توشۂ غوث پاک:

انھیں کا بیان ہے کہ ایک صاحب نے کسی مراد کے لیے حضور کے فرمانے پر، حضور پر نور سیدنا غوث پاک حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا توشہ شریف مانا تھا۔ جس کا نسخہ یہ تھا۔ توشۂ حضور برائے قضائے حاجات و نیل مرادات (تیر) بہدف ست باید کہ این توشہ اگر توفیق رفیق باشد پیش از حصول مقصود ادنماید۔

میدہ گندم	شکر	روغن زرد (گھی)	مغز بادام	پستہ	کشمش	ناریل	قرنفل	الائچی سفید	دارچینی
۵مار(ماشہ)	۵مار	۵مار	۱مار	۱مار	۱مار	۱مار	۶چھٹانک	۶چھٹانک	۶چھٹانک

ایں ہر سہ پنج چھٹانک بر ہمہ را یکجا کردہ حلوا پز د، و بہ صلحا بخوراند اصل نسخہ ہمیں قدر ست و در کم و بیش نمودن ایں توشہ مختار ست بقدر میسر بعمل آرد۔

(الفوز بالامال فی الووفاق و الاعمال)

مذکورہ بالا نسخہ کی نسبت حضور نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس میں قرنفل اور دارچینی ہے، فی زمانہ لوگ کھانے میں تکلیف (محسوس) کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کے بدلے چرونجی کیوڑا وغیرہ شامل کردیں۔ مصارف میں تخفیف کی نیت نہ ہو۔ ہاں خوش ذائقہ کرنے کے لیے اضافہ ہو جائے تو حرج نہیں۔

راقم الحروف اور اس کے احباب کیہاں نسخہ مندرجہ ذیل مروج ہے۔

سوجی	شکر	روغن زرد	ناریل	کشمش	پستہ	مغز بادام	الائچی سفید	چرونجی	زعفران	کیوڑا
۵ مار	۱۰ مار	۵ مار	۱ مار	۱ مار	۱ مار	۱ مار	۶ چھٹانک	۱ مار	۲ ماشہ	نصف بوتل

خیر آمدم برسر مطلب کہ جب ان کی مراد حاصل ہوئی تو وہ توشہ تیار کرا کے آستانہ عالیہ ہی پر حضور سے فاتحہ دلانے کے لیے لے آئے۔ لہٰذا ایک کمرہ میں فرش بچھایا گیا۔ حضور نے فرمایا: سب حضرات وضو فرمالیں اور خود بھی تجدید وضو فرمایا۔ حلوہ کا دیگچہ سامنے رکھا گیا۔ حضور بغداد مقدس کی جانب کہ سمت قبلہ سے ۱۸ درجہ شمال کو ہے، رخ کر کے کھڑے ہوئے، اور حاضرین سے فرمایا: سب صاحب بسم اللہ شریف کے بعد سات بار درود غوثیہ

اللھم صل علی سیدنا محمد معدن الجود والکرم والہ وبارک وسلم، ایک بار الحمد شریف، ایک بار آیۃ الکرسی شریف، اور سات بار قل ھو اللہ شریف، پھر تین بار درود غوثیہ شریف پڑھ کر سرکار بغداد کی نذر کریں۔ الغرض بعد فاتحہ جنھوں نے توشہ کیا تھا، دستر خوان بچھایا، اس پر کچھ اشعار جا بجا لکھے تھے، جسے حضور نے اٹھوا دیا اور سادہ دستر خوان منگوا کر بچھوایا، اور فرمایا: تحریر پر کوئی شے نہ رکھنا چاہئے۔

دسترخوان پر ظروف طعام کے علاوہ کھانا اتارنے والے بے تکلف چلتے پھرتے ہیں۔ انہیں مطلق احساس نہیں ہوتا کہ ہمارا قدم کہاں پڑتا ہے؟ اس کے بعد ہر ایک کے سامنے تشتریوں میں حلوہ رکھا گیا اور سب نے بسم اللہ شریف پڑھ کر کھانا شروع کیا۔ جب سب لوگ کھا چکے فرمایا: ابھی ہاتھ نہ دھوئے جائیں، بلکہ صف بستہ رو بہ عراق ہو کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ حاضرین صفیں درست کرنے لگے، فرمایا: جس قدر سادات ہیں، وہ صف اول میں سب سے آگے رہیں گے۔ یہاں تک کہ خود بھی پیچھے کھڑے ہوئے۔ بعدہ فرمایا: سلپچی میں سب لوگ باحتیاط ہاتھ دھوئیں، اور مستعمل پانی محفوظ جگہ پر ڈلوا دیا جائے اور کلی کرنے کی جگہ تھوڑا تھوڑا پانی سب لوگ پی لیں۔ اس کے بعد دعا کی گئی۔

انہیں کا بیان ہے کہ حضور کے یہاں مجلس میلاد مبارک میں سادات کرام کو بہ نسبت اور لوگوں کے دوگنا حصہ بروقت تقسیم شیرینی ملا کرتا تھا۔ اور اسی کا اتباع اہل خاندان بھی کرتے ہیں۔

ایک سال بموقع بارہویں شریف ماہ ربیع الاول ہجوم میں سید محمود خاں صاحب علیہ الرحمۃ کو خلاف معمول اکہرا حصہ یعنی دو تشتریاں شیرینی کی بلا قصد پہنچ گئیں۔ موصوف خاموشی کے ساتھ حصہ لے کر سیدھے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور کے یہاں سے آج مجھے عام حصہ ملا۔ فرمایا: سید صاحب تشریف رکھیے۔ اور تقسیم کرنے والے کی فوراً طلبی ہوئی، اور سخت اظہار ناراضی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ابھی ایک سینی (خوان) میں جس قدر آسکیں بھر کر لاؤ۔ چنانچہ فوراً تعمیل ہوئی، سید صاحب نے عرض بھی کیا کہ حضور میرا یہ مقصد نہ تھا۔ ہاں! قلب کو ضرور تکلیف ہوئی، جسے برداشت نہ کر سکا۔ فرمایا: سید صاحب! یہ شیرینی تو آپ کو قبول کرنا ہوگی، ورنہ مجھے سخت تکلیف رہے گی۔ اور قاسم شیرینی (تقسیم کرنے والے) سے کہا کہ ایک آدمی کو سید صاحب کے ساتھ کر دو، جو اس خوان کو مکان پر پہنچا آئے۔ انہوں نے فوراً تعمیل کی۔

انہیں کا بیان ہے کہ بعد نماز جمعہ حضور پھاٹک میں تشریف فرما ہیں اور حاضرین کا مجمع ہے کہ شیخ امام علی صاحب قادری رضوی مالک ہوٹل آئس کریم بمبئی کے برادر خورد مولوی نور محمد صاحب کی آواز جو بسلسلہ تعلیم مقیم آستانہ تھے، باہر سے قناعت علی قناعت علی پکارنے کی گوش گزار ہوئی۔ انہیں فوراً طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا: سید صاحب کو اس طرح پکارتے ہو؟ کبھی آپ نے مجھے بھی نام لیتے ہوئے سنا؟ مولوی نور محمد صاحب نے ندامت سے نظر نیچی کر لی۔ فرمایا: تشریف لے جائیے اور آئندہ سے اس کا لحاظ رکھیے۔

اسی تذکرہ میں فرمایا کہ شریف مکہ کے زمانہ میں حاجیوں سے ٹیکس بڑی سختی سے وصول کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے کارکن مستورات کی جامہ تلاشی کرتے تھے۔ ایک عالم صاحب مع مستورات وہاں پہنچتے ہیں، ان کی مستورات کیساتھ بھی وہی برتاؤ کیا گیا۔ عالم صاحب کو یہ بات بہت شاق گزری اور انہوں نے رات بھر شریف صاحب کو برا بھلا کہا اور بد دعائیں دیں۔ صبح ہوتے آنکھ لگ گئی۔ خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ 'مولوی صاحب کیا میری اولاد ہی آپ کے بد دعا کرنے کو رہ گئی تھی؟' پھر فرمایا: سید کو اگر قاضی حد لگائے تو یہ نہ خیال کرے کہ میں سزا دے رہا ہوں، بلکہ یہ تصور کرے کہ شاہزادے کے پیروں میں کیچڑ بھر گئی ہے، اسے دھو رہا ہوں۔

مکتوب مولانا سیّد شاہ عبدالمنان منعمی:

محبی مخلصی حامی دین متین مولانا مولوی سید شاہ ابو سلمان محمد عبدالمنان صاحب قادری چشتی فردوسی ابو العلائی منعمی مفتی وصدر مدرس مدرسہ عربیہ محمدیہ عظیم آباد سے میں نے درخواست کی کہ آپ کو بھی اگر کوئی واقعہ اعلیٰ حضرت کے متعلق معلوم ہو تو تحریر کر کے مجھے عنایت کریں، اگرچہ میں نے اخبار ہمدرد دہلی و دبدبہ سکندری رامپور میں اس کے متعلق بھی اعلان بھی کر دیا ہے۔ لیکن خاص حضرات کو خصوصیت کیساتھ بذریعہ خط یا ملاقات ہو جانے پر زبانی بھی فرمائش کر دیتا ہوں۔ چنانچہ مولانا موصوف نے یہ خط مجھے تحریر فرمایا: جو نہت جامع ہے لیکن اصل واقعہ کے اعتبار سے تعظیم سادات سے اس کا تعلق ہے۔ اس لیے اس جگہ درج کرنا انسب معلوم ہوتا ہے۔

۷۸۶

محبی محترمی ۔۔۔۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

مجھے اخبار ہمدرد میں یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ جناب نے ایک بڑی خدمت اور اہم کام جو مسلمانان عالم کے لیے مفید اور کار آمد ہوگا، اپنے سر لیا۔ یعنی اعلیٰ حضرت حامی سنت ماحی بدعت مجدد مأۃ حاضرہ حضرت مولانا قاری حافظ شاہ احمد رضا خاں صاحب رضی اللہ عنہ کے سوانح حیات جمع کر کے منظر عام پر لائیں اور ان کی پاکیزہ زندگی کو سنی مسلمانوں کے لیے خصوصاً اور دیگر مسلمانوں کے لیے عموماً مشعل ہدایت بنائیں۔ پھر اخبار مذکور کا یہ اعلان کہ جن حضرات کو حالات اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ معلوم ہوں، وہ بذریعہ ڈاک ارسال فرمائیں۔ جناب کی کاوشوں اور انہماک کا اس سے اندازہ ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ طریقت جو جناب والا نے اختیار فرمایا ہے، تدوین حالات کے لیے ازبس مفید ثابت ہوگا۔ اعلیٰ حضرت کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں وہ تو آفتاب شریعت ماہتاب طریقت ہے۔ دنیا کا کون سا خطہ اور مقام ہے جو آپ کی علمی ضوفشانی سے محروم رہا ہو۔ دوست تو دوست دشمن کو بھی آپ کے تبحر علمی اور فضل و بزرگی کا قائل پایا۔ سچ ہے۔

علمائے عصر وفضلائے دہر خواہ کسی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں، آپ کی تحقیقات و تدقیقات کے سامنے سر تسلیم خم ہی کرتے تھے۔ ہندوستان تو ہندوستان، علمائے مکہ و مدینہ زاد ھما اللہ حرفا و تعظیما اور روم وشام و مصریمن سب ہی کو آپ کے علم وفضل کا مداح پایا۔

مجھ فقیر کو بھی ۱۳۳۹ھ کے موسم بہار میں زیارت کا موقع ملا، یوں تو عرصہ دراز سے آپ کے رسائل مفیدہ، تحریرات انیقہ دیکھا کرتا تھا۔ اور جزئیات فقہیہ پر اعلیٰ حضرت کو جو ید طولیٰ حاصل تھا، اس کا قائل بھی تھا، اور درحقیقت یہی رسائل وتحریرات نے زیارت کا داولہ بھی اس فقیر کے دل میں پیدا کر دیا تھا۔ بالآخر جب یہ فقیر درس نظامیہ کی تکمیل کر رہا تھا، اور تعلیم کا آخری سال گزر رہا تھا، تو برسوں کی تمنائے دلی برآئی، بریلی شریف جانے کا اتفاق ہوا۔ طالب علمانہ شان سے اعلیٰ حضرت کے مدرسہ میں پہنچا۔ حضرت استاذہ سے ملاقاتیں کیں، اور دلی تمناؤں کے اظہار کا موقع ہاتھ آیا۔ اگر میری یا غلطی نہیں کرتی تو کہوں گا کہ جناب مولانا مولوی قاضی رحم الٰہی صاحب مدرس مدرسہ نے مجھے اعلیٰ حضرت کی خدمت فیض درجت میں پہنچایا، اور میری پوری رہبری کی۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ تحریک خلافت وترک موالات اپنے پورے شباب پر تھی، اور جماعت کثیرہ ان تحریکوں میں شامل تھی۔ بنا، علیہ یہ فقیر بھی شدت کے ساتھ ان تحریکات کا حامی تھا۔ لیکن اعلیٰ حضرت کی تحریروں نے جو وقتاً فوقتاً مجھے مل جایا کرتی تھیں، اور جناب مولانا سید سلیمان اشرف صاحب اور ابوالکلام (آزاد) کی باہمی گفتگو نے مجھے ان تحریکات سے برگشتہ کر دیا تھا، اور ایک قسم کی دل میں خلش پیدا ہوگئی تھی، جس نے بریلی شریف پہچانے میں معاونت کی کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہو، اور مسائل حاضرہ بھی سمجھ لوں۔ چنانچہ جیسا سنا کرتا تھا، اور تحریروں سے معلوم کرتا تھا کہ علمی تبحر میں آپ کا کوئی ثانی نہیں، اور اخلاق نبویہ ﷺ کی ایک زندہ مثال ہیں۔ آپ کی زیارت نے تام وکمال فقیر پر یہ ثابت کر دیا کہ جو کچھ بھی آپ کی تعریفیں ہوتی ہیں، وہ کم ہیں۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ یہ فقیر سادات سے ہے، تو آپ نے بڑی عزت بخشی، اور جملہ شکوک کو چند منٹوں میں اس طرح رفع فرما دیا گویا کہ شکوک کبھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ پھر اخلاق کا یہ عالم کہ دو دن مجھے آپ کے اخلاق کریمانہ نے روک رکھا، اور ان دنوں میں اس فقیر نے بہت کچھ فیوض وبرکات حاصل کئے۔ پھر رخصت ہوتے وقت خاص کرم فرمایا کہ کچھ نقد روپے حوالہ آباد کی آمد ورفت میں صرف ہو سکتے ہیں۔ بلکہ کچھ زائد ہی تھے، مرحمت فرمائے۔ فقیر نے پہلے تو انکار کیا، لیکن اعلیٰ حضرت نے یہ فرمایا کہ یہ تو آپ کے گھر کے عنایت کردہ ہیں، اسے لے لیجئے، تو فقیر نے وہ رقم لے لی، اور واپسی کے بعد ان تحریکات سے کلیۃً علیحدگی اختیار کر لی۔

پھر بعد وصال اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ چند مرتبہ عرس اعلیٰ حضرت میں جانے کا اتفاق ہوا۔ بعد وصال بھی اعلیٰ حضرت کی روحانیات نے اپنے فیوض و برکات سے محروم نہ رکھا۔

وللہ الحمد والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین.

فقیر الی المولی تعالیٰ سید شاہ ابوسلمان محمد عبدالمنان قادری چشتی فردوسی منعمی ابوالعلائی غفرلہ الباری مفتی وصدر مدرس مدرسہ عربیہ محمدیہ عظیم آباد پٹنہ سیٹی ۷ دسمبر ۱۹۴۷ء یوم یکشنبہ۔

جامع حالات فقیر ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ عرض کرتا ہے کہ جس زمانہ میں اعلیٰ حضرت کے دولت کدہ کی مغربی سمت، جس میں کتب خانہ نیا تعمیر ہو رہا تھا۔ عورتیں اعلیٰ حضرت کے قدیمی آبائی مکان میں جس میں حضرت مولانا حسن رضا خان صاحب برادر اوسط اعلیٰ حضرت مع متعلقین تشریف رکھتے تھے، قیام فرما تھیں، اور اعلیٰ حضرت کا مکان مردانہ کر دیا گیا تھا کہ ہر وقت راج مزدوروں کا اجتماع رہتا۔ اسی طرح کئی مہینہ تک وہ مکان مردانہ رہا۔ جن صاحب کو اعلیٰ حضرت کی خدمت میں باریابی کی ضرورت پڑتی، بے کھٹکے پہنچ جایا کرتے۔ جب وہ کتب خانہ مکمل ہوگیا۔ مستورات حسب دستور سابق اس مکان میں چلی آئیں۔ اتفاق وقت کہ ایک سید صاحب جو کچھ دن پہلے تشریف لائے تھے اور اس مکان کو مردانہ پایا تھا پھر تشریف لائے اور اسی خیال سے کہ مکان مردانہ ہے، بے تکلف اندر چلے گئے۔ جب نصف آنگن میں پہنچے تو مستورات کی نظر پڑی، جو زنانہ مکان میں خانہ داری کے کاموں میں مشغول تھیں۔ انہوں نے جب سید صاحب کو دیکھا تو گھبرا کر ادھر ادھر پردہ میں ہوگئیں۔ ان کے جانے کی آہٹ سے جناب سید صاحب کو علم ہوا کہ یہ مکان زنانہ ہوگیا ہے۔ مجھ سے سخت غلطی ہوئی جو میں چلا آیا اور ندامت کے مارے سر جھکائے واپس ہونے لگے، کہ اعلیٰ حضرت دکھن طرف کے سائبان سے فوراً تشریف لائے اور جناب سید صاحب کو لے کر اس جگہ پہنچے، جہاں حضرت تشریف رکھا کرتے اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے اور سید صاحب کو بٹھا کر بہت دیر تک باتیں کرتے رہے، جس میں سید صاحب کی پریشانی اور ندامت دور ہو۔ پہلے تو سید صاحب خفت کے مارے خاموش رہے، پھر معذرت کی، اور اپنی لاعلمی ظاہر کی کہ مجھے زنانہ مکان ہونے کا کوئی علم نہ تھا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ حضرت! یہ سب تو آپ کی باندیاں ہیں، آپ آقا زادے ہیں، معذرت کی کیا حاجت ہے؟ میں خود سمجھتا ہوں، حضرت اطمینان سے تشریف رکھیں۔ غرض بہت دیر تک سید صاحب کو وہیں بٹھا کر ان سے بات چیت کی، پان منگوایا، ان کو کھلایا۔ جب دیکھا کہ سید صاحب کے چہرہ پر آثار ندامت کے نہیں ہیں اور سید صاحب نے اجازت چاہی ساتھ ساتھ تشریف لائے اور باہر کے پھاٹک تک پہنچا کر ان کو رخصت فرمایا۔ وہ دست بوس

ہر کر رخصت ہوئے۔ عجیب اتفاق کہ وہ وقت مدرسہ کا تھا اور رحم اللہ خاں خادم بھی بازار گئے ہوئے تھے۔ کوئی شخص باہر کمرہ پر نہ تھا، جو سید صاحب کو مکان کے زنانہ ہوجانیکی خبر دیتا۔ جناب سید صاحب نے اس واقعہ کو خود مجھ سے بیان فرمایا، اور مذاق سے کہا کہ ہم نے تو سمجھا کہ آج خوب پٹے، مگر ہمارے پٹھان نے وہ عزت وقدر کی کہ دل خوش ہوگیا۔ واقعی حب رسول ہو تو ایسا ہو۔

دوسرا واقعہ بھی اس سے کم نہیں۔ ایک سید صاحب، بہت غریب مفلوک الحال تھے۔ عسرت سے بسر ہوتی تھی اس لیے سوال کیا کرتے تھے۔ مگر سوال کی شان عجیب تھی، جہاں پہنچتے، فرماتے: دلواؤ سید کو۔ ایک دن اتفاق وقت کہ پھاٹک میں کوئی نہ تھا، سید صاحب تشریف لائے، اور سیدھے زنانہ دروازہ پر پہنچ کر صدا لگائی: دلواؤ سید کو۔ اعلیٰ حضرت کے پاس اسی دن ذاتی اخراجات علمی یعنی کتاب، کاغذ وغیرہ دادودہش کے لیے دوسو روپے آئے تھے، جس میں نوٹ بھی تھے، اٹھنی، چونی، پیسے بھی تھے۔ کہ جس چیز کی ضرورت ہو صرف فرمائیں۔ اعلیٰ حضرت نے آفس بکس کے اس حصہ کو جس میں یہ سب روپے تھے، سید صاحب کی آواز سنتے ہیں ان کے سامنے لاکر حاضر کردیا، اور ان کے روبرو لیے ہوئے کھڑے رہے۔ جناب سید صاحب دیر تک ان سب کو دیکھتے رہے، اس کے بعد ایک چونی لے لی۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: حضور! یہ سب حاضر ہیں۔ سید صاحب نے فرمایا: مجھے اتنا ہی کافی ہے۔

الغرض! جناب سید صاحب ایک چونی لے کر سیڑھی پر سے اترتے آئے۔ اعلیٰ حضرت بھی ساتھ ساتھ تشریف لائے، پھاٹک پر ان کو رخصت کر کے خادم سے فرمایا: دیکھو سید صاحب کو آئندہ سے آواز دینے، صدا لگانے کی ضرورت نہ پڑے۔ جس وقت سید صاحب پر نظر پڑے فوراً حاضر کر کے سید صاحب کو رخصت کردیا کرو۔

سبحٰن اللہ وبحمدہ! تعظیم سادات ہو تو ایسی ہو۔

کیوں اپنی گلی میں وہ روادار صدا ہو جو نذر لیے راہ گدا دیکھ رہا ہو

مولانا مولوی مفتی محمد ابراہیم صاحب فریدی صدر مدرس مدرسہ شمس العلوم بدایوں نے حضرت سیدنا سید شاہ مہدی حسن میاں صاحب سجادہ نشین سرکار کلاں مارہرہ شریف کی روایت سے تحریر فرمایا کہ جب میں بریلی آتا، تو اعلیٰ حضرت خود کھانا لاتے اور ہاتھ دھلاتے۔ حسب دستور ہاتھ دھلاتے وقت فرمایا: حضرت شاہزادہ صاحب! یہ انگوٹھی اور چھلے مجھے دے دیجئے۔ میں نے فوراً اتار کر دے دیے اور وہاں سے بمبئی چلا گیا۔ بمبئی سے واپس مارہرہ آیا، تو میری بیٹی فاطمہ نے کہا کہ ابا! بریلی مولانا صاحب کے یہاں سے پارسل آیا تھا، جس میں چھلے اور انگوٹھی تھے۔ یہ دونوں طلائی تھے۔ والا نامہ میں تحریر تھا۔ شاہزادی صاحبہ یہ دونوں طلائی اشیا آپ کی ہیں۔ یہ تھا اعلیٰ حضرت کی سادات اور پیرزادوں کا احترام۔

جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء (ق ۲۰۱، ۲۰۹)

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ موسم بارش میں شب کے وقت جناب سید محمد جان صاحب قادری برکاتی نوری علیہ الرحمۃ ساکن محلہ گڑھی حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں، حضور! جو میں مانگوں عطا فرمادیں۔ ارشاد فرمایا: سید صاحب! اگر میرے مکان میں ہوا تو ضرور حاضر کروں گا۔ سید صاحب نے عرض کیا کہ حضور کے مکان میں ہے۔ فرمایا: تو مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔ فرمایا: کیا درکار ہے؟ سید صاحب نے عرض کیا: صرف ۲۲ گز کپڑا کفن کے لیے چاہتا ہوں۔ چنانچہ صبح بازار کھلتے ہی ۲۲ گز نین کلاتھ منگوا کر سید صاحب کے نذر کردیا۔

جناب سید ایوب علی صاحب ہی کا بیان ہے کہ ایک روز بعد مغرب میں اور برادرم قناعت علی سخت پریشان اور دونوں کے دلوں میں یہ خیال کہ کاش! اس وقت اعلیٰ حضرت رضوی منزل کے سامنے مل جاتے تو ہمارے زخمی دلوں پر مرہم لگ جاتا۔ یہ خیال آیا ہی تھا کہ ان آنکھوں نے دیکھا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ رضوی منزل کے سامنے سے اسٹیشن پیادہ تشریف لے جارہے ہیں۔ برادرم قناعت علی عالم از خود رفتگی میں بے تابانہ حضور کی طرف دوڑے، مگر چند قدم چلے تھے کہ پیچ ڈگمگائے، اور چت لب سڑک گر مدہوش سے ہوئے۔ میں نے بعجلت بیٹھک بند کی اور قناعت علی کو ساتھ لیے ہوئے آگے بڑھ کر حضور کی دست بوسی کی، اور خاموشی کے ساتھ پیچھے پیچھے ہو لیے۔ دل میں سوچتے جاتے تھے کہ حضور اس نقاہت اور کمزوری کی حالت میں اتنی دور پیادہ بغیر سواری کے کیسے آگئے؟ اور یہ بھی حیرت کی بات ہے کہ حضور کے خادم خاص حاجی کفایت اللہ صاحب جو سایہ کی طرح ساتھ ساتھ رہتے تھے، ہمراہ نہیں ہے۔ صرف مولانا امجد علی صاحب قبلہ مدظلہ العالی کو دیکھا کہ وہ لالٹین ہاتھ میں لیے ہوئے آگے آگے تھے۔ اس وقت ہم لوگ کچھ ایسے مبہوت ہورہے تھے کہ کلام کرنا تو درکنار اتنی جرأت نہ ہو سکی کہ مولانا کے ہاتھ سے لالٹین اپنے ہاتھ میں لے لیتے۔ غرض یوں ہی خاموشی کے ساتھ چوپلہ تک پہنچ گئے، دیکھا کہ وہ گاڑی جو ریاست رام پور کو اس وقت چھوٹتی تھی، جارہی ہے۔ ادھر سواریاں بھی یکہ تانگہ وغیرہ میں برابر شہر کی طرف آرہی تھیں۔ اس وقت مولانا امجد علی صاحب نے حضور سے عرض کیا: معلوم ایسا ہوتا کہ میاں (حضرت مہدی میاں صاحب سجادہ نشین مارہرہ شریف) تشریف نہیں لائے، گاڑی تو رام پور والی چھوٹ گئی، جو سواریاں آنے والی تھیں وہ بھی شہر کی طرف آچکیں، اگر تشریف لاتے تو اب تک ملاقات ہوجاتی، غرض وہاں سے واپس ہوئے اور محلہ قرولان میں آکر اس راستہ سے جو سنگھوں کی گھیر والی مسجد کیسامنے سے بہاری پور کی بزریہ میں پہنچتا ہے،

اسی راستہ سے مکان تشریف لائے۔ اس وقت مولانا امجد علی صاحب سپتہ چلا کہ حضرت مہدی میاں صاحب نے حضرت کو اطلاع دی تھی کہ میں مارہرہ شریف سے آرہا ہوں اور رام پور جارہا ہوں کسی کو اسٹیشن بریلی جنکشن بھیج دیا جائے۔ چنانچہ حضور نے شاہزدگان میں سے کسی سے فرمادیا تھا کہ اسٹیشن چلے جانا۔ انھیں خیال نہ رہا یہاں تک کہ مغرب کی نماز کے بعد حضور اندر تشریف لے گئے، اور ویسے ہی پھاٹک میں آکر دریافت فرمایا کہ کوئی اسٹیشن گیا معلوم ہوا کہ نہیں، اس لیے خود تنہا راندھیرے میں پاپیادہ حضور چل دیئے۔ میں یہ کیفیت دیکھ کر پھاٹک سے لالٹین لے کر دوڑا، اور کچھ دور چل کر حضور کیساتھ ساتھ ہولیا اس کیبعد ہم لوگوں نے اپنا قصہ مولانا نے عرض کیا اور اپنا خیال ظاہر کیا کہ حضور چونکہ اپنے آپ کو چھپائے رکھتے ہیں۔ لہٰذا بظاہر حضرت مہدی میاں صاحب کے لیے تشریف لے گئے تھے، مگر بباطن ہم لیواؤں کے قلوب کو اپنے دیدار سے تسلی و تشفی کرنا تھی، اس لیے آپ کی بھی زبان بند رکھی جاتی ہے کہ آپ بھاری پور کی بزریہ میں یہ نہیں کہتے کہ رضوی منزل کی طرف سے مسافت زائد ہوگئی۔ (از جلد چہارم)

تعظیمِ حجاج و زائرین مدینہ

جناب سید ایوب علی خان صاحب کا بیان ہے کہ جب کوئی صاحب حج بیت اللہ شریف کر کے حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے، پہلا سوال یہی ہوتا کہ سرکا میں حاضری دی؟ اگر اثبات میں جواب ملا، فوراً ان کے قدم چوم لیتے۔ اور اگر نفی میں جواب ملا، پھر مطلق تخاطب نہ فرماتے۔ نہ التفات فرماتے۔ ایک بار ایک حاجی صاحب حاضر ہوئے، چنانچہ حسب عادت کریمہ یہی استفسار ہوا کہ سرکار میں حاضر ہوئی؟ وہ آبدیدہ ہو کر عرض کرتے ہیں۔ ہاں حضور! مگر صرف دو روز قیام رہا۔ حضور نے قدم بوسی فرمائی اور ارشاد فرمایا: وہاں کی سانسیں بھی بہت ہیں، آپ نے تو بحمد اللہ دو دن قیام فرمایا۔

انہیں کا بیان ہے کہ دوران قیام مدینہ منورہ سوط شوال ۱۳۲۵ھ میں فقیر سے چند ہندی حجاج قیام گاہ پر ملاقات کے لیے تشریف لاتے ہیں، جن میں مستری غلام نبی صاحب قادری رضوی بریلوی ساکن محلہ مسجد نیاریان بھی آتے ہیں۔ میں نے اعلیٰ حضرت کے تذکرہ کے درمیان جناب صدر الشریعہ مولانا مولوی حاجی مفتی حکیم ابو العلا محمد امجد علی صاحب رضوی مدظلہ کی مراجعت حرمین طیبین کا واقعہ بیان کیا کہ حضور پر نور اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ تاریخ آمد پر بنفس نفیس ریلوے اسٹیشن پر تشریف لیگئے تھے۔ مختصر یہ کہ یہ جلوس بڑی شان و شوکت کیساتھ نعت خوانی کرتا ہوا آستانہ آیا، اور یہاں مداح الحبیب مولوی جمیل الرحمٰن کاں صاحب نے ابھی نعت شریف شروع نہیں کی تھی کہ حضور نے

بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے کلیاں کھلیں دلوں کی ہوا یہ کدھر کی ہے

پڑھنے کی فرمائش کی۔ جس کو سن کر تمام مجمع عجیب پر کیف حالت میں تھا۔ اس کے اختتام پر حضرت صدر صاحب ممدوح نے کچھ رقم نکال کر جناب حاجی شاہد علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ (خواہر زادہ اعلیٰ حضرت) کو بغرض شیرینی دی۔ اور مداح الحبیب علیہ الرحمۃ سے ذکر میلاد پڑھنے کو فرمایا: مجمع کافی ہو گیا تھا۔ چنانچہ شیرینی آنے پر قیام ہوا۔ دیر زائد ہو گئی تھی، عوام فاتحہ ہونے سے پہلے ہی جانے پر آمادہ تھے۔ لہٰذا حضور نے فرمایا: نیت پر مدار ہے، یو ہیں تقسیم شروع کر دو۔ (ق ۲۰۹، ۲۱۰)

مزاح وظرافت

حضرت سید شاہ اسماعیل حسن میاں صاحب مارہری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جدی سید شاہ برکت اللہ قدس سرہ العزیز کے عرس میں مولانا احمد رضا خان صاحب تشریف لائے، اس سفر میں ان کے بہنوئی بھی ان کے ساتھ تھے۔ انہوں نے میرے خادم غلام نبی سے اس کی ذات پوچھی۔ اس نے جواب دیا ہم پٹھان ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا تو تم ہمارے بھائی ہو، انہوں نے غلام نبی سے دریافت کیا تم کون سے پٹھان ہو؟ چونکہ وہ بوجہ لڑکپن وناواقفی جواب نہ دے سکتا تھا، اور بار بار کے سوال سے چڑھ گیا۔ اس نے کہا میں کون پٹھان؟ چمر پٹھان ہوں۔ اس پر مولانا نے ازراہ مزاح اپنے بہنوئی سے فرمایا کہ یہ آپ کے بھائی ہیں، اور اپنے کو چمر پٹھان بتاتے ہیں تو یہ آپ کی اصل آج معلوم ہوئی کہ آپ چمر پٹھان ہیں۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضور مسجد سے تشریف لا رہے تھے، دیکھا کہ ایک بازی گر کے پاس لوگوں کا مجمع ہے، اور پانی کا بھرا ہوا کٹورا ایک ڈور کا سرا ڈال کر اسے اٹھا رہا ہے۔ حضور نے اپنے پائے مبارک سے اپنا جوتا اتار کر اس کے سامنے ڈال دیا اور فرمایا کہ تو اسے تو لوٹ دے۔ بھلا وہ کیا ٹس سے مس کرتا۔ آخر پہن کر کاشانۂ اقدس میں تشریف لے گئے۔

انہیں کا بیان ہے کہ جیلانی میاں سلمہ کی تقریب ختنہ بہت دھوم دھام سے منائی گئی تھی۔ اعزہ واقربا اور شہر کے روٴسا عام خاص سب شریک تقریب تھے۔ جس مکان میں ختنہ ہونے والا تھا، سب کو وہاں چلنے کے لیے کہا گیا۔ سب لوگ روانہ ہوئے، تو کسی نے حضور سے بھی تشریف لے چلنے کے لیے عرض کیا۔ ارشاد فرمایا: میں تو اس موقع پر کبھی جاتا نہیں ہوں، اپنی دفع میں مجبوری تھی۔ (ق ۳۹،۴۰)

ادبی لطیفے

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے جہاں دوسرے علمی کارنامے حد احصا سے فزوں ہیں، ادبی لطیفے بھی اپنی شان میں خاص جدت رکھتے ہیں، اگر سب قلم بند ہو جاتے تو شائقین ادب کے لیے وہ مجموعہ ایک نایاب تحفہ ہوتا۔ مگر جو کچھ یاد ہیں، لکھے جاتے ہیں۔

کسی آریہ نے اپنے مذہب کے متعلق ایک کتاب لکھی، اور اس کا نام ' آریہ دھرم پرچار' رکھا۔ جب وہ کتاب چھپی تو مصنف نے ایک نسخہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھی ارسال کیا۔ حضرت نے اس کتاب کو ملاحظہ فرما کر جگہ جگہ پر اس کا رد حاشیہ پر لکھا، اور اسی طرح جلی قلم سیاہ روشنائی سے 'پرچار' کے بعد 'حرف' بڑھا دیا۔ (اس طرح کتاب کا نام ' آریہ دھرم پرچار حرف' ہوگیا۔ ۱۲رضوی)

ایک رافضی نے اپنے مذہب کی حمایت میں ایک کتاب لکھی اور عربی ادب کا اپنے جانتے اس میں بہت لحاظ کیا، اور ضائع و بدائع کو بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ اور اسی وجہ سے اس کا نام 'جناس الاجناس' رکھا، اور ایک نسخہ اعلیٰ حضرت کے پاس بھیجا۔ حضرت نے ملاحظہ فرمانے کے بعد مجھے یاد ہے کہ آج کی ڈاک سے یہ کتاب آئی ہے۔ اب جو میں اس کا نام پڑھتا ہوں، تو 'انجاس الخناس' ہے۔

حیرت میں پڑ گیا کہ مصنف نے یہ کیا نام رکھا ہے؟ جب غور سے دیکھا تو 'جناس' کے اول 'انؑ' بڑھا ہوا ہے، اور جناس کو ملا کر 'نؑ' کا شوشہ غائب ہوگیا۔ دوسرے لفظ سے لاکر سیاہی سے بھر دیا کہ پھول معلوم ہونے لگا۔ 'جؑ' کے اوپر 'الخؑ' بڑھا دیا، خاصہ 'انجاس الخناس' ہوگیا۔

مولوی خرم علی صاحب بلہوری مشہور وہابی ہیں۔ ان کی ایک کتاب مشہور مشرک گر ہے، جس کا نام نصیحۃ المسلمین ہے۔ لیکن باتیں وہی ہیں، جو 'تقویۃ الایمان' میں ہیں۔ مطبع والے نے مصنف کا نام اس طرح ملا کر لکھا خرمعلی۔ میں نے جس زمانے میں حضرت کا کتب خانہ درست کرنا شروع کیا، ایک کتاب دیکھی جس کا نام فضیحۃ المسلمین ہے، اور مصنف کا نام 'خر، معلی' دیکھ کر سمجھا کہ کوئی کتاب مذاق کی ہے، اس لیے نام ہی ایسا ہے، اور مصنف کا نام بھی ویسا ہی ہے۔ اب جو غور کرکے دیکھتا ہوں تو 'نصیحۃ' کے نون کو سرے 'کرُف' بنا دیا گیا، اور 'صؑ' پر نقطہ بڑھا ہوا ہے، اور اس طرح اس کتاب کے نام کو مطابق مسمّیٰ قرار دیا ہے، اور مصنف کا نام کاتب نے بدا ملا لکھا، خرم کے 'مؑ' کو 'علیؑ' میں ملا کر 'معلیٰ' کی شکل کا لکھا۔ اعلیٰ حضرت نے اس پر اعراب لگا دیا ہے۔

تقویۃ الایمان مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کی معروف و مشہور کتاب ہے کہ شروع سے اخیر تک شرک و بدعت سے بھری ہوئی ہے۔ اس کے 'قؑ' کے دو نقطوں کو اس طرح ملا دیا کہ ایک نقطہ معلوم ہونے لگا، اور بجائے تقویت الایمان، تفویت الایمان اسم با مسمّیٰ ہوگیا۔

مولوی اشرف علی تھانوی نے حضور اقدس ﷺ کی توہین آمیز کتاب کا نام حفظ الایمان رکھا۔ اعلیٰ حضرت نے 'فؑ' کو اس طرح بنا دیا کہ 'بؑ' کا شوشہ معلوم ہوا، اور 'حؑ' کو 'بؑ' کو نقطہ دے کر (ظ کے نقطہ کو مٹا دیا اور اس) کا صحیح نام خبط الایمان کر دیا۔

جب مسئلہ اذان ثانی جمعہ میں اعلیٰ حضرت نے مردہ سنت کو زندہ کیا۔ (کہ اذان حضور اقدس ﷺ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، بلکہ ہشام کے زمانہ تک بیرون مسجد ہوا کرتی تھی۔ اور باوجود تصریحات فقہائے کرام، کہ اذان مسجد میں مکروہ ہے۔ لوگ مسجد کے اندر خطیب کے سر پر دینے کے عادی ہو گئے ہیں) اور خلاف شرع رسم و رواج کی اصلاح چاہی۔ بعض علمائے اہل سنت نے بھی اس کا خلاف کیا۔ اس میں پیش پیش جناب معلانا عبدالغفار خان صاحب رام پوری تھے، کہ باوجود افہام و تفہیم اپنی ضد پر اڑے رہے۔ جس کا مفصل حال ان رسائل سے معلوم ہوگا، جو اس مبحث میں تحریر ہوئے، اور چھپ کر ملک میں بکثرت شائع ہوئے۔ اخیر میں مولانا عبدالغفار خان صاحب رام پوری نے انتہائی کد و کاوش سے ایک رسالہ لکھا۔ جس کا نام رکھا حبل اللہ المتین لهدم آثار المبتدعین مگر یہ دائرہ میں اس طرح لکھا۔ حبل اللہ متین

لهدم

آثار المبتدعین

اعلیٰ حضرت کے پاس جب وہ رسالہ پہنچا، اولین نگاہ میں فرمایا: مولانا عبدالغفار خان صاحب نے اپنے رسالہ کا نام بہت عمدہ رکھا ہے۔ لوگ شوق سے متوجہ ہوئے کہ اعلیٰ حضرت اس کا نام کیا فرماتے ہیں۔ اس لیے کہ رسالہ سب کے سامنے تھا۔ جب سب لوگوں کا اشتیاق ملاحظہ فرمایا۔ ارشاد ہوا: مولانا نے اس کا نام آثار المبتدعین لهدم حبل اللہ المتین رکھا ہے۔ اس لیے کہ جو نام دائرہ میں لکھا جاتا ہے، اس کے پڑھنے کا یہی قاعدہ ہے کہ نیچے سے اوپر کو پڑھا جاتا ہے۔ اسی لیے اس کا نام آثار المبتدعین لهدم حبل اللہ المتین ہے۔

جب حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب نے اس رسالہ کا رد لکھا، تو اس میں ان کے رسالہ کا یہی نام تحریر فرمایا۔ اور حاشیہ میں یہی وجہ لکھی۔ جب رسالہ چھپ کر شائع ہوا، اور جناب مولانا عبدالغفار صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا، تو انہوں نے نہایت سادگی کے ساتھ کہا کہ مولانا کاظم دیکھئے میرے رسالہ کا نام انہوں نے آثار المبتدعین قرار دیا، اور ہم لوگوں کو مبتدع بنا دیا۔ مخلص مولانا مقبول احمد خان صاحب دربھنگوی بہاری سابق مدرس حدیث مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ حال ناظم و صدر مدرس مدرسہ حمیدیہ دربھنگہ تشریف رکھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا:

جناب! مبتدع تو پہلے آپ ہی نے ان کو بنایا۔ رسالہ کا نام **حبل اللہ المتین لھدم آثار المبعدعین** رکھا، انہوں نے اس کو لوٹ دیا۔ عطائے تو بلقائے تو، رہا نام کا بدل دینا۔ یہ خوب آپ کے مطبع کی غلطی تھی۔ نام دائرہ میں لکھ کر انہوں نے خود اس کا موقعہ دیا۔ مولانا پر کیا الزام ہے؟

فقیر غفرلہ کہتا ہے کہ بعض حضرات جن میں دینی تصلب نہیں، وہ ان ناموں کے تبدیل سے شاید خوش نہ ہوں گے، بلکہ سمجھیں گے کہ نامناسب بات ہوئی۔ ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ بُرے ناموں کو بدل دینا خود حضور اقدس ﷺ کی عادت کریمہ تھی۔ اور خلاف واقعہ بات سے کون سی بات بری ہوگی۔ خلاف واقعہ نام بالکل اس مصرع کا مصداق ہے۔

کار شیچاں می کند نامش ولی

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے اپنے خیالات کا آئینہ ایک رسالہ لکھا، اور اس کا نام رکھا: سبیل الرشاد غالبًا مطبع مجتبائی میں طبع ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں جب وہ رسالہ آیا، اس کو ملاحظہ فرما کر ٹائٹل پر اس کے نام کے اوپر بڑھا دیا **قَالَ فِرْعَوْنُ مَا اُرِیْکُمْ اِلَّا مَا اَرٰی وَمَا اَهْدِیْکُمْ** توسب مل کر فرعون کا مقولہ ہوگیا، جو سورۂ مومن (۲۹/۴۰) میں ہے: **قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِیْکُمْ اِلَّامَآ اَرٰی وَمَآاَهْدِیْکُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ** فرعون بولا، میں تو تمہیں وہی سمجھاتا ہوں جو میری سوجھ ہے، اور تمہیں نہیں دکھاتا ہوں مگر سبیل الرشاد (ق۵۹، ۶۲)

ایک مرتبہ دیو بند سے ایک رسالہ کسی نے بھیج دیا، اس کا نام تھا القاسم اعلیٰ حضرت نے قلم سے وہیں لکھ دیا۔ محروم یہ قصہ شہر میں مشہور ہوا، تو ایک بہت بڑے وہابی نے بڑے تأسف کے ساتھ کہا کہ رسالہ کا یہ نام کیوں رکھا گیا۔ اور کہا گیا تھا، تو اعلیٰ حضرت تک کیوں پہنچایا گیا۔ (ق۶۵)

حاضر جوابی

پہلی بھیت میں ایک دعوت میں حضرت محدث صاحب اور اعلیٰ حضرت تشریف فرما تھے۔ دسترخوان بچھانے سے پیشتر میزبان نے آفتابہ وتشت لیا کہ ہاتھ دہلایا جائے۔ حضرت محدث صاحب نے عام عربی دستور کے مطابق میزبان کو اشارہ کیا کہ اعلیٰ حضرت کے ہاتھ پہلے دہلائے جائیں۔ اعلیٰ حضرت نے برجستہ فرمایا کہ:

آپ محدث ہیں اور اعلم بالسنۃ ہیں، آپ کا فیصلہ بالکل حق اور آپ کی شان کے لائق ہے، کیونکہ سنت یہ ہے کہ اگر ایک مجمع مہمانوں کا ہو تو سب سے پہلے چھوٹے کا ہاتھ دہلایا جائے اور آخر میں بڑے کا ہاتھ دہلایا جائے، تاکہ بزرگ کو ہاتھ دھونے کے بعد دوسرے کے ہاتھ دہلنے کا انتظار نہ کرنا پڑے، اور کھانا ختم ہو جانے کے بعد سب سے پہلے بڑے کا ہاتھ دہلایا جائے، میں شروع میں ابتداء کرتا ہوں، لیکن کھا چکنے کے بعد آپ کو ابتدا کرنی ہوگی۔

مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی کا بیان ہے کہ اس دسترخوان پر میں بھی حاضر تھا۔ اعلیٰ حضرت کے ارشاد پر حضرت محدث صاحب کا ہاتھ بڑھا کر طشت کو اپنی طرف کھینچنا کہ سب سے پہلے میرے ہاتھ دھلائے جائیں، اور اعلیٰ حضرت کا مسکراتے ہوئے چہرے سے فرمانا کہ اپنے فیصلہ کے خلاف عمل درآمد آپ کی شان کے خلاف ہے۔ یہ دلچسپ اور خوشگوار نقشہ جب آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو مجھے بھی اس کا لطف تازہ ہو جاتا ہے۔

(ق۔٦٤، ٦٥)

مولوی اعجاز ولی خان صاحب کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کی عمر کا چودھواں سال تھا، افتاء کا کام حضرت نے اپنے ذمہ لے لیا تھا کہ ایک شخص رامپور سے حضرت اقدس امام المحققین مولانا نقی علی خاں صاحب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی شہرت سن کر بریلی تشریف لائے، اور جناب مولانا ارشاد حسین صاحب مجددی کا فتویٰ، جس پر اکثر علماء کی مواہیر و دستخط ثبت تھے، پیش خدمت کیا، حضرت نے فرمایا کہ کمرہ میں مولوی صاحب ہیں، ان کو دے دیجئے، وہ لکھ دیں گے۔

وہ کمرہ میں گئے اور آ کر عرض کیا کہ کمرہ میں مولوی صاحب نہیں ہیں، فقط ایک صاحبزادہ صاحب ہیں۔

فرمایا: انہیں کو دے دیجئے، وہ لکھ دیں گے۔

انہوں نے کہا: حضور میں تو جناب کا شہرہ سن کر آیا تھا۔

حضرت نے فرمایا: آجکل وہی فتویٰ لکھا کرتے ہیں، انہیں کو دے دیجئے، اعلیٰ حضرت نے جو اس فتویٰ کو دیکھا تو ٹھیک نہ تھا۔ اعلیٰ حضرت نے اس کے جواب کے خلاف جواب تحریر فرمایا: اور اپنے والد ماجد صاحب کی خدمت میں پیش فرمایا۔ حضرت نے اُس کی تصدیق وتصویب فرمائی۔

پھر وہ صاحب اس فتویٰ کو دوسرے علماء کے پاس لے گئے۔ ان لوگوں نے حضرت مولانا شاہ ارشاد حسین صاحب کی شہرت دیکھ کر انہیں کے فتویٰ کی تصدیق کی۔

جب والی رامپور نواب کلب علی خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی خدمت میں وہ فتویٰ پہنچا۔ آپ نے شروع سے اخیر تک اس فتویٰ کو پڑھا، اور تمام لوگوں کی تصدیقات دیکھیں۔ دیکھا کہ سب علماء کی ایک رائے ہے، صرف بریلی کے دو عالموں نے اختلاف کیا ہے، حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب کو یاد فرمایا، حضرت تشریف لائے، نواب صاحب نے فتویٰ ان کی خدمت میں پیش فرمایا۔

حضرت مولانا کی دیانت اور انصاف پسندی دیکھیے کہ صاف فرمایا: فی الحقیقۃ وہی حکم صحیح ہے، جو ان دو صاحبوں نے لکھا۔ نواب صاحب نے پوچھا: پھر اتنے علماء نے آپ کے فتویٰ کی تصدیق کس طرح کی؟ فرمایا: ان لوگوں نے مجھ پر اعتماد میری شہرت کی وجہ سے کیا اور میرے فتویٰ کی تصدیق کی، ورنہ حق وہی ہے، جو انہوں نے لکھا ہے۔ .... یہ سن کر نواب صاحب کو اعلیٰ حضرت کی ملاقات کا شوق ہوا۔ (ق ١٣٣، ١٣٣)

جناب شیخ افضل حسین صاحب اعلیٰ حضرت کے خسر افسر ڈاکخانہ وہاں تشریف رکھتے تھے۔ ان سے پوچھا کہ آپ جانتے ہیں، یہ مولانا احمد رضا خان صاحب کون شخص ہیں؟

جناب شیخ موصوف نے فرمایا: وہ حضور کا عزیز ہے۔ جناب شیخ صاحب موصوف ریاست رامپور میں گورنمنٹ کی طرف سے ڈاکخانہ میں ملازم تھے، اور نواب صاحب اور ریاست کے بہت ہمدرد تھے۔ جس کی وجہ سے نواب صاحب کے دل میں ان کی بڑی وقعت تھی۔ جب نواب صاحب کو معلوم ہوا کہ مفتی مولانا احمد رضا خان صاحب شیخ صاحب کے خویش ہیں، اور مصدق جناب مولانا نقی علی خان صاحب شیخ صاحب کے سمدھی ہیں۔ تو نواب صاحب نے فرمایا کہ آپ اپنے خویش کو بلوائیے، ہم ان کو دیکھنا چاہتے ہیں، .... چنانچہ حسب طلب ودعوت شیخ صاحب، اعلیٰ حضرت قبلہ رامپور تشریف لے گئے، جناب شیخ صاحب اپنے ساتھ نواب صاحب کے یہاں اعلیٰ حضرت کو لے کر گئے۔

جس وقت اعلیٰ حضرت نواب صاحب کے یہاں پہنچے چونکہ دُبلے پتلے تھے، نواب صاحب نے دیکھ کر بہت تعجب کیا، اور اپنے ساتھ پلنگڑی پر بٹھالیا، اور بہت لطف ومحبت سے باتیں کرنے لگے۔ اسی درمیان نواب صاحب نے مشورہ دیا کہ ماشاء اللہ آپ فقہ ودینیات میں بہت کمال رکھتے ہیں، بہتر ہو کہ مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادی بھی تشریف لے آئے۔ نواب صاحب نے اعلیٰ حضرت کا ان سے تعارف کرایا، اور اپنی رائے کا اظہار فرمایا۔
جس طرح متمول صاحب صرف مالدار ہی نہیں ہوتے بلکہ مال ان کے سر پر سوار رہتا ہے۔ اسی طرح بعض علماء بھی صرف عالم ہی نہیں ہوتے، بلکہ علم ان کے سر پر سوار رہتا ہے۔ ایسے لوگ دوسرے علماء کی کوئی وقعت وعزت کرنی جانتے ہی نہیں۔ بلکہ دوسرے کی شان میں بلاوجہ توہین وتحقیر آمیز کلمات والفاظ استعمال کرنا شان علم خیال کرتے ہیں۔
اعلیٰ حضرت سے علامہ خیرآبادی نے دریافت کیا............ منطق کی کتاب کہاں تک پڑھی ہے؟
اعلیٰ حضرت نے فرمایا............ قاضی مبارک!
یہ سُن کر علامہ خیرآبادی نے دریافت کیا............ تہذیب پڑھ چکے ہیں؟
جس دماغ اور شان سے مولانا نے یہ سوال کیا، اسی انداز پر جواب دیا گیا............ آپ کے یہاں قاضی مبارک کے بعد تہذیب پڑھائی جاتی ہے؟
یہ جواب سن کر مولانا نے خیال فرمایا کہ ہاں یہ بھی کوئی شخص ہے، اس لئے اس گفتگو کو چھوڑ کر دوسرا سوال کیا............ بریلی میں آپ کا شغل کیا ہے؟
فرمایا............ تدریس، افتاء، تصنیف۔ فرمایا کس فن میں تصنیف کرتے ہیں؟
اعلیٰ حضرت نے فرمایا............ جس مسئلہ دینیہ میں ضرورت دیکھی اور ردوہابیہ میں۔
علامہ خیرآبادی مرحوم سنی تھے، مگر سنی گرنہ تھے، خاص حمایت دین کا کوئی شوق وولولہ دل میں نہ رکھتے تھے، فرمایا............ آپ بھی ردوہابیہ کرتے ہیں؟ ایک وہ ہمارا بدایونی خبطی ہے کہ ہر وقت اسی خبط میں مبتلا رہتا ہے۔ یہ اعلیٰ حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبدالقادر صاحب بدایونی کی طرف اشارہ تھا۔ اتنے بڑے عالم کو ایسے الفاظ سے یاد کرنا علامہ خیرآبادی کو زیبا تھی یا نہیں؟ یہ ناظرین کی فہم سلیم پر چھوڑتے ہیں۔ ممکن ہے کہ دونوں میں بے تکلفی اور آپس کی محبت کا اثر ہو، اس لئے کہ حضرت تاج الفحول علامہ فضل حق خیرآبادی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے شاگرد رشید اور علامہ عبدالحق صاحب مرحوم کے استاد بھائی، رفیق اور ساتھی تھے۔ لیکن اعلیٰ حضرت ان کی حمایت دین ونکایت مفسدین کی وجہ سے بہت عزت کرتے تھے۔ اس لفظ کو سن کر بہت کبیدہ ہوئے اور فرمایا............ جناب والا! سب سے پہلے وہابیہ کا رد حضرت مولانا فضل حق صاحب (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) حضور کے والد ماجد نے کیا۔ اور تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ مستقل کتاب مولوی اسمٰعیل کے رد میں تصنیف فرمائی۔
یہ سن کر مولانا عبدالحق صاحب نے فرمایا............ اگر ایسی حاضر جوابی میرے مقابلے میں رہی تو مجھ سے پڑھانا نہیں ہوسکتا۔
اعلیٰ حضرت نے فرمایا............ آپ کی باتیں سن کر میں نے پہلے ہی فیصلہ کرلیا کہ ایسے شخص سے منطق پڑھنی اپنے علمائے ملت، حامیان سنت کی توہین وتحقیر سننی ہوگی۔ اسی وقت پڑھنے کا خیال بالکل دل سے دور کردیا، تب حضور کی بات کا ایسا جواب دیا۔
اس کے بعد کچھ دنوں رامپور میں قیام فرمایا، اور جناب مولانا عبدالعلی صاحب ہیاتی سے شرح چغمینی پڑھی، (۱۴) پھر مکان واپس تشریف لائے۔
(ق ۱۳۶،۱۳۵)

قوتِ حافظہ

مولوی محمد حسین صاحب میرٹھی کا بیان ہے کہ ایک سال ماہِ رمضان شریف میں اعلیٰ حضرت کی مسجد میں اعتکاف کیا، میں نے سحر کے وقت قرآن شریف پڑھنے میں غلطی کی۔ حضرت آرام فرما رہے تھے۔ مگر بیدار تھے۔ مجھے وہ غلطی بتائی، میں نے دوبارہ پڑھا۔ فرمایا: اب مجھ سے سنو! وہی رکوع پڑھا۔ کچھ دیر کے بعد صبح کی نماز میں بے تکلف وہی رکوع پڑھ دیا۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک روز حضور نے ارشاد فرمایا کہ بعض ناواقف حضرات میرے نام کے ساتھ حافظ لکھ دیا کرتے ہیں، حالانکہ میں اس لقب کا اہل نہیں ہوں۔ یہ ضرور ہے کہ اگر کوئی حافظ صاحب کلام پاک کا کوئی رکوع ایک بار پڑھ کر مجھے سنا دیں، دوبارہ مجھ سے سن لیں۔ بس ایک ترتیب ذہن نشین کر لینا ہے۔ اور اسی روز سے دور شروع فرما دیا، جس کا وقت غالباً عشاء کا وضو فرمانے کے بعد سے جماعت قائم ہونے تک مخصوص تھا۔ اس لئے کہ پہلے روز کاشانہ اقدس سے آتے وقت سورۂ بقرہ شریف تلاوت میں تھی۔ اور تیسرے روز تیسرا پارہ قرأت میں تھا، جس سے پتہ چلا کہ روزانہ ایک پارہ یاد فرما لیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ تیسویں روز تیسواں پارہ سننے میں آیا۔ چنانچہ آئندہ ایک موقع پر اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔ الفاظ ارشادِ عالی کے یاد نہیں ہیں۔ مگر کچھ اسی طرح فرمایا کہ بحمد للہ میں نے کلام پاک بالترتیب بکوشش یاد کر لیا، اور یہ اس لئے کہ ان بندگانِ خدا کا کہنا غلط نہ ثابت ہو۔

مولوی محمد حسین میرٹھی کا بیان ہے، میں ایک مرتبہ میرٹھ سے بریلی گیا۔ معلوم ہوا طبیعت ناساز ہے، ڈاکٹروں نے ملنے اور باتیں کرنے سے منع کر دیا ہے، اس وجہ سے شہر سے باہر ایک کوٹھی میں مقیم ہیں، اور وہاں عام لوگوں کو جانے، کی اجازت نہیں ہے۔ مگر چونکہ مجھ سے لوگ واقف تھے، مجھے پتا بتا دیا، جب میں پہنچا تو دیکھا کہ کوٹھی کا دروازہ بند ہے، دستک دینے پر ایک صاحب آئے اور نام پوچھ کر اندر اطلاع کو گئے۔ جب وہاں سے اجازت ملی تب آکر دروازہ کھولا۔ دیکھا بڑا مکان ہے، اور صرف دو ایک آدمی ہیں، نماز پڑھ کر حضرت اپنے پلنگ پر رونق افروز ہوئے، ہم لوگ کرسیوں پر بیٹھے بعدہٗ چار صاحب پہنچے۔

۱۔ مفتی اعظم حضرت مولانا مصطفٰی رضا خان صاحب

۲۔ صدر الشریعہ جناب مولانا امجد علی صاحب

۳۔ جناب مولوی حشمت علی خان صاحب

۴۔ ایک اور کوئی صاحب۔

یہ چاروں صاحب حضرت کے پلنگ کے پاس جو کرسیاں تھیں، ان پر بیٹھ گئے، اعلیٰ حضرت نے ایک گڈی خطوط کی مولانا امجد علی صاحب کو دے کر فرمایا: آج تیس خط آئے تھے، ایک میں نے کھول لیا ہے، یہ انتیس گن لیجئے۔ انہوں نے انتیس گن کر ایک لفافہ کھولا، جس میں کئی ورق پر چند سوالات تھے۔ وہ سب سنائے، حضرت نے پہلے سوال کے جواب میں ایک فقرہ فرمایا۔ وہ لکھ کر پھر حضور! کہتے۔ وہ سلسلہ وار اس کے آگے کا فقرہ فرمایا کرتے۔ اور دوسرے صاحب نے حضور کہنے کے درمیان میں اپنا خط سنانا شروع کیا۔ جب یہ حضور! کہتے، وہ رک جاتے، اور جب یہ فقرہ سن کر لکھنے لگتے، تو وہ اپنا خط سنانے لگتے۔ اسی طرح انہوں نے اپنا خط ختم کیا، اور ان کو بھی انکے پہلے سوال کے متعلق جو فقرہ مناسب تھا، وہ ارشاد فرما دیا، اب دونوں صاحب اپنا اپنا فقرہ ختم کرنے کے بعد حضور! کہتے اور جواب ملنے پر لکھنا شروع کرتے۔ اسی حالت میں ان دو حضور حضور سے جتنا وقت بچتا، اس میں تیسرے صاحب نے اپنا خط سنانا شروع کیا۔ اور اسی طرح ختم کر کے جواب لکھنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر مجھے حقیقۃً پسینہ آ گیا۔ اور ایک صاحب جو میرے قریب بیٹھے تھے، اسی حالت میں کچھ مسئلے پوچھے، جنہیں سن کر مجھے بہت ملال ہوا اور غصہ ہوا کہ اس شخص کو ایسی حالت میں سوال کرنے کا کچھ خیال نہیں۔ مگر اعلیٰ حضرت نے ذرہ بھر بھی ملال نہ فرمایا، اور بہت اطمینان سے ان کو بھی برابر جواب دیئے۔ (میں نے اپنی عمر میں ایسے حافظے کا کوئی شخص نہیں دیکھا) اسی طرح وہ انتیس خط پورے کئے گئے، اور معلوم ہوا کہ ڈاکٹروں نے کام اور بات کرنے کو منع کرنے کے جواب میں حضرت نے صرف یہ مان لیا تھا کہ شب کو اپنے ہاتھ سے تحریر نہ فرمائیں گے۔ اس کا یہ اہتمام تھا، اور دن بھر خود تحریر فرمایا کرتے تھے۔ اور اس قدر جلد تحریر فرماتے تھے کہ کئی شخصوں کو اعلیٰ حضرت کے ایک دن کے لکھے کی نقل کرنا دشوار ہوتا، اور شب کو اسی طرح کام کیا جاتا تھا۔

(ق ۳۶،۳۷)

مولانا سید محمد صاحب کچھوچھوی کا بیان ہے کہ جب دار الافتاء میں کام کرنے کے سلسلے میں میرا بریلی شریف میں قیام تھا، تو رات دن ایسے واقعات سامنے آتے تھے کہ اعلیٰ حضرت کی حاضر جوابی سے لوگ حیران ہو جاتے، ان حاضر جوابیوں میں حیرت میں ڈال دینے والے واقعات وہ علمی حاضر جوابی تھی، جس کی مثال سنی بھی نہیں گئی۔ مثلاً استفتاء آیا، دار الافتاء میں کام کرنے والوں نے پڑھا، اور ایسا معلوم ہوا کہ نئے قسم کا حادثہ دریافت کیا گیا، اور جواب جزیہ کی شکل میں نہ مل سکے گا، فقہا کے اصول عامہ سے استنباط کرنا پڑے گا۔ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کیا: عجب

نئے نئے قسم کے سوالات آرہے ہیں۔اب ہم لوگ کیا طریقہ اختیار کریں؟فرمایا: یہ تو بڑا پرانا سوال ہے۔ابن ہمام نے فتح القدیر کے فلاں صفحہ میں، ابن عابدین نے ردالمحتار کی فلاں جلد اور فلاں صفحہ پر، فتاوٰی ہندیہ میں، خیریہ میں، یہ یہ عبارت صاف صاف موجود ہے۔اب جو کتابوں کو کھولا تو صفحہ، سطر، اور بتائی ہوئی عبارت میں ایک نقطہ کا فرق نہیں۔اب خداداد فضل وکمال نے علماء کو ہمیشہ حیرت میں رکھا۔

ایک مرتبہ پندرہ بطن کا مناسخہ آیا۔چونکہ اعلیٰ حضرت کی رائے میں مولانا سید محمد صاحب نے فن حساب کی تکمیل باضابطہ کی تھی، اور آنہ پائی کا حساب بالکل آسانی سے کرتے تھے، لہٰذا یہ مناسخہ انہیں کے سپرد کیا گیا۔مولانا سید محمد صاحب کا بیان ہے کہ ان کا سارا دن اسی مناسخہ کے حل کرنے میں لگ گیا۔شام کو اعلیٰ حضرت کی عادتِ کریمہ کے مطابق جب بعد نماز عصر پھاٹک میں نشست ہوئی اور فتاوے پیش کئے جانے لگے، تو میں نے بھی اپنا قلم بند کیا ہوا جواب اس امید کے ساتھ پیش کیا کہ آج اعلیٰ حضرت کی داد لوں گا۔پہلے استفتاء سنایا۔

فلاں مرا، اور اتنے وارث چھوڑے، اور پھر فلاں مرا، اور اتنے چھوڑے۔غرض پندرہ موت واقع ہونے کے بعد زندوں پر ان کے حق شرعی کے مطابق ترکہ تقسیم کرنا تھا۔مرنے والے تو پندرہ تھے، مگر زندہ وارث کی تعداد پچاس سے اوپر تھی۔استفتاء ختم ہوا کہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ آپ نے فلاں کو اتنا، فلاں کو اتنا حصہ دیا۔

اس وقت کا میرا حال دنیا کی کوئی لغت ظاہر نہیں کرسکتی۔علوم اور معارف کی یہ غیر معمولی حاضر جوابیاں جس کی کوئی مثال سننے میں نہیں آئی۔

(ق ۶۵،۶۶)

مولوی محمد حسین میرٹھی کا بیان ہے کہ میرے بریلی قیام کے زمانہ میں حضرت کا ماء الجبن ہوا۔جس میں بیس مسہل ہوتے ہیں۔مگر کام مسلسل جاری رہا۔عزیزوں نے یہ دیکھ کر منع کیا، مگر نہ مانے۔انہوں نے طبیب صاحب سے کہا کہ مسہل کے دن بھی برابر لکھتے ہیں، اور قریب بیس مسہل ہوں گے۔آنکھوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔طبیب صاحب نے بہت سمجھایا تو یہ ارشاد فرمایا: اچھا مسہل کے دن میں خود نہیں لکھوں گا۔دوسروں سے لکھوالیا کروں گا، اور غیر مسہل کے دن میں خود لکھوں گا۔طبیب صاحب نے کہا، اس کو غنیمت سمجھو۔بس کا یہ انتظام کیا گیا کہ ایک مکان میں چند الماریاں لگا کر اس میں کتابیں رکھ دی گئیں۔مسہل کے دن حضرت اس مکان میں تشریف لے گئے اور صرف دن میں، دروازہ بند کردیا گیا۔اب جو فتوٰی لکھنا ہوتا، اس پر کچھ مضمون لکھا کر مجھ سے فرماتے کہ الماری میں سے فلاں جلد نکال لو۔اکثر کتابیں مصری ٹائپ کی کئی کئی جلدوں میں تھیں، مجھ سے فرماتے، اتنے صفحے لوٹ لو، اور فلاں صفحہ پر اتنی سطروں کے بعد یہ مضمون شروع ہوا ہے، اسے نقل کردو۔

میں وہ فقرہ دیکھ کر پورا مضمون لکھتا، اور سخت متحیر ہوتا کہ وہ کون سا وقت ملا تھا کہ جس میں صفحہ اور سطر گن گن کر رکھے گئے تھے۔غرضیکہ ان کا حافظہ اور دماغی باتیں ہم لوگوں کی سمجھ سے باہر تھیں۔

جامع حالات فقیر ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت ایک مرتبہ پیلی بھیت تشریف لے گئے اور حضرت استاذی مولانا وصی احمد محدث سورتی قدس سرہٗ کے مہمان ہوئے۔اثنائے گفتگو میں عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ کا ذکر نکلا۔حضرت محدث سورتی صاحب نے فرمایا: میرے کتب خانہ میں ہے۔اتفاق وقت باوجود کہ اعلیٰ حضرت کے کتب خانہ میں کتابوں کا کافی ذخیرہ تھا، اور ہر سال معقول رقم کی نئی نئی کتابیں آیا کرتی تھیں۔مگر اس وقت تک عقود الدریہ منگوانے کا اتفاق نہ ہوا تھا، اعلیٰ حضرت نے فرمایا: میں نے نہیں دیکھی ہے، جاتے وقت میرے ساتھ کردیجئے گا۔اس لئے کہ آپ کے یہاں تو بہت کتابیں ہیں، میرے پاس گنتی کی چند کتابیں ہیں، جن سے فتوٰی دیا کرتا ہوں۔اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اچھا۔اعلیٰ حضرت کا قصد اسی دن واپسی کا تھا، مگر اعلیٰ حضرت کے ایک جاں نثار مرید نے حضرت کی دعوت کی، اس وجہ سے رک جانا پڑا۔شب کو اعلیٰ حضرت نے عقود الدریہ کو جو ایک ضخیم کتاب دو جلدوں میں تھی، ملاحظہ فرمالیا۔دوسرے دن دوپہر کے بعد ظہر کی نماز پڑھ کر گاڑی کا وقت تھا۔بریلی شریف روانگی کا قصد فرمایا۔جب اسباب درست کیا جانے لگا تو عقود الدریہ کو بجائے سامان میں رکھنے کے فرمایا کہ محدث صاحب کو دے آؤ۔مجھے تعجب ہوا کہ قصد لے جانے کا تھا، واپس کیوں فرمارہے ہیں؟ لیکن کچھ بولنے کی ہمت نہ ہوئی۔حضرت محدث سورتی صاحب کی خدمت میں میں نے حاضر کیا۔وہ اعلیٰ حضرت سے ملنے اور اسٹیشن تک ساتھ جانے کے لئے زنانہ مکان سے تشریف لا ہی رہے تھے کہ میں نے اعلیٰ حضرت کا ارشاد فرمایا ہوا جملہ عرض کیا۔فرمایا: (تم کتاب لئے میرے ساتھ واپس چلو) میں اس کتاب کو لئے ہوئے حضرت محدث صاحب کے ساتھ واپس ہوا۔حضرت محدث صاحب نے (اعلیٰ حضرت) سے فرمایا کہ میرے اس کہنے کا "جب ملاحظہ فرمالیں تو بھیج دیجئے گا" ملال ہوا کہ اس کتاب کو واپس کیا، فرمایا: قصد بریلی ساتھ لے جانے کا تھا، اور اگر کل ہی جاتا تو اس کتاب کو ساتھ لیتا جاتا، لیکن جب کل جانا نہ ہوا تو شب میں اور صبح کے وقت پوری کتاب دیکھ لی اب لے جانے کی ضرورت نہ رہی۔حضرت محدث سورتی صاحب نے فرمایا: بس ایک مرتبہ دیکھ لینا کافی ہوگیا؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ دو تین مہینے تک تو جہاں کی عبارت کی ضرورت ہوگی، فتاوٰی میں لکھ دوں گا اور مضمون تو ان شاء اللہ عزوجل عمر بھر کے لئے محفوظ ہوگیا۔ (ق ۳۸،۳۹)

تبحر علمی

حضرت سید شاہ اسمٰعیل حسن میاں صاحب کا بیان ہے کہ ایک بار بزمانہ عرس حضرت جدی شاہ برکت اللہ قدس سرہٗ درگاہ معلٰی میں، میاں جی صاحب کے مکتب کے متصل کوٹھری میں، جہاں ہماری ہمشیرہ والدہ مسعود حسن کی اب قبر ہے، مولانا تشریف فرما تھے۔ ہم نے مولانا عبدالمجید صاحب بدایونی کا شجرہ عربی درود شریف میں دکھایا، اور کہا کہ ہمارا شجرہ بھی عربی میں درود شریف میں لکھ دیجئے۔ اسی وقت میاں صاحب بھائی مرحوم کے قلم دان سے قلم لے کر قلم برداشتہ بغیر کوئی مسودہ کئے ہوئے ہمارے وظیفہ کی کتاب پر نہایت خوش خط اور اعلیٰ درجہ کے مرصع و مسجع صیغۂ درود شریف میں شجرۂ قادریہ برکاتیہ جدیدہ تحریر فرمایا، اور پھر اسے حضرت میاں صاحب بھائی کی کتاب پر بھی نقل فرمادیا۔

فقیر جامع حالات غفرلہ کہتا ہے کہ اس شجرۂ صلاتیہ کی نقل، بیعت وارشاد، کے ضمن میں جہاں شجرۂ طیبہ کا ذکر ہے، ثبت ہے۔ یہ واقعہ محرم الحرام ۱۳۰۵ھ روز جمعہ کا ہے۔

جناب عبدالرحیم خان صاحب قادری رضوی سلطان پوری کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں میں دہلی میں تھا، حضرت مولانا شاہ کرامت اللہ خان صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ ایک دن اعلیٰ حضرت کے ذکر مبارک پر انہوں نے فرمایا کہ مولانا احمد رضا خان صاحب کی وہ ہستی ہے کہ علماء ہر باب میں ان کے محتاج ہیں۔ علمی تبحر کا کمال یہ ہے کہ کوئی کتاب تصنیف فرمائیں، اور چار منشی لکھنے کو بیٹھ جائیں، تو جس قدر وہ تصنیف فرمائیں گے، یہ چاروں حضرات نقل نہ کرسکیں گے۔ حضرت سید شاہ اسماعیل حسن میاں صاحب کا بیان ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب کا حسن ادب بارگاہِ رسالت میں اس قدر تھا کہ ایک درود میں لفظ حسین وزاہد تھا۔ آپ نے اس کو اپنے ہاتھ سے نقل کرنا بھی پسند نہیں کیا۔ بلکہ نہایت لطافت کے ساتھ اسے وہاں اس طرح استعمال فرمایا ہے کہ یہی صیغہ تصغیر حضور اقدس (ﷺ) کی عظمتِ شان ظاہر کررہا ہے۔

جامع حالات غفرلہ کہتا ہے کہ درود شریف کی عبارت یہ ہے۔

اللھم صل وسلم وبارک علیٰ سیدنا و مولانا محمد ن المصطفی رفیع الشان ، المرتضیٰ علی شان، الذی رجیل من امتہ خیر من رجال السابقین وحسین فی زمرتہ حسن من کذا و کذا(۱)، حسنا من السابقین

حضرت سید شاہ اسماعیل حسن میاں صاحب کا بیان ہے کہ مولانا کو علم تکسیر کی تشویق وتحریک کا سبب میں ہوا۔ اس کے بہت تذکرے کرتا، کتابیں دکھاتا، ایک بار کسی خاندانی کتاب میں ایک نیا وفق، سپر مرتضوی، نظر سے گزرا، مولانا کو بھی دکھایا، اس کے قاعدے کی تشریح وتوضیح میں کچھ گفتگو رہی۔ مولانا نے وہ کتاب رکھ لی، اور ایک دو روز کے بعد ایک مفصل رسالہ میں اس وفق کے بہت سے صور اور اس کے لئے کئی ضابطے کا یہ مفصل و مشرح (رسالہ) تحریر فرماکر مجھے دے دیا، جو میرے پاس بفضلہٖ تعالیٰ اس وقت بھی محفوظ ہے۔

جامع حالات فقیر ظفرالدین قادری رضوی غفرلہ عرض کرتا ہے کہ اس رسالہ کی نقل فن تکسیر میں مہارت کے بیان میں ہوگی۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں اور اعلیٰ حضرت کی خداداد قابلیت وجامعیت کا اندازہ کریں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم

حضرت سید شاہ اسماعیل حسن میاں صاحب کا بیان ہے ایک بار کسی نماز کی دو رکعتوں میں آخر سورہ کی چند آیتیں پڑھیں۔ بعد ختم نماز کے میں نے کہا کہ مولانا یہ مکروہ ہے۔ اس وقت خاموش رہے، پھر فرمایا: بے شک فلاں کتاب میں یہ صورت مکروہ ہے۔ مگر فلاں فلاں معتمد نے اسے جائز غیر مکروہ بتایا ہے۔ کتابوں کے نام مولانا نے بتائے تھے، مجھے یاد نہ رہے۔ (ق ۱۳۱،۱۳۲)

مولوی محمد حسین صاحب بریلوی ثم المیرٹھی کا بیان ہے کہ میرٹھ کے ایک بہت بڑے رئیس اور بڑے دین دار، جنہوں نے ۱۱، حج کئے، جناب حاجی علاء الدین صاحب نے اپنی کوٹھی میں بالاخانہ بنایا، اور اس دیوار پر جو کوٹھی میں مسجد کی جانب تھی، دیوار بلند کی۔ بعدہٗ یہ خیال ہوا کہ یہ دیوار کہیں مسجد کی نہ ہو۔ یہاں کے علماء سے تحقیقات کے بعد مجھ سے فرمایا کہ میں اعلیٰ حضرت سے اس کی تحقیق کرنا چاہتا ہوں۔ میرا ان سے تعارف نہیں ہے۔ آپ میرے ہمراہ چلئے۔ میں ان کے ہمراہ بریلی گیا، وہ اسٹیشن پر ایک ہوٹل میں مقیم ہوئے۔ اور شب کو وہاں حاضر ہوئے۔ حضرت بعد عشاء کچھ دیر تشریف رکھتے۔ حضرت نے دریافت فرمایا کہ آپ کے خطوط آتے ہیں، ان میں ٹکٹ زیادہ لگے ہوتے ہیں۔ حالانکہ (۱۰) میں لفافہ آتا ہے۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ حضور اکے ٹکٹ تو عام لوگوں کے خطوط میں لگائے جاتے ہیں۔ فرمایا کہ بلاوجہ نصاریٰ کو روپیہ پہنچانا کیسا؟ حاجی صاحب نے تسلیم کیا اور چھوڑنے کا وعدہ کیا۔ پھر حاجی صاحب نے ایک مسئلہ ہیئت کا دریافت کیا۔ فرمایا: ان سبھوں میں جو سب سے پہلی قسم ہے اس کی بیس قسمیں ہیں۔ پہلی کا نام یہ، دوسری کا یہ، تیسری کا یہ، اسی طرح بیسوں کا نام نمبروار بتایا۔ پھر فرمایا: ان بیس میں جو سب سے پہلے ہے اس کی چالیس قسمیں ہیں۔ اتنا سن کر حاجی صاحب نے عرض کیا میں سب کو معلوم نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ اس ترتیب سے بتانے پر اس قدر حیرت ہوتی ہے کہ گویا

مسئلہ ملاحظہ فرما کر تشریف لائے تھے۔ پھر مسجد کی دیوار کا تذکرہ ہوا۔ فرمایا کہ اس دیوار میں کوٹھی کی جانب طاق ہیں، یا مسجد کی جانب؟ حاجی صاحب نے فرمایا: کوٹھی کی طرف ۔ فرمایا کہ یہ دیوار کوٹھی کی ہے۔ مگر اس پر دیوار بلند کرنے میں مسجد کے منارے دب گئے ہوگے، ان کو بلند کرنا چاہیئے ۔ چنانچہ حاجی صاحب نے آتے ہی بلند کرادیئے۔ (ق۔۱۴۰)

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک بار امام اہلسنت مسلم الثبوت مطالعہ فرمارہے تھے کہ حضرت کے والد ماجد کا تحریر کیا ہوا اعتراض و جواب نظر پڑا۔ جو رئیس الاتقیاء صاحب نے صاحب مسلم الثبوت پر کیا تھا، اور اس کا جواب دیا تھا۔ امام اہلِ سنت نے اس اعتراض کو دفع فرمایا اور متن کی ایسی تحقیق فرمائی کہ سرے سے اعتراض وارد ہی نہ تھا۔ جب پڑھنے کے واسطے حضرت والد ماجد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو حضرت کی نظر امام اہلسنت کے حاشیہ پر پڑی۔ اتنی مسرت ہوئی کہ اٹھ کر سینے سے لگالیا اور فرمایا: احمد رضا! تم مجھ سے پڑھتے نہیں ہو، بلکہ تم مجھ کو پڑھاتے ہو۔ پھر اعلیٰ حضرت کے ابتدائی استاذ مکرم جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب سے فرمایا کہ آپ کا شاگرد احمد رضا مجھ سے پڑھتا نہیں، بلکہ مجھ کو پڑھاتا ہے۔ (ق۔۱۳۷)

جامع حالات فقیر ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ کہتا ہے کہ مسلم الثبوت کا قلمی نسخہ مُعَرّیٰ، جسے اعلیٰ حضرت نے اپنے پڑھنے کے زمانہ میں محشی کیا تھا، اس پر کہیں کہیں اعلیٰ حضرت کے والد ماجد قدس سرہٗ کا بھی حاشیہ تھا۔ ۱۳۲۴ھ میں جب میں اپنے استاذ محترم جناب مولانا سید بشیر احمد صاحب علی گڑھی تلمیذ رشید حضرت استاذ الاساتذہ مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی سے مسلم الثبوت پڑھتا تھا۔ میرے مطالعہ میں رہتا تھا، حالانکہ اس زمانہ میں مسلم الثبوت محشی مطبع مجتبائی دہلی کے علاوہ شرح مسلم الثبوت علامہ بحر العلوم مسمّی بہ فراتح الرحموت وشرح مسلم علامہ عبدالحق خیر آبادی وشرح مسلم مولانا بشیر حسن مسمّی بہ کشف المبہم بھی تھی۔ بلکہ ان سب سے مزید مجموعہ مطبوعہ مصر مختصر علامہ ابن حاجب اور اس کی شرح عقدیہ اور حواشی بردی وغیرہ کہ اس زمانہ میں چھپی تھی، جو اصل اور ماخذ مسلم الثبوت کا ہے۔ یہ سب کتابیں میرے مطالعہ میں تھیں۔ لیکن اعلیٰ حضرت کے حاشیہ مبارک کی شان ہی کچھ اور تھی۔ اسی طرح میرے بخاری شریف پڑھنے کے زمانے میں مصری بخاری محشی بحاشیۂ سندھی کے علاوہ جناب مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری کے تحشیہ والی بخاری، بلکہ شروح بخاری میں عینی، فتح الباری، ارشاد الساری، سب کتابیں تھیں۔ لیکن اعلیٰ حضرت کا نسخہ قلمی بخاری شریف جس میں اعلیٰ حضرت نے پڑھا تھا، اور اپنے پڑھنے کے زمانہ میں معرّیٰ سے محشی کیا تھا۔ اس کے مضامین وافادات ونکات کی لطافت کا رنگ ہی اور تھا۔ اور پھر لطف یہ کہ جو کچھ تحریر فرمایا تھا، سب ذہن رسا کی جودت وجدت تھی۔ عام محشین کی طرح نہیں، کہ **عنایہ، بنایہ، نہایہ، کفایہ، فتح القدیر وغیرہ سے ہدایہ، شرح وقایہ** (پر) حاشیہ لکھ ڈالا۔

اگرچہ یہ خدمت بھی بہت ہی قابل ستائش اور طلبہ ومدرسین کی بہت شکر گزاری کا باعث ہے، مگر ان دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ مجھے شیر بیشۂ اہلسنت، ناصر دین وملت، سیف اللہ المسلول مولانا ابوالوقت شاہ محمد ہدایت الرسول صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقولہ نہیں بھولتا، بلکہ ہر وقت یاد آتا ہے۔ جب میں نے اعلیٰ حضرت اور بعض معاصرین اعلیٰ حضرت محشی کتب کثیرہ درسیہ میں فرق دریافت کیا تھا۔ فرمایا: میاں ان دونوں کیا کیا مقابلہ؟ اعلیٰ حضرت کے حواشی خود ان کے افاضات وافادات ہوتے ہیں۔ اور ان کی مثال وہی ہے، بیٹھا بنیا کیا کرے اِس کوٹھی کا دھان اُس کوٹھی میں، اُس کوٹھی کا دھان اِس کوٹھی میں، کسی کتاب کی چند شرحیں، چند حواشی آگے رکھ کر کچھ اس سے کچھ اُس سے لے کر ایک شرح لکھ ڈالی۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ بعد نماز جمعہ حضور پھاٹک میں تشریف فرما ہیں، حاضرین کا مجمع ہے، لوگ مسائل پوچھتے جاتے ہیں، حضور جواب دیتے جارہے ہیں۔ اس وقت جناب سید محمود خان صاحب قادری برکاتی نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عرض کرتے ہیں۔ حضور! میں دیکھتا ہوں کہ ہر مسئلہ کا جواب آپ کی نوک زبان پر ہے، کبھی کسی مسئلہ کی نسبت حضور کو یہ فرماتے نہ سنا کہ کتاب دیکھ کر جواب دیا جائے گا۔ یہ سن کر حضور کسی قدر آبدیدہ ہوئے، اور ارشاد فرمایا: سید صاحب! قبر میں مجھ سے ہر مسئلہ کی نسبت سوال ہوگا کہ اس میں تیرا کیا عقیدہ ہے؟ تو وہاں کتابیں کہاں سے لاؤں گا۔ (ق۔۱۳۷،۱۳۸)

ریاضی دانی :

مولوی محمد حسین صاحب بریلوی ثم المیرٹھی موجد طلسمی پریس کا بیان ہے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر، جنھوں نے ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں تعلیم پائی تھی، اور ریاضی میں کمال حاصل کیا تھا، اور ہندوستان میں کافی شہرت رکھتے تھے۔ اتفاق سے انکو ریاضی کے کسی مسئلے میں اشتباہ ہوا، ہر چند کوشش کی مگر مسئلہ حل نہ ہوا۔ چونکہ صاحب حیثیت تھے اور علم کے شائق، اس لئے قصد کیا کہ جرمن جاکر اس کو حل کریں۔ حسنِ اتفاق سے جناب مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری پروفیسر دینیات مسلم یونیورسٹی سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ آپ بریلی جاکر اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب سے دریافت کیجئے، وہ ضرور حل کردیں گے۔ ان صاحب نے کہا: مولانا! یہ آپ کیا فرمارہے ہیں؟ کہاں کہاں تعلیم پاکر میں آیا ہوں، اور حل نہیں کرسکا؛ اور آپ ان صاحب کا نام لیتے ہیں جو غیر ممالک تو کجا، اپنے شہر کے کالج میں بھی تعلیم حاصل نہ کی۔

بھلا ان سے یا معلوم ہو سکتا ہے؟ دو چار دن کے بعد مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے ان کو پریشان دیکھ کر پھر یہی مشورہ دیا۔ پھر ان صاحب نے وہی جواب دیا، اور سفر یورپ کا سامان شروع کر دیا۔ مولانا موصوف نے پھر ان سے فرمایا، تو غصہ میں بھرے لہجہ میں کہا کہ مولانا! عقل بھی کوئی چیز ہے، آپ مجھ کو کیا رائے دیتے ہیں؟ اس پر مولانا نے فرمایا: آخر اس میں حرج ہی کیا ہے؟ اتنے بڑے سفر کے مقابلے میں بریلی جانا تو کوئی چیز نہیں۔ سیدھی گاڑی جاتی ہے، کتنے گھنٹے کا سفر ہے؟ آپ ہو تو آئیے۔

جامع حالات فقیر ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ المولی القوی کہتا ہے کہ میرے قیام بریلی شریف کا زمانہ ہے یعنی ۱۳۲۹ھ کے قبل، ایک مرتبہ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب نے علم المربعات کا ایک سوال اخبار دبدبہ سکندری رامپور میں شائع کیا کہ کوئی ریاضی دان صاحب اس کا جواب دیں۔ اخبار دبدبہ سکندری اعلیٰ حضرت کے یہاں آتا تھا۔ اور مدیران اخبار مذکور کو جو خلوص وعقیدت اعلیٰ حضرت اور ان کے وابستگان کے ساتھ ہے، مجھے یقین ہے کہ اب تک ضرور آتا ہوگا۔ خیر! بہر کیف اعلیٰ حضرت نے جب اس سوال کو ملاحظہ فرمایا تو اس کا جواب تحریر فرمایا، اور ساتھ ساتھ اسی کا ایک سوال بھی جواب کے لئے تحریر فرمایا اور مجھے حکم ہوا کہ اس کی ایک نقل رکھ لی جائے۔ میں اس زمانہ میں اعلیٰ حضرت کا رسالہ الموہبات فی المربعات نقل کر رہا تھا۔ اس لئے کچھ دلچسپی تھی۔ جب وہ جواب اور پھر سوال اخبار میں چھپا، تو ڈاکٹر صاحب موصوف کی نظر سے گزرا۔ ان کو حیرت ہوئی کہ ایک عالم دین بھی اس علم کو جانتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے اس کا جواب اخبار دبدبہ سکندری میں چھپوایا۔ اتفاق وقت کہ وہ جواب غلط تھا، اعلیٰ حضرت نے اس کی تغلیط کی۔ متحیر تو ڈاکٹر صاحب پہلے ہی تھے، اب ان کو سخت تعجب ہوا کہ ایک عالم دین صرف جانتا ہی نہیں بلکہ اس میں کمال رکھتا ہے۔ یہ دیکھ کر ڈاکٹر صاحب کو اعلیٰ حضرت سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا، اور علی گڑھ میں اپنے احباب کے حلقہ میں اس کا تذکرہ کیا۔ لوگوں نے منع کیا کہ ہرگز مت جائیے۔ وہ بہت ہی سخت مولوی ہیں۔ اور آپ ہی علی گڑھی، داڑھی منڈے۔ مولانا آپ سے بات بھی نہ کریں گے۔ لیکن انہوں نے اپنا ارادہ نہ بدلا اور جناب مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری سے (کہ بڑے زبردست سنی اور اعلیٰ حضرت کے ہم خیال و ہم عقیدہ عالم اس زمانہ میں وہاں پروفیسر دینیات تھے) مشورہ کیا۔ انھوں نے بہت زبردست طریقہ سے نہ صرف مشورہ دیا، بلکہ بہت زور دیا، اور فرمایا کہ ضرور جائیے۔ مخالفین نے اعلیٰ حضرت کو مشہور کر رکھا ہے کہ وہ بہت سخت ہیں، تیز مزاج ہیں، آپ ان سے مل کر بہت خوش ہوں گے، اور ان کا اخلاق دیکھ کر تعجب کریں گے۔ یہ مشورہ دے کر ایک خط احتیاطاً حضرت صاحبزادہ اکبر مولانا شاہ حامد رضا خان صاحب حجۃ الاسلام کے نام لکھ دیا کہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین صاحب ایک مسئلہ ریاضی کے سلسلہ میں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں' ان کی حسب شان خاطر داری ہونی چاہیئے۔ جناب مولانا سید سلیمان اشرف صاحب کا خیال تھا کہ جب اس غرض سے جاتے ہیں، تو اعلیٰ حضرت ہی کے یہاں ٹھہریں گے۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ کسور اعشاریہ متوالیہ میں نصاریٰ تیسری قوت سے زیادہ کا سوال حل کرنے سے قاصر ہیں۔ چنانچہ فقیر کو بھی اسی قدر واقفیت تھی، مگر حضور نے ارشاد فرمایا کہ مجھے جس وقت کا سوال دیا جائے، حل کر دوں گا۔ اس کے بعد مجھے اور برادرم قناعت علی کو وہ قاعدہ تفہیم فرما کر چار مثالیں بھی حل کرا دیں۔

اس کے بعد ہی ایک خط جناب سید سلیمان اشرف صاحب بہاری پروفیسر دینیات علی گڑھ کالج کا حضور کی خدمت میں بایں مضمون آتا ہے کہ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب جو ریاضی میں تقریباً ہر ولایت کی ڈگریاں اور تمغہ جات حاصل کئے ہوئے ہیں، عرصہ سے حضور کی ملاقات کے مشتاق ہیں۔ چونکہ ایک جنٹل میں انگریزی وضع قطع کے آدمی ہیں۔ اس لئے آتے ہوئے جھجکتے ہیں۔ مگر اب میرے کہنے اور اپنے اشتیاق ملاقات سے آمادگی ظاہر کی ہے۔ قیام نواب ضمیر احمد صاحب کے بنگلہ پر ہوگا۔ لہٰذا اگر وہ پہنچیں، تو انہیں باریابی کا موقع دیا جائے۔ حضور نے مولانا صاحب کو جواب دیا کہ وہ بلا تکلف تشریف لے آئیں، فقیر منتظر رہے گا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ بدایونی مقدمہ چل رہا تھا، دو چار روز کے بعد ڈاکٹر صاحب نے نواب صاحب کے بنگلہ سے اطلاع دی کہ میں پانچ بجے حاضر خدمت ہوں گا۔ چنانچہ وقتِ مقررہ پر موٹر آگیا، ہم دونوں اس وقت موجود تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو اندر بلا لیا گیا۔ شاید نماز عصر ہونے والی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی وضو کیا، اور موزوں پر مسح کیا، مگر نماز پڑھنے کے وقت موزے اتار ڈالے۔ لہٰذا اعلیٰ حضرت نے ان سے پھر پیروں کو دھلوایا۔ بعد نماز کچھ باہمی گفتگو رہی۔ حضور نے اپنا ایک قلمی رسالہ جس میں اکثر اشکال مثلث اور دوائر کے بنے تھے، ڈاکٹر صاحب کو دکھایا۔ ہم لوگوں نے دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب نہایت حیرت واستعجاب سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اور بالآخر فرمایا: میں نے اس علم کو حاصل کرنے میں غیر ممالک کے اکثر سفر کئے، مگر یہ باتیں کہیں بھی حاصل نہ ہوئیں۔ میں تو اپنے آپ کو بالکل طفل مکتب سمجھ رہا ہوں۔ مولانا! یہ تو فرمائیے کہ آپ کا اس فن میں استاد کون ہے؟ حضور نے ارشاد فرمایا: میرا کوئی استاد نہیں ہے۔ میں نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ سے صرف چار قاعدے جمع، تفریق، ضرب، تقسیم محض اس لئے سیکھے تھے کہ ترکہ کے مسائل میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ شرح چغمینی شروع کی تھی کہ حضرت والد ماجد نے فرمایا: کیوں اپنا وقت اس میں صرف کرتے ہو؟ مصطفیٰ پیارے (ﷺ) کی سرکار سے یہ تم کو خود ہی سکھا دیئے جائیں گے۔ چنانچہ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں، مکان کی چار دیواری کے اندر بیٹھا خود ہی کرتا رہتا ہوں۔ یہ سب سرکار رسالت (ﷺ) کا کرم ہے۔ اس کے بعد کسور اعشاریہ متوالیہ کی قوت کا تذکرہ آیا۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی وہی فرمایا کہ تیسری قوت تک ہے۔ اس پر حضور نے میرے اور قناعت علی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ

میرے یہ دو بچے بیٹھے ہیں۔ انہیں جس قوت کا آپ سوال دے دیں، یہ حل کر دیں گے۔ ڈاکٹر صاحب متحیر ہو کر ہم دونوں کو دیکھنے لگے۔
پھر ڈاکٹر صاحب نے دریافت کیا کہ حضور اس کا کیا سبب ہے کہ آفتاب حقیقۃً طلوع نہیں ہوا ہے، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طلوع ہو گیا۔ اس کا جواب علمی اصطلاحات میں حضور نے دیا۔ جسے فقیر بیان کرنے سے قاصر ہے۔ (۱۵) ہاں! جو مثال بیان فرمائی، وہ یہ تھی کہ:
کسی بند کمرے میں جھروکوں سے اگر روشنی پہونچتی ہو، تو باہر کے چلنے پھرنے والوں کا سایہ الٹا نظر آتا ہے۔ یعنی سر نیچے، پاؤں اوپر، اس کے علاوہ اور مشاہدہ کیجئے۔
حاجی کفایت اللہ صاحب سے فرمایا: حاجی صاحب! ایک طشت میں تھوڑا سا پانی ڈال کر ایک روپیہ اس میں ڈال دو۔ انہوں نے فوراً تعمیل کی۔ اب حضور نے ڈاکٹر صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: آپ کھڑے ہو کر دیکھئے کہ برتن میں روپیہ نظر آرہا ہے یا نہیں؟ انہوں نے کچھ فاصلہ سے دیکھ کر عرض کیا: ہاں! نظر آرہا ہے۔ فرمایا: ذرا اور پیچھے ہٹ آیئے۔ وہ کچھ پیچھے ہٹ آئے اور فرمایا: اب دکھائی نہیں دیتا ہے۔ حضور نے حاجی صاحب کو اشارہ کیا۔ انہوں نے تھوڑا سا پانی برتن میں ڈال دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: اب نظر آنے لگا۔ فرمایا: اور دو قدم پیچھے کو آجایئے۔ پھر روپیہ نظر سے غائب تھا۔ حاجی صاحب نے اور پانی ڈالا، روپیہ پھر نمایاں تھا.......... بعدہٗ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:
افسوس یہ ہے کہ میں عربی سے ناواقف ہوں اور آپ انگریزی سے۔ کیا اچھا ہوتا کہ عربی کتب کا ترجمہ اردو میں ہو جاتا۔ پھر میں انگریزی کر کے شائع کر دیتا۔
اور فرمایا: میرے یہاں کالج کی لائبریری میں ایک کتاب عربی میں ہے، جس کا وجود دنیا میں معدودے چند نسخوں پر ہے۔ یعنی ایک تو میرے یہاں، اور ایک ایک جلد، انگلینڈ، گرینچ، بھوپال، ریاست رام پور میں، اور ایک نسخہ قسطنطنیہ میں ہے۔ ویسے میں چاہتا ہوں کہ اس کا ترجمہ انگریزی میں ہو جاتا۔ لہٰذا اگر حضور فرمائیں تو میں ایک مولوی صاحب کو وہ کتاب دے کر خدمتِ والا میں بھیج دوں۔ تاکہ وہ حضور سے آکر سمجھ لیں۔ پھر ان سے سمجھ لوں گا۔
حضور نے فرمایا: بہتر ہے.......... اس کے بعد ڈاکٹر صاحب تشریف لے گئے۔ حضور نے کچھ مٹھائی تازہ موٹر میں رکھوا دی۔ چند روز کے بعد ڈاکٹر صاحب کے فرستادہ مولوی صاحب وہ کتاب لے کر آئے، اور حضور سے پڑھنا شروع کیا۔ ہماری آنکھیں شاہد ہیں کہ حضور اس کمیاب بلکہ نایاب کتاب کو بغیر دیکھے بے تکلف مولوی صاحب کو اس طرح سمجھاتے جاتے، جیسے حضور نے اس کو بار ہا پڑھایا ہے۔ یہ بھی دیکھا کہ مولوی صاحب پڑھ رہے ہیں، اور حضور پیش پیش فرماتے جاتے ہیں کہ اسکے بعد یہ ہونا چاہیئے، اس کے بعد یہ باب ہوگا۔ اور وہی نکلتا، مگر حضور کے سمجھاتے وقت معلوم ایسا ہوتا تھا کہ خالی ہاں ہاں کہنے کے سوا سمجھ میں ان کے کچھ بھی نہیں آرہا ہے۔ غرض مشکل سے تین چار روز رہ کر واپس چلے گئے۔
ان کے جانے کے بعد حضور نے فرمایا کہ مولوی صاحب بیچارے کے سمجھ میں کیا آیا ہوگا؟ اور اگر کچھ ذہن میں آیا بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ بریلی کے اسٹیشن تک۔ علی گڑھ پہنچتے پہنچتے بالکل کورے ہی ہوں گے۔ پھر فرمایا: ڈاکٹر صاحب کے آنے سے پہلے، ایک قسم کا خیال آتا تھا کہ انہوں نے اس علم کے حصول میں اپنی زندگی صرف کر دی ہے، نہ معلوم کیا کیا سوالات کریں گے؟ بخلاف اس کے یہاں تو صدہا مصروفیتیں ہیں، خدا جانے میں جواب بھی دے سکوں گا یا نہیں؟ مگر الحمدللہ پروردگارِ عالم نے ان کی پوری تشفی کرا دی، اور وہ بہت مسرور گئے۔
سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ڈاکٹر صاحب مولانا سلیمان اشرف صاحب کو لے کر مارہرہ شریف پہنچے اور وہاں سے والا درجت جناب سید شاہ مہدی حسن میاں صاحب سجادہ نشین مارہرہ شریف پیرزادۂ اعلیٰ حضرت کو لے کر بریلی شریف پہنچے۔ اعلیٰ حضرت نے حضرت مہدی حسن میاں صاحب کی تعظیم و توقیر شایانِ شان فرمائی، اور جناب مولانا سید سلیمان اشرف صاحب کی بوجہ سیادت تعظیم کی، جناب وائس چانسلر صاحب سے بھی مزاج پرسی فرمائی اور تشریف آوری کی غرض دریافت کی۔ وائس چانسلر صاحب موصوف نے فرمایا کہ میں ریاضی کا ایک مسئلہ دریافت کرنے آیا ہوں۔ ارشاد ہوا: فرمایئے۔ انہوں نے کہا: وہ ایسی بات نہیں ہے، جسے میں اتنی جلدی عرض کر دوں۔ فرمایا: آخر کچھ تو فرمایئے۔ غرض وائس چانسلر صاحب نے سوال پیش کر دیا۔ اعلیٰ حضرت نے سنتے ہی فرمایا کہ اس کا جواب یہ ہے۔ یہ سن کر ان کو حیرت ہوگئی، اور گویا آنکھ سے پردہ اُٹھ گیا، بے اختیار بول اٹھے، میں سنا کرتا تھا کہ علم لدنی بھی کوئی شئی ہے، آج آنکھ سے دیکھ لیا، میں تو اس مسئلہ کے حل کے لئے جرمن جانا چاہتا تھا کہ ہمارے دینیات کے پروفیسر جناب سید سلیمان اشرف صاحب نے میری رہبری فرمائی۔ مجھے جواب سن کر تو ایسا معلوم ہو رہا ہے، گویا جناب اسی مسئلہ کو کتاب میں دیکھ رہے تھے، سنتے ہی فی البدیہ تشفی نہایت اطمینان کا جواب دیا.......... اور بہت شاداں و فرحاں علی گڑھ واپس ہوئے۔
(میں) ۱۳۲۹ھ ہی میں برادر دینی منشی عزیز الدین صاحب قادری رضوی بریلوی مقیم شملہ کی کوشش سے شملہ چلا گیا تھا۔ (اس لئے ذاتی مشاہدہ نہیں) کہ ڈاکٹر صاحب کب گئے اور کیا کیا باتیں ہوئیں؟ تاہم سید ایوب علی صاحب کا بیان زیادہ قابلِ وثوق ہے کہ ڈاکٹر صاحب نواب ضمیر احمد صاحب کے یہاں ٹھہرے، اور ایک وقتِ خاص پر حاضر ہوئے، اور سوالا کئے، اور تشفی بخش جوابات پائے۔

(بہرحال) ڈاکٹر سر ضیاء الدین صاحب کا مسئلہ ریاضی کی تحقیق میں بریلی شریف آنا اور اعلیٰ حضرت سے وہ مسئلہ دریافت کرنا اور اس کا تشفی بخش جواب پانا مسلم، جس میں اصلاً شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

(کیوں کہ میرے قیام شملہ کے دوران ہی) وہ وائس چانسلر صاحب بھی حسنِ اتفاق سے شملہ آئے اور اسپیشل ہوٹل میں مقیم ہوئے، میں وہاں گیا، اور ان سے ملا اور کہا کہ میں ایک امر کی تحقیق وتفتیش آپ سے چاہتا ہوں، فرمایا: کل صبح بعد نماز فجر۔ دوسرے دن سویرے ہی گیا اور ان سے دریافت کیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ریاضی کا کوئی مسئلہ معلوم کرنے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بریلی تشریف لے گئے تھے۔ آپ نے اعلیٰ حضرت کو کیسا پایا؟ فرمایا: بہت ہی خلیق و منکسر المزاج اور ریاضیات اچھی جانتے تھے، باوجودیکہ کسی سے پڑھا نہیں، ان کو علم لدنی تھا۔ میرے سوال کا جو بہت مشکل اور لاحل تھا، ایسا فی البدیہ جواب دیا، گویا اسی مسئلہ پر عرصہ سے ریسرچ کیا ہے۔ اب ہندوستان میں کوئی اور جاننے والا نہیں ہے۔

بریلی سے واپسی ہونے پر پروفیسر صاحب نے داڑھی رکھ لی اور نماز کے بھی پورے پابند ہوگئے۔ **ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم**۔ (ق،۱۵۰،۱۵۷)

ہیئت و توقیت وغیرہ میں کمال :

اوپر بیان ہو کہ اعلیٰ حضرت نے ۱۳ سال ۱۰ ماہ کی عمر میں کتب درسیہ مروجہ سے فاتحہ فراغ حاصل فرمایا۔ اس عمر میں انسان کی جیسی عقل ہوتی ہے، جیسی محبت عام طلبہ کرتے ہیں، خصوصاً ایک رئیس کبیر کے صاحب زادے سے جس محنت کی توقع کی جاسکتی ہے، اس کے مقابلہ میں حضور کی لیاقت، فنی قابلیت جو دیکھی جاتی ہے، تو سوا اس کے کہ اس کا اقرار کیا جائے کہ اعلیٰ حضرت کا علم کسبی نہ تھا، بلکہ محض وہبی، لدنی (تھا) اور کوئی چارہ کار نہیں۔ اور یہ صرف میرا خیال نہیں بلکہ اعلیٰ حضرت کا بھی میرے گمان میں یہی عقیدہ تھا۔ اسی لئے حضور نے اپنے فتاویٰ شریف کا نام العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ رکھا تھا۔ **ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء واللّٰہ ذوالفضل العظیم** اسی لیے نہ صرف فقہ اور دینیات بلکہ جس فن کی طرف توجہ فرمائی اپنے شعر کو سچ کر دکھایا اور حقائق ودقائق کے دریا بہا دیئے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم

جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

علم ہیئت میں اعلیٰ حضرت نے شرح چغمینی حضرت مولانا عبدالعلی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ رامپوری سے پڑھی۔ لیکن اس فن میں ایسا کمال پیدا فرمایا کہ تصریح تشریح چغمینی پر حاشیہ لکھا۔ اس کے مغلق مقامات کو حل فرمایا پھر اعلیٰ حضرت کا کسی کتاب پر حاشیہ لکھا علمائے معاصرین کی طرح نہ تھا کہ کچھ ادھر سے کچھ ادھر سے نقل کیا اور کسی ایک کتاب پر چسپاں کر دیا بقول شخصے

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا　　　بھان متی نے کنبہ جوڑا

بلکہ جو کچھ تحریر فرماتے، اپنے علم اور فیضان الٰہی سے۔ علم ہیأت کو اگر دیکھا جائے، تو سوا چند اصطلاحات جاننے کے فقط اس سے کوئی کار آمد نتیجہ نہیں نکلتا۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت نے ہیات کے ساتھ علم توقیت اور نجوم کی طرف بھی توجہ فرمائی۔ اگر چہ نجوم کی طرف توجہ محض فنی واقفیت اور علمی حیثیت سے زیادہ کبھی اس کو اہمیت نہ دی۔ پھر بھی جب کبھی نجوم کی طرف توجہ فرمائی تو مشاہیر فن کو اعلیٰ حضرت کی بات ماننی پڑی۔

ایک مرتبہ مولوی غلام حسین صاحب یعنی مولوی محمد حسین صاحب بریلوی موجد طلسمی پریس کے والد ماجد تشریف لائے، وعلم نجوم میں کامل اور اس فن کے ماہر تھے، اور فرمایا۔۔۔۔ مولوی! اسنے ہو (۱۶) 'لاہور فتح دہلی پر دھمک'

اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔۔ یہ کیسے؟

انہوں نے ایک زائچہ پیش کیا، جو تیار کر کے لائے تھے، اس کو اعلیٰ حضرت کے سامنے رکھ دیا۔

حضرت نے اس کو ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا۔۔ یہ نہ ہوگا، بلکہ اس کا حاصل فقط تبدیل سلطنت ہے۔

انہوں نے کہا۔۔۔ ہاں! یہی ہوگا، جو میں نے حکم لگایا ہے۔

اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔۔۔ مجھے اس سے اتفاق نہیں، اس کا اثر میرے خیال میں یہ نہیں۔

یہ سن کر وہ خاموش ہوگئے، اور تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد مکان تشریف لے گئے۔ پھر کئی مہینہ کے بعد وہ تشریف لائے۔

اعلیٰ حضرت نے دریافت فرمایا۔۔۔ کہئے حضرت! کہاں لاہور فتح اور دہلی پر دھمک ہوئی؟

انھوں نے کہا۔۔۔ آپ کا حکم لگانا بھی تو غلط ہوا۔ کہاں تبدیل سلطنت ہوئی؟

ارشاد فرمایا۔ سلطنت تو بدل گئی، پہلے ملکہ وکٹوریہ کی سلطنت تھی یعنی ولیم کے خاندان میں اور آج کل ایڈورڈ ہفتم بادشاہ ہیں، ان کا خاندان دوسرا ہے۔

دادا یہاں سے خاندان لیا جاتا ہے، نہ نانیہال سے۔
شرعاً نسب کا اعتبار باپ کی طرف سے ہوتا ہے، نہ ماں کی جانب سے۔
تب مولوی غلام حسین صاحب خاموش ہو گئے۔
اور ایک واقعہ انہیں کا ہے۔ ایک دن تشریف لائے تو اعلیٰ حضرت نے دریافت فرمایا۔ فرمائیے! بارش کا کیا انداز ہے، کب تک ہوگی؟
انہوں نے ستارا کی وضع سے زائچہ بنایا، اور فرمایا۔ اس مہینہ میں پانی نہیں ہے، آئندہ ماہ میں ہوگا۔ یہ کہہ کر زائچہ اعلیٰ حضرت کی طرف بڑھا دیا۔ اعلیٰ حضرت نے دیکھ کر فرمایا۔ اللہ کو سب قدرت ہے، چاہے تو آج بارش ہو۔
انہوں نے کہا۔۔۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے، آپ ستاروں کی وضع کو نہیں دیکھتے؟
حضرت نے فرمایا۔۔۔ میں سب دیکھ رہا ہوں، اور اس کے ساتھ ساتھ ستاروں کے واضع اور اس کی قدرت کو بھی دیکھ رہا ہوں۔
(پھر اس مشکل مسئلہ کو کس قدر آسان طریقہ پر سمجھا دیا) سامنے کلاک لگی ہوئی تھی، اعلیٰ حضرت نے ان سے پوچھا۔۔۔ وقت کیا ہے؟
بولے۔۔ سوا گیارہ بجے ہیں؟
فرمایا۔۔ ۱۲ بجنے میں کتنی دیر ہے؟
بولے۔۔ پون گھنٹہ۔
حضرت نے فرمایا۔۔ اس سے قبل؟
کہا۔۔ نہیں، ٹھیک پون گھنٹہ۔
اعلیٰ حضرت اٹھے، اور بڑی سوئی کا گھما دیا۔ فوراً ٹن ٹن بارہ بجنے لگے۔ حضرت نے فرمایا۔۔ آپ نے فرمایا تھا، ٹھیک پون گھنٹا بارہ بجنے میں ہے۔
بولے۔۔ آپ نے اس کی سوئی کھسکا دی، ورنہ اپنی رفتار سے پون گھنٹے ہی بعد ۱۲ بجتے۔
اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔ اسی طرح رب العزۃ جل جلالہ قادر مطلق ہے کہ جس ستارے کو جس وقت جہاں چاہے، پہنچا دے۔ وہ چاہے تو ایک مہینہ، ایک ہفتہ، ایک دن کیا؟ ابھی بارش ہونے لگے۔
اتنا زبان مبارک سے نکلنا تھا کہ چاروں طرف گنگھور گھٹا آ گئے، اور پانی برسنے لگا۔
غرض اعتقاد علم نجوم پر اس قسم کا تھا، ستاروں کے اثرات کے قائل تھے، مگر اصل فاعل مختار حضرت عزوجل شانہ کو جانتے تھے۔ ستاروں کی وضع اور رفتار بدلنے کی بھی ضرورت نہیں۔ **بفعل اللہ ما یشاء ویحکم ما یرید**
مولانا مولوی محمد ابراہیم رضا خان صاحب عرف جیلانی میاں سلمہ کی ولادت کا زائچہ بنایا، اور فن کے اعتبار سے اس پر احکام ثبت فرمائے، جو مستقل ایک رسالہ کی شکل میں خود دست مبارک کا لکھا ہوا، کتب خانہ میں موجود ہے، اس کے اوپر تحریر فرمایا: **الغیب عنداللہ**
ہیئت و نجوم میں کمال کے ساتھ علم توقیت میں کمال تو حد ایجاد کے درجہ تھا۔ یعنی اگر اس فن کا موجد کہا جائے، تو بے جا نہ ہوگا۔ علمانے جستہ جستہ اس کو مختلف مقامات پر لکھا ہے۔ لیکن میرے علم میں کوئی مستقل کتاب اس فن میں نہ تھی۔ اس لیے جب میں نے اور میرے ساتھ مولوی سید شاہ غلام محمد صاحب بہاری۔۔ مولانا مولوی حکیم سید شاہ عزیز غوث صاحب بریلوی۔۔ مولوی سید محمود جان صاحب بریلوی۔۔ حضرت حجۃ الاسلام صاحب زادہ والا جاہ مولانا شاہ حامد رضا خان صاحب بریلوی۔۔ مولوی نواب مرزا صاحب بریلوی نے اس فن کو حاصل کرنا شروع کیا، تو کوئی کتاب اس فن کی نہ تھی، جس کو ہم لوگ پڑھتے۔ اسی وجہ سے اعلیٰ حضرت کے اس فن میں علمی کارنامے ہیں۔ یعنی قواعد کے ذریعہ یہ معلوم کر لینا کہ کس وقت آفتاب طلوع کرے گا، اور کس وقت غروب وغیرہ؟
ساتھ ساتھ ستاروں کی معرفت اور ان کی چال کی شناخت اس قدر زبردست تھی کہ مولوی برکات احمد صاحب صدیقی پیلی بھیتی نبیرۂ مولوی عبداللطیف صاحب برادر خورد حضرت محدث سورتی مولانا شاہ وصی احمد صاحب قدست اسرارھما کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت کو ستارہ شناسی میں اس قدر کمال تھا کہ آفتاب کو دیکھ کر گھڑی ملا لیا کرتے تھے۔
فقیر عبید الرضا غفرلہ نے بوقت شب ستاروں کو ملاحظہ فرما کر وقت بتانے اور گھڑی ملانے کے اوقات بھی سنے، اور دیکھے ہیں، اور بالکل صحیح وقت ہوتا۔ ایک منٹ کا بھی فرق نہ پڑتا۔
ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت بدایوں تشریف لے گئے۔ حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبدالقادر برکاتی معینی قدس سرہ العزیز کے یہاں مہمان تھے۔ مدرسہ قادریہ خرمہ میں خود حضرت تاج الفحول امامت فرماتے۔ جب فجر کی تکبیر شروع ہوئی، تو حضرت مولانا عبدالقادر صاحب نے اعلیٰ حضرت عالم اہل سنت فاضل بریلی کو امامت کے لیے آگے بڑھا دیا۔ اعلیٰ حضرت نے نماز فجر کی امامت کی، اور قرات اتنی طویل فرمائی کہ مولانا عبدالقادر صاحب کو بعد سلام کے شک ہوا کہ آفتاب تو طلوع نہیں ہو گیا۔ مسجد سے نکل نکل کر لوگ آفتاب کی جانب دیکھنے لگے۔

یہ حال دیکھ کر اعلیٰ حضرت نے فرمایا: آفتاب نکلنے میں ابھی تین منٹ اڑتالیس سکنڈ باقی ہیں۔ یہ سن کر لوگ خاموش ہو گئے۔
مولوی سید عبدالعزیز صاحب قادری سہسوانی حال مقامی بریلی شریف ملوک پور مسجد شاہ معشوق اللہ صاحب قدس سرہ مجھ سے فرماتے تھے کہ اعلیٰ حضرت اور حضرت تاج الفحول میں غایت درجہ محبت تھی گویا دونوں ایک ہی تھے۔ پھر بھی مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی فجر کی نماز ابتدائے اسفار میں پڑھتے تھے جب کبھی حضرت تاج الفحول بریلی شریف لاتے تو حسب عادت سویرے نماز پڑھا کرتے اور اگر کوئی کہتا کہ اعلیٰ حضرت دیر کر کے پڑھتے ہیں تو فرماتے کہ وہ ہیئت وتوقیت جانتے منٹ منٹ کی خبر رکھتے ہیں ان کے لیے اس قدر اسفار زیبا ہے۔
مولوی محمد ابراہیم صاحب فریدی بستی پوری نے لکھا کہ مکرمی حاجی عبدالجامع صاحب جامی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بریلی تشریف لے گئے۔ رات زیادہ ہو جانے کے سبب مولانا کو خبر نہیں کی، فجر کی نماز کے لیے سویرے ہی اذان کہی اور تھوڑی دیر انتظار کر کے نماز شروع کر دی۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت تشریف لائے اور اسفار میں نماز فجر ادا فرمائی۔

علم تکسیر میں مہارت:

علم تکسیر بھی اس زمانہ میں انہیں علوم میں سے ہے جس کے جاننے والے ہر صوبہ میں ایک یا دو شخص ہوں گے۔ عوام کو اس سے کیا دلچسپی، علما کو اس سے کیا غرض؟ مشائخ کرام جن کے یہاں کی اور جب کے کام کی چیز ہے، سیکڑے میں آسی ایسے ملیں گے، جو اپنے مشائخ کے مجموعہ اعمال یا مجربات یا نافع الخلائق سے نقوش الٹے سیدھے با قاعدہ یا بے قاعدہ لکھ دینا کافی سمجھتے ہیں۔ ۱۸، ۱۹ فی صدی نقش مثلث یا مربع قاعدہ مشہور سے بھر لینا جانتے ہیں۔ اور پوری چال سے نقوش بھرنا تو شاید چار یا پانچ سو میں دو ایک ہی کا حصہ ہوگا۔
عرصہ کی بات ہے کہ ایک شاہ صاحب مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ تشریف لائے اور محب محترم حامی دین، واقف علوم عقلیہ ونقلیہ مولانا مولوی مقبول احمد خاں صاحب دربھنگوی مدرس مدرسہ کے مہمان ہوئے، اور اپنی عزت بنانے، وقار جمانے کو ادھر ادھر کی بات کرتے ہوئے فن تکسیر کی واقفیت کا ذکر کیا۔ مولوی صاحب بہت ظریف طبیعت ہیں۔ یہ سن کر ایسا اندازہ برتا جس سے ان شاہ صاحب نے سمجھا کہ میرے فن دانی کے قائل اور معتقد ہو گئے۔ چنانچہ مہینہ دو مہینہ میں ایک دو پھیرا ادھر ان کا ہونے لگا، اور مولانا کے یہاں ایک دو وقت قیام ضرور کرتے، یہ بھی مہمان نوازی فرماتے۔
جب ان کی ڈینگ بہت بڑھی، تو ایک دن بہت بھولی زبان سے فرمایا کہ میرے مدرسہ میں بھی ایک مدرس مولانا ظفرالدین صاحب ہیں وہ بھی فن تکسیر جانتے ہیں۔ بہت حیرت ہوئی وہ تو سمجھ رہے تھے کہ مولانا مقبول احمد صاحب کے علم میں دنیا میں، میں ہی ایک تکسیر جاننے والا ہوں، اور اسی وجہ سے ایسے زبردست معقولی ہوتے پر بھی میری عزت کرتے ہیں۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ اسی پٹنہ میں مولانا کے دوستوں میں اسی مدرسہ کے مدرسوں میں، ایک شخص فن تکسیر جانتے ہیں تو حیرت کی حد نہ رہی، بولے کہ ان سے میری ملاقات کرا دیجیے گا، انہوں نے کہا: اچھا! وہ تو روزانہ مدرسہ کے وقت ۱۰ بجے مدرسہ تشریف لاتے ہیں، اور چار بجے دریاپور واپس جاتے ہیں۔
چنانچہ ایک دن مولوی صاحب موصوف شاہ صاحب کو لیے ہوئے میرے پاس تشریف لائے، اور ان کا تعارف کراتے ہوئے بہت سی خوبیاں بیان کرتے ہوئے خاص انداز سے فرمایا کہ سب سے بڑا کمال آپ کا یہ ہے کہ آپ فن تکسیر جانتے ہیں، میں سمجھ گیا میں نے کہا کہ اس سے بڑھ کر اور کیا کمال ہوگا کہ آپ وہ فن جانتے ہیں، جس کے جاننے والے روئے زمین سے معدوم ومفقود نہیں تو قلیل الوجود ضرور ہیں۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا کہ جناب کو بھی فن تکسیر کا علم؟ میں نے کہا یہ مخلصوں کا محض حسن ظن ہے، کسی فن کے چند قواعد کا جان لینا فن کی واقفیت نہیں کہلاتی ہے۔ ہاں اس فن سے یک گونہ دلچسپی ضرور ہے۔
اس کے بعد میں ان شاہ صاحب سے پوچھا۔۔ جناب مربع کتنے طریقہ سے بھرتے ہیں؟
بہت فخریہ فرمایا۔۔ سولہ طریقہ سے۔
میں نے کہا۔۔ بس۔
اس پر فرمایا۔۔ اور آپ؟
میں نے کہا۔۔ گیارہ سو باون طریقے سے۔
بولے۔۔ سچ؟
میں نے کہا۔۔ جھوٹ کہنا ہوتا تو کیا لاکھ دو لاکھ کا عدد مجھے معلوم نہ تھا گیارہ سو باون کی کیا خصوصیت تھی؟
کہا۔۔ میرے سامنے بھر سکتے ہیں؟
میں نے کہا۔۔ ضرور، بلکہ میں نے بھر کر رکھ دیا ہے۔ آج چار بجے میرے ساتھ دریاپور تشریف لے چلیں۔ مولانا مقبول احمد خاں صاحب کو بھی میں دعوت دیتا ہوں، وہیں ناشتہ چائے چلے، وہ کتاب میں حاضر کروں گا۔ ایک ہی نقشہ ہے جو اتنے طریقے سے بھرا ہوا ہے، جس میں کوئی ایک دوسرے

سے ملتا ہوا نہیں۔

پوچھا۔ کن سے سیکھا؟

میں نے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کا نام لیا۔

حضرت کے معتقد تھے، نام سن کران کو یقین ہوگیا مگر پوچھا۔ اور اعلیٰ حضرت کتنے طریقوں سے بھرتے ہیں؟

میں نے کہا۔ تیئس سو طریقے ہیں۔

کہا۔ آپ نے اور کیوں نہیں سیکھا؟

میں نے کہا۔ وہ تو علم کے دریا نہیں سمندر ہیں۔ جس فن کا ذکر آیا، ایسی گفتگو فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ عمر بھر اسی کو سیکھا اور اسی کی کتب بینی فرمائی ہے۔ ان کے علوم کو میں کہاں تک حاصل کر سکتا ہوں۔

آخر ۴ بجے وہ میرے ساتھ دریا پور تشریف لائے اور وہ کاغذ جس پر میں نے وہ نقوش لکھے تھے، ملاحظہ فرمایا۔ بہت تعجب سے دیکھتے رہے، اور اعلیٰ حضرت کی زیارت کے مشتاق ہو کر بعد مغرب واپس ہوئے۔ پھر نہ معلوم کہ بریلی شریف حاضر ہوئے یا نہیں۔ خیر بہر کیف۔

جملہ علوم وفنون کی طرح فن تکسیر سے اعلیٰ حضرت کو نہ صرف واقفیت ہی تھی بلکہ اس فن میں کمال اور مہارت رکھتے تھے۔ بلکہ اگر مجتہد کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ اس کے ثبوت میں ایک تحریر نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔ جس کو حضرت عظیم البرکت سیدنا سید شاہ اولاد رسول محمد میاں صاحب سجادہ نشین خانقاہ قادریہ برکاتیہ قاسمیہ مدظلہ العالی نے میری طلب پر روانہ فرمایا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

فصل فی الوفق الوحاوی

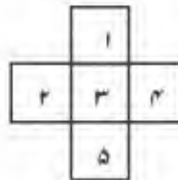
فقیر احمد رضا قادری بریلوی غفرلہ القوی مجموعہ سیدنا نور العارفین حضرت سید ابو الحسین احمد نوری میاں صاحب قبلہ مدظلہم العالی نقشے بریں صورت دیدہ بود، اما او قاعدۂ مضبوطہ وضابطہ مطردہ نیافتہ، ناچار بجائے خود فکرے کردم وسہ ضابطہ برآوردم۔ وایں نقش را ہم ہر دو ضلع تمام شود، ضلعے قائم وضلعے معترض۔ ففق وحاوی نام نہادم وسیر اوراد یں بیت انضباط دادم۔

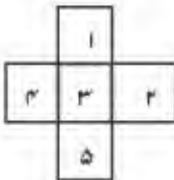
چو خواہی بہ نقش وحاوی سیر دو رخ درمیان دو فرزیں بگیر

چوں چہاردہم ماہ محرم الحرام ۱۳۰۶ شرف خاک بوسی آستانہ عالیہ برکاتیہ بتقریب عرس سراپا اقدس حضور صاحب البرکات رضی اللہ عنہ دست داد، ذکر ایں نقش باصاحب زادہ والا احترام حضرت سید شاہ ابو القاسم اسمٰعیل حسن میاں صاحب دامت برکاتہم العالیہ بمیاں آمد۔ عرض داشتم کہ من فقیر ایں وفق راچند ضابطہ بروئے کار آوردہ ام۔ ارشاد فرمود کہ بفرست۔ ۱۵ ماہ مذکور بوطن رسیدم، طرح فکرے تازہ انداختم۔ درساعت قلیل ہفت ضابطہ دیگر روئے نمود، تا آنکہ تلك عشرة كاملة شد۔ وباعتبار وجوہ طریق رخت از حد نہایت برد۔ فقیر اولاً آں سہ قاعدہ پیشیں می نویسم، پس آں ضوابط آخر ذکر خواہم کرد وباللہ التوفیق۔

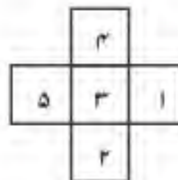
(ضابطہ اولیٰ) شش طرح وبرسہ تقسیم واز حاصل آغاز وکسر یک در بیت چہارم ودوم درسوم کہ بیت القطب ست وہمیں ست نظم طبعی واقل ما یجری جبہ تسعة وسیر از ہرچہار بیت آتشی وبادی وآبی وخاکی ممکن ست۔ وراہ یمین ویسار ہر دو کشادہ۔

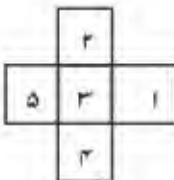
فمن الناری



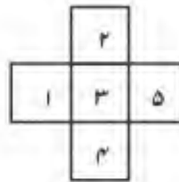


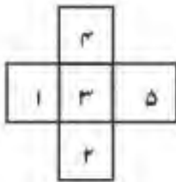
ومن الهوائی



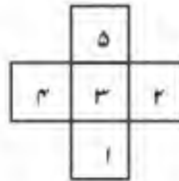


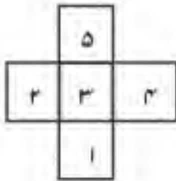
ومن الـمائی



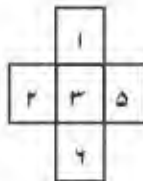


امن الارضی

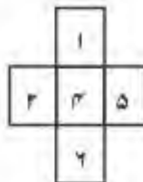




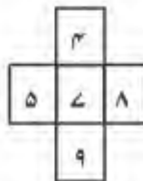
وهٰذا من عاشرة فالكسر واحد



وهٰذا من احد عشر فالكسر اثنان

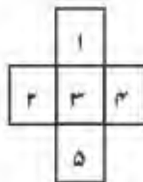


نقش بست در بست

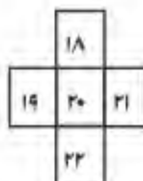


(ضابطه ثانیه) برطبق مصار یہ کہ عدد اسم مطلوب یا آیت مقصوده دوبی قطب نویسند وحاصل جمع ضلع سہ مثل اعداد مطلوبہ باشد وحاجب تکسیر نیفتد

ایں صورت از سہ تا فوق ممکن وهٰذا وفق ح

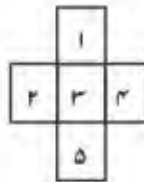


نقش بست در بست

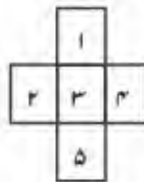


(ضابطہ ثالثہ) کہ خانہ قطب بہر کتابتِ مقصد، تہی ماند۔ قانونش آنکہ سہ طرح ومقسوم علیہ، وکسر در چہارم
آنکہ سہ طرح ومقسوم علیہ، وکسر در چہارم

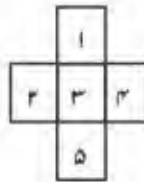
واقل مایجری فیہ خمسۃ



وھذا سن ستۃ



نقش بست در بست

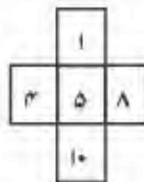


واین جا قاعدۂ مصاریہ جاری نتواں کرد کہ بیت قطب ندارد، وایں سہ قاعدہ ست کہ بنگاہ اولین پردہ از روئے مصود کشود۔ حالا ضوابط باقیہ برنگارم۔
(ضابطہ رابعہ مشتمل بر طرفہ غیر متناھیہ) درنظم طبعی طرح ۶ بود، وسیر برنسق اعداد یک یک فزودن۔ وترا می رسد کہ از اضعاف ستہ ہر قدر کہ خواہی طرح کنی وبحساب آں در زیادت افزائی مثلاً اگر ۱۲ طرح کنی، بہر خانہ دوگاں افزائی۔ ودر طرح ۱۸ سہ گاں۔ ودر اسقاط ۲۴ چہارگاں۔ وہم چنیں الی مالانہایہ لہ۔
پیداست کہ چوں تضاعیف ستہ را نہایت نیست، طرق ایں ضابطہ را نیز پایاں نباشد۔ وتقسیم دائماً بر سہ واز حاصل شروع ووطیرہ کسر ہماں ست کہ درنظم طبعی گزشت ونذکر امثلۃ بعض الطرفہ
(طریقہ اولی) طرح ۱۲ وزیادت دوگاں و اقل مایجری

فیہ خمسۃ عشر ھکذا



وھذا من ۱۶ فالکسر واحد



نقس بست در بست فالکسر اثنان

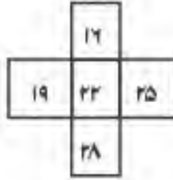


(طریقه دوم)

طرح ۱۸ وزیادت سہ گاں واقل مایجری فیہ ۲۱



نقش اسم ذات

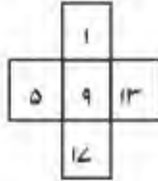


نقش نام پاک محمد ﷺ



(طریقه سوم)

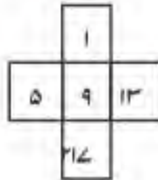
طرح ۲۴ وزیادت چہارگان واقل مایجری فیہ ۲۷



(طریقه چهارم)

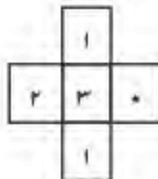
طرح ۸۰۷ کہ یک صدوی

ضعف ستاست وزیادت برخانہ ۱۳۰ تعویذ تسمیہ

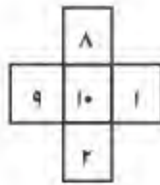


وعلیٰ هذا القیاس ازیں ضابطہ طرق غیر متناہیہ توان برآورد کما لا یخفیٰ۔

(ضابطه خامسه ایضا مشتمل بر طرفه غیر متناهیه) از سہ تا غیر متناہی ہر قدر کہ خواہی طرح نمائی، و تقسیم بر ۲ و تا بیت قطب سیر بر نظم طبعی۔ وبعد ازاں کہ بیت چہارم ست از عدد مطروح ہر قدر کہ باشد سہ کم نمودہ سیر نمائی۔ وظاہر ست کہ دریں صورت کسر نیفتد مگر بیک، آنرا در بیت چہارم بیفزائی مثلاً (طریقه اولی) چوں طرح سہ لتیم در بیت چہارم از عدد مطروح کہ سہ بود سہ کاستیم، ہیچ نماند۔ آنجا صفر نہند، و در پنجم یک۔ واقل ما یجری فیه خمسة هٰكذا



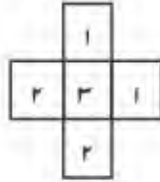
نقش بست در بست



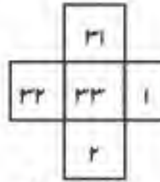
توضیحش آنکه از بست سه تفریق شد، بے اماند۔ بر دو قسمت کردیم، ہشت صحیح برآمد، و کسر یک۔ ہشت را بخانہ اول نہادہ تا قطب سیر نمودیم۔ در بیت چہارم از مطروح سہ کاستیم، فانی شد، صفری بایست۔ اما کسر یک کہ بدست بود، افزودیم۔ یک دریں خانہ آمد، و دو در بیت پنجم۔

(طریقه دوم) طرح ۴ و در خانہ و پنجم یک و دو وافق ما یجری

فیه ستة هکذا

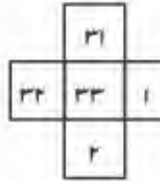


نقش بست در بست بلا کسر

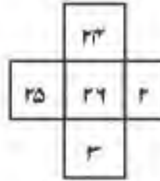


ایں بعینہ مثل اول برآمد۔ اما فرق در طریقہ ست آنجا سہ طرح کردہ بودیم، و کسری ماند، و ایں اچہار انداختیم و بے کسر یافتیم۔

نقش اسم ذات

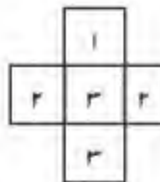


اسم ذات پاک احمد ﷺ اعدادش ۵۳



(طریقه سوم) طرح ۵، ایں جا در خانہ چہارم ۲ و در پنجم ۳ آید کما لا یخفی وافق

مایجری فیه سبعة

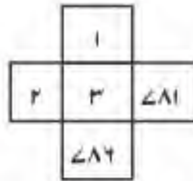


نقش بست در بست



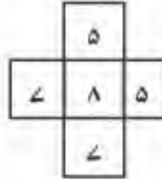
(طریقه چهارم) طرح ۸۴ ۷ تعویذ تسمیہ

واہم سنیں الی مالا نہایة له

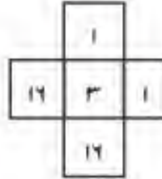


وضابطه سادسه ایضا مشتمل بر طرفه غیر متناهیه) ایں ضابطہ پنج طرحے وکسر سے محتاج نیست، وہیچ گونہ نظامے وسیاقے نمی خواہد۔ ہر عددے کہ خواہی بہر لیجے کہ خواہی سہ پارہ کنی وآں پارہ ہارا در بیوت مثلثہ اولین تابیت القطب نہیں، چوں بہ بیت چہارم رسی باز از سر آغاز کنی۔ بعدہٗ از عدد خانہ اول بالترتیب نوشتن گیری۔

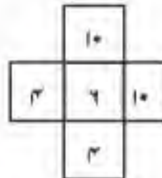
مثلاً بست را پارہ کردیم ۵،۷،۸



یا ۱،۱۶،۳



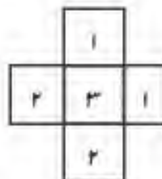
یا ۱۰،۴،۶



وهکذا ایں جا اگر اختلاف بیوت ورعدد خواہند، البتہ درکم از سہ جریان نیابد فان اقسامها ۱،۲،۳ ولا یمکن اقل من ذالك مختلفات ورنہ درسہ نیز ممکن ست کمالا یخفی۔

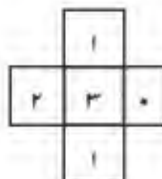
(ضابطه سابعه) پنج طرح کنی وباقی رانگاہ داری وسیر مطلقاً از یکے نمائی۔ چوں چہ بیت چہارم آئی، جمع باقی ماندہ رانجی وورپنجم برآں یک افزائی کما هو متفضی السیر۔

واقل ما یجری فیه ستة



بلکہ در خمسہ نیز ممکن ست کہ چوں بعد طرح پنج از پنج ہیچ نماند، حصۂ بیت چہارم صفر آمد، دررنگ آنچہ کہ در ضابطہ خامسہ گزشت۔

وهذا صورته



نقش بست وربست

	۱	
۲	۳	۱۵
	۱۶	

نقش اسم ذات

	۱	
۲	۳	۱۶
	۶۲	

(**تنبیہ**) ایں ضابطہ رالعبارت آخر ہم تعبیر تواں کرد۔ مثلاً

تعبیر دوم آنکہ ہر بیت آنست کہ دروے رقمے از ارقام ہندسیہ باشد واقل آنہا یک ست۔ حالا از ہر عدد کہ خواہی شش طرح کنی، وباقی را نگاہ داشتہ تا بیت قطب از یک تا سہ بر نظم طبعی رفتہ، در چہارم جمعی باقی را با یک کہ اقل حقوق بیوت ست جمع کنی۔ مثلاً از بست بعد طرح شش ۱۴ باقی ست، در بیت چہارم ۱۵ انوشتیم ودر پنجم ۱۶ اکسار اثبت۔

تعبیر سوم آنکہ ۹ مطروح وتا بیت القطب از یک تا سہ سیر طبعی، ودر چہارم بر مقتضائے نظم طبعی کہ عدد ۴ ست جمیع باقی را اجافہ۔ مثلاً در نقش بدوح بعد طرح ۹ باقی ۱۱ چوں با ۴ جمع کردہ شد، ۱۵ برآمد، ومثل مامرہ شد۔ اینہا بحقیقت راجع بہماں طرح ۵ وکتابت جمعی ماتقی در بیت چہارم است۔ فرق این است کہ آن شامل ترست کہ ہم از خمسہ جریان آغاز می کند، ولہٰذا قاصر وناقص۔ باز دروے قلت وسہولت عمل علاوہ، پس ہمون مختار اُفتا۔ وبر ینہا تنبیہ کردیم تا متروک راندہول عنہ گمان نہ برند۔

(ضابطہ ثامنہ) عدد مطلوب را بر ۹ قسمت نمائی وکسر از یک تا ہشت ہر چند کہ باشد محفوظ داری، وحاصل قسمت را در خانہ مفتاح نہادہ در بیوت باقیہ ہماں حاصل بر حاصل افزودہ باشی۔ مثلاً در ۹ حاصل قسمت یک ست بہر خانہ یگاں یگاں افزائی۔ ودر عدد ۱۸ حاصل ۲ است، بہت بیت دوگان زیادہ کنی۔ ودر ۲۷ حاصل ۳ ست، بہت بیت سہ گان اضافہ کنی۔ وہٰذا۔ وکسر ہر قدر کہ باشد با ایں حاصل در بیت چہارم جمع نمائی۔

واقل ما يجرى فيه تسعة

	۱	
۲	۳	۴
	۵	

من ۱۷ فالكسر ۸

	۱	
۲	۳	۱۲
	۱۳	

من بدوع فالحاصل ۲ والكسر ۲

	۲	
۴	۶	۱۰
	۱۲	

من اجل فالحاصل ۳ والكسر ۷

	۳	
۲	۹	۱۹
	۲۲	

من اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم فالحاصل ۱۰ والکسر ۲

	۱۰	
۲۰	۳۰	۴۲
	۵۲	

من التسمیة فالحاصل ۸۷ والکسر ۲

	۸۷	
۲۷۴	۲۶۱	۲۵۱
	۴۲۸	

(ضابطه نامعه) ذوالکتابه در ہر سہ خانہ ضلع عرضی حروف اسم یا کلمات آیت ہر چہ خواہی نویسی، واعداد آنہا راز یر آنہا نگاری، ودر مفتاح از عدد بیت دوم ہر چہ کہ باشد یک کم نہی، ودر مغلاق بر عدد بیت چہارم ہر قدر کہ باشد، یک بیفزائی۔ نقش مراد بر کرسی سداد نشیند۔ مثلاً

من محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

	۲۵	
اللہ ۶۶	رسول ۲۹۶	محمد ۹۲
	۹۳	

من التسمیة

	۲۸۸	
الرحیم ۲۸۹	الرحمن ۳۲۹	بسم اللہ ۱۲۸
	۱۶۹	

من اسم الحفیظ

	۸۹۹	
ظ ۹۰۰	ف ۹۰	ح ۸
	۹	

واز لطائف این ست کہ جزاے کہ کم از سہ حرف داشتہ باشد کہ تقسیم او بر بیوت ثلثہ ممکن ست، ودر ہر اسم وعبارت جاری ست، تا آنکہ در اسم سہ حرفی کہ حرف آخرینش الف باشد، نیز راست می آید۔ حالانکہ بریں تقدیر در خانہ دوم الف افتد، وممکن نماشد، کہ در بیت اول از وے چیزے کم کردہ بنویسند۔ اما این جا کم کردن آنست کہ صفر ماند نام پاک خدا جل جلالہ

	۰	
و ۱	د ۴	خ ۶۰۰
	۶۰۱	

(**فـــائده**) المظہر والمضمر چنانچکه درمربع نویسند، آنجا خودواضح ست، زیراکه بوجه زوجیت عدد بیوت تکرار واعادہ حروف واعداد بروجه کمال ممکن ست۔ اینجا عدد بیوت فرد یعنی پنج ست، چگونه تکرار کامل صورت بندد۔ اما ایں قدر ممکن ست که اسم راسه جز کرده در بیوت سه گانه پیشیں نویسند، وبازاز بیت چهارم تکرار نموده تادوثلث اعاده نمایند، یک ثلث باقی می ماندلا نعد ام المحل مثلاً از احد

	ا	
ح ۸	د ۴	و ۶
	ح ۸	

حاصلش راجع ست بضابطهٔ سادسه که ذکرش گزشت۔ آرے جائیکه دو پاره اولین معنی مناسب دارد، خالی از لطف نیست مثلاً از ربی

	ر ۲۰۰	
ب ۲	ف ۸۰	ر ۲۰۰
	ب ۲	

که ربـــی رَب ایں عبارت تابطور جمله اسمیه هم توان خواند، به تنوین ربٌ یعنی پروردگار من پروردگار ست۔ نیز بکسر بائے رَبِّ برحذف یائے متکلم یعنی پروردگار من پروردگار من ست۔ نیز رَبّ یعنی پروردگار من پرورد۔ هم جمله ندائیه توان گفت۔ هردو جابتقدیر حرف ندالیش نداکرر باشد۔ یعنی اے پروردگار من اے پروردگار من۔ یا۔ ربِّ امراز تربیت گیرند، پس دعا باشد۔
اے پروردگار من تربیت فرما۔ ربّ بفتح باخوانند، یعنی پروردگار من پرورد۔ پنج توجیه متصورست۔۔۔ وازرحمٰن ایں چنیں باشد حمٰن رحم بترکیب عجمی دعائے رحمت باشد یعنی ای رحمٰن رحم کن۔

	ر ۲۰۰	
رحم ۴۸	ف ۸۰	ر ۲۰۰
	رحم ۴۸	

(فائده) ازیں ضابطهٔ تاسعه قاعده دیگر توان فهمید بے آنکه ذوالکتابه باشد وهمونست۔
(ضـابطـه عاشره) که هرعددے راکه خواهی بهرطور که خواهی سه اقسام متساویه یا غیر متساویه یا غیر متناسبه برآورده درسه خانه ضلع عرضی نهی۔ ودرخانه اول، ازدوم یک کم، رودرپنجم، برچهارم یک بیش۔ اویں نیز برتقدیر رعایت اختلاف بیعت فی الاعداد۔ ودرکم از شش جاری نشود ورنه سه بسندست۔

	۰	
۱	۱	۱
	۲	

نقش بست دربست

	۳	
۴	۹	۷
	۸	

(فــائـده) دریں طریقہ لطفے آں ست کہ از اعداد بیوت اسمائے دیگر برآوردن سہل وآسان ست ۔ چوں عنان تقسیم بدست خودست، عدد مطلوب را بہر حجے سہ پارہ کنند کہ ہر ایک از آنہا عددا سے از اسمائے طیبہ لطیفہ یا قہر یہ علی حسب الحاجۃ باشد۔ وممکن کہ عدد مفتاح و مغلاق نیز مسعدت کند، و با عداد اسم دیگر موافق آید۔ مثلاً اعداد اسم ذات را بر ۱۸، ۳۲، ۴ قسمت کردیم کہ اعداد حی و اجل و وهاب است ۔ وهاب درخانہ دوم آمد، وخانہ اول را ۱۳ ماند کہ عدد احدست، وپنجم را ۱۹ کہ عدد واحدست، نقش چناں راست کردم۔

دفق پاک اسم رحیم ایں چنیں عددش ۲۵۸

	یااحد ۱۳	
یاوهاب ۱۴	یا اجل ۳۴	یاحی ۱۸
	یاواحد ۱۹	

	یاحق ۱۰۸	
یاحنان ۱۰۹	یااله ۳۶	یاباقی ۱۱۳
	یاجامع ۱۱۴	

(فــائـده) نقش محیط الاسرار خود ظاہرست کہ در جمیع اقسام اوفاق میسرست چہ او نباشد مگر جمع کردن چند نقوش در نقش واحد تقسیم کردن ہر بیت بر حداول بیوت عدیدہ، وہم بر طبق مصاریہ ممکن، وہم بروفق نظم مشہور ما، ایں جا نقش وحاوی محیط الاسرار از اسمائے حضرت پنجتن پاک **صلوات اللّٰہ اسلامہ علیہم** بر طور مصری می نویسم **واللّٰہ تعالیٰ اعلم** ۲۷ محرم ۱۳۰۶ھ۔

جامع حالات فقیر ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ عرض کرتا ہے کہ یہ دس ضابطے نقش 'وحاوی' کے ۲۷ محرام ۱۳۰۶ھ تک غور وفکر کا نتیجہ تھا۔ جب رسالہ مبارکہ اطائب الاکسیر فی علم التکسیر پر میرے پڑھنے اور علم تکسیر سیکھنے کے زمانہ میں نظر ثانی فرمائی، تو چھیالیس ضابطے استخراج فرمائے۔ اور اگر کچھ اور غور وتامل فرماتے تو ۵۰ تک پہنچا دیتے، بلکہ اس سے بھی زائد فرما دیتے۔ اور واقعی علم لدنی وہبی کی شان یہی ہوتی ہے۔

ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء واللّٰہ ذوالفضل العظیم

علم جفر میں کمال:

ایک دن نواب وزیر احمد خان صاحب ایک کتاب جس میں انہوں نے تعریفات اشیا لکھی تھی، اعلیٰ حضرت مدظلہ العالی کو بغرض اصلاح سنا رہے تھے۔ علم جفر کی تعریف سناتے وقت حضور نے فرمایا آپ نے علم زائچہ کی تعریف نہ لکھی، یہ علم جفر ہی کا ایک شعبہ ہے۔ اس میں منظوم عربی زبان، بحر طویل اور حرف 'ل' کی 'روی' میں آتا ہے، اور جب تک جواب پورا نہیں ہوتا، منقطع نہیں آتا۔ جس کو صاحب علم کی اجازت نہیں ہوتی، نہیں آتا۔ میں نے اجازت حاصل کرنا چاہی، اس میں کچھ پڑھا جاتا ہے، جس میں حضور اقدس ﷺ خواب میں تشریف لاتے ہیں۔ اگر اجازت عطا ہوئی حکم مل گیا، ورنہ نہیں، میں نے تین چار روز پڑھا، تیسرے روز خواب میں دیکھا۔

ایک وسیع میدان ہے اور اس میں ایک بڑا پختہ کنواں ہے۔ حضور اقدس ﷺ تشریف فرما ہیں، اور چند صحابہ کرام بھی حاضر ہیں، جن میں سے میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو پہچانا، اس کنوئیں میں سے حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرام پانی بھر رہے ہیں، اس میں سے ایک بڑا تختہ نکلا کہ عرض میں ڈیڑھ گز اور طول میں دو گز ہوگا، اور اس پر سبز کپڑا چڑھا ہوا ہے، جس کے وسط میں سفید روشن بہت جلی قلم سے اھــــذ اسی شکل میں لکھے ہوئے تھے۔

جس سے میں نے یہ مطلب نکالا۔

اس کا حاصل کرنا هذیان فرمایا جاتا ہے۔

اس سے باقاعدہ جفر اذن نکل سکتا تھا۔ کو بطور صدر موخر آخر میں رکھا، اس کے عدد ۵ ہیں، اب وہ اپنی جگہ پہلی جگہ سے ترقی کر کے دوسرے مرتبہ میں آگئی پانچ کا دوسرا مرتبہ پانچ دہائی ہے، یعنی پچاس، جس کا حرف ن ہے یوں اذن سمجھا جاتا، مگر میں نے اس طرف التفات نہ کیا، اس فن کو چھوڑ دیا کہ هذ کے معنی ہیں فضول بک۔

ملفوظات حصہ اول میں ہے کسی نے عرض کیا: قیامت کب ہوگی، اور ظہور امام مہدی کب۔

ارشاد فرمایا: قیامت کب ہوگی، اسے اللہ جانتا ہے اور اس کے بتانے سے اس کے رسول ﷺ۔ قیامت ہی کا ذکر کر کے ارشاد فرماتا ہے:

عَالِمُ الغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلىٰ غَيْبِهِ أَحَداً اِلَّا مَنِ ارْتَضىٰ مِن رَّسُوْل .

''اللہ غیب کا جاننے والا ہے تو وہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں فرماتا سوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔''

امام قسطلانی وغیرہ نے تصریح فرمائی کہ اس غیب سے مراد قیامت ہے جس کا اوپر کی متصل آیت میں ذکر ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے بعض علمائے کرام نے ملاحظہ احادیث سے حساب لگایا کہ یہ امت سن ہزار ہجری سے آگے نہ بڑھے گی۔ امام سیوطی نے اس سے انکار میں رسالہ لکھا الکشف عن تجاوز هذه الامة الالف اس میں ثابت کیا کہ یہ امت ۱۰۰۰ھ سے ضرور آگے بڑھے گی۔

امام جلال الدین کی وفات شریف ۹۱۱ھ میں ہے۔ اور اپنے حساب سے یہ خیال فرمایا کہ ۱۴۰۰ھ میں خاتمہ ہوگا۔ بحمد اللّٰہ تعالیٰ اسے بھی چھبیس برس گذر گئے اور ہنوز قیامت تو قیامت، اشراط کبریٰ میں سے کچھ نہ آیا۔

امام مہدی کے بارے میں احادیث بکثرت اور متواتر ہیں، مگر ان میں کسی وقت کا تعین نہیں، اور بعض علوم کے ذریعے مجھے ایسا خیال گذرتا ہے کہ شاید ۱۸۳۷ھ میں کوئی سلطنت اسلامی باقی نہ رہے، اور ۱۹۰۰ھ میں امام مہدی ظہور فرمائیں گے۔

کسی نے فریافت کیا کہ حضور نے علم جفر سے معلوم فرمایا؟

ارشاد ہوا: ہاں! اور پھر کسی قدر زبان دبا کر فرمایا: آم کھایئے پیڑ نہ گنیے۔

(پھر خود ہی ارشاد فرمایا) کہ میں نے یہ دونوں وقت ۱۸۳۷ھ میں سلطنت اسلامی نہ رہنا اور ۱۹۰۰ میں امام مہدی کا ظہور فرمایا، سید المکاشفین حضرت شیخ اکبر محی الدین بن عربی رضی اللہ عنہ سے اخذ کیے ہیں۔

اللہ اکبر کیسا زبردست واضح کشف تھا کہ سلطنت ترکی اول عثمان پاشا حضرت کے مدتوں بعد پیدا ہوا۔ مگر حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ نے اتنے زمانے پہلے عثمان پاشا سے لے کر قریب زمانہ اخیر تک جتنے بادشاہ اسلامی اور ان کے وزرا ہوں گے، رموز میں سب کا مختصر ذکر فرمایا کہ زمانہ کے عظیم وقائع کی طرف بھی اشارے فرما دیئے۔ کسی بادشاہ سے اپنی تحریر میں بہ نرمی خطاب فرماتے ہیں اور کسی پر حالت غضب کا اظہار ہوتا ہے۔ اس میں ختم سلطنت اسلامی کی نسبت لفظ ایقظ فرمایا اور صاف تصریح فرما دی کہ لا اقول ایقظ الهجرية بل ایقظ الجفية

میں نے ایــقــظ جــفــریــہ کا حساب کیا، تو ۱۸۳۷ھ آتے ہیں، اور انہیں کے دوسرے کلام سے ۱۹۰۰ھ میں ظہور امام مہدی کے سن اخذ کیئے، وہ فرماتے ہیں۔ رباعی

اذا دار الزمان علی حروف ببسم اللّٰه فالمهدی قاما

ویخرج فی الحطیم عقیب صوم الافاقرء ہ من عندی سلاما

خود اپنی قبر شریف کی نسبت بھی فرمادیا کہ اتنی مدت تک میری قبر لوگوں کی نظروں سے غائب رہے گی مگر اذا دخل السین فی الشین ظہر قبر محی الدین جب سین میں شین داخل ہوگا تو محی الدین کی قبر ظاہر ہوگی۔ سلطان سلیم جب شام میں داخل ہوئے تو ان کو بشارت دی کہ فلاں مقام میں میری قبر ہے سلطان نے وہاں ایک قبہ بنوادیا جو زیارت گاہ عام ہے۔

(پھر فرمایا:) چند جداول ۲۸۔۲۸ خانوں کی آپ نے تحریر فرمادی ہیں جن میں ایک ایک خانہ لکھا اور باقی خالی چھوڑ دیے، اب اس کا حساب لگاتے رہیے کہ اس سے کیا مطلب ہے۔

ملفوظات حصہ دوم سفر حج کے بیان میں ہے۔

میں نے یہ خیال کیا کہ یہ شہر کریم تمام جہاں کا مرجع وملجا ہے، اہل مغرب بھی یہاں آتے ہیں، ممکن کہ کوئی صاحب جفرداں مل جائیں کہ ان سے اس فن کی تکمیل کی جائے، ایک صاحب معلوم ہوئے جفر میں مشہور ہیں۔ نام پوچھا، معلوم ہوا عبدالرحمٰن دھان، حضرت مولانا احمد دہان مکی کے چھوٹے صاحبزادے ہیں، نام سن کر اس لیے خوش ہوا کہ یہ اور ان کے بڑے بھائی صاحب مولانا اسعد دہان کہ اب قاضی مکہ ہیں، مجھ سے سند حدیث لے چکے تھے۔ میں نے مولانا عبدالرحمٰن کو بلایا، وہ تشریف لائے۔ کئی گھنٹے خلوت رہی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قاعدہ جو ان کے پاس ناقص تھا، اس کی تکمیل ہوگئی۔

اسی کے مثل سرکار مدینہ میں واقع ہوا، وہاں بھی ایک صاحب عبدالرحمٰن نام ہی کے ملے، یہ عبدالرحمٰن عربی مکی ہیں، اور وہ عبدالرحمٰن آفندی ترکی شامی۔ کئی روز متصل تشریف لاتے، اور دیر تک بیٹھ کر جاتے۔ ہجوم حضرات اہل علم ومعززین کے سبب انہیں بات کا موقع نہ ملتا۔ ایک دن میں نے ان سے غرض پوچھی، کہا: تنہائی میں کہوں گا۔ دوسرے دن ان کے لیے وقت نکالا، کہا: میں جفر میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے فرمایا: یہاں نہ اب میرا زیادہ قیام ہے، نہ تیرا۔ میں خاص اس کی تحصیل کے لیے تیرے پاس ہندوستان آؤں گا۔

وہ تو نہ آئے، مگر مولانا سید حسین صاحب مدنی صاحب زادہ حضرت مولانا سید عبدالقادر شامی مدنی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے، اور چودہ مہینے فقیر خانہ پر قیام فرمایا، اور علم اوفاق وتکسیر سیکھے۔ انہیں کے لیے میں نے اپنا رسالہ اطائب الاکسیر فی علم التکسیر زبان عربی میں املا کیا۔ یعنی میں عبارت زبانی بولتا جاتا اور وہ لکھتے جاتے، اور اسی لکھنے میں اسے سمجھتے جاتے۔ علم جفر میں اتنی دست گاہ ہوگئی تھی کہ پانچ سوالوں میں دو کا جواب صحیح نکال لیتے کہ ان کے لیے میں نے اس علم سے اجازت تعلیم کا سوال پہلے کر لیا تھا۔ اور جواب ملا ضرور بتاؤ کہ یہ اسی کے لیے اتنی دور سے سفر کر کے آئے ہیں، اگر چند مہینے اور رہتے تو امید تھی کہ سب جواب صحیح نکال لیتے۔ میں نے جو جداول کثیرہ اس فن کی تسہیل جلیل کے لیے اپنی طبع زاد ایجاد کی تھیں، رخصت کے وقت انہیں نذر کر دیں کہ اس فن کے ترک کا قصد کر لیا تھا، جس کی وجہ سوالوں کی کثرت سے لوگوں کا پریشان کرنا تھا۔

اور بالخصوص یہ عجیب واقعہ کہ ایک امیر کبیر کی بیگم بیمار ہوئی، جس کا مذہب سنی نہ تھا، انہوں نے میرے آقازادے حضرت سیدنا سید شاہ مہدی حسن میاں صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے ذریعے سے سوال کرایا۔ جواب نکلا۔

'سنیت اختیار کریں ورنہ شفا نہیں'

اور اس فن کا حکم ہے کہ جو جواب نکلے، بلا رورعایت صاف کہہ دیا جائے۔ میں نے یہی لکھ بھیجا۔۔ یہ منظور نہ ہوا۔ اور مرض بڑھتا گیا۔

اب حضرت ہی کے ذریعے سے یہ سوال آیا کہ موت کب اور کہاں ہوگی، اپنے شہر میں یا نینی تال میں؟ کہ اس وقت تبدیل آب وہوا کے لیے مریضہ کا وہیں قیام تھا۔۔ یہ سوال ۸ شوال المکرم ۱۳۲۸ھ کو ہوا۔ جواب نکلا۔

'محرم یعنی ماہ محرم میں موت ہوگی'

اور کہاں ہوگی؟ اس کے جواب میں، میں نے ان کے شہر کے نام کا پہلا حرف اور اس کے بعد ق اور اس کے بعد ۲ کا ہندسہ اور آگے لفظ خویش لکھا دیا۔ وہاں کے جفار بلائے گئے کہ اس معمہ کو حل کریں، انہوں نے حرف نام شہر سے تو شہر مراد لیا، قاف سے قلعہ اور آگے نہیں چلتا۔ حالانکہ اس حرف سے شہر مراد تھا، ا ر قاف سے قریب اور ۲ سے حرف ب کہ اول لفظ بیت ہے۔ یعنی موت نینی تال میں نہیں ہوگی، بلکہ اپنے میں، مگر نہ اپنے محل میں بلکہ قریب بیت خویش، دوسری جگہ میں۔

جب اس کا جواب کا شہرہ ہوا، اطراف سے جلد بازوں کے خط ذی قعدہ ہی سے آنے لگے کہ تم نے تو موت کی خبر دی تھی، اور ابھی نہیں ہوئی۔ میں نے کہا بھائیو! اگر محرم سے پہلے موت واقع ہو تو جواب غلط ہو جائے گا، نہ کہ اس صحت کے لیے ابھی سے موت تلاش کر رہے ہو۔

اسی قسم کی طوفان بے تمیزی کے سبب میں نے یہ قصد کر لیا کہ یہ جواب غلط ہوا، تو اس فن پر اتنی محنت کروں گا کہ باذن تعالیٰ پھر غلطی نہ ہو۔۔ یہ علم تمام علوم سے مشکل تر اور سکھانے والے مفقود اور اکابر مصنفین کو کما اخفا مقصود۔ جو علوم ظاہر ہیں اور مصنفین و معلمین ان کا اعلان چاہتے ہیں، ان کی تو یہ حالت ہے کہ کتاب تو کچھ کہتی ہے، اور ناظرہ کچھ سمجھتا ہے۔ تو اس علم میں ناظر کی غلط فہمی کیا تعجب ہے؟ اور وہ بھی مجھ جیسے کے لیے، جس نے نہ کسی سے سیکھا، نہ کوئی مشورہ ومذاکرہ کرنے والا۔ صرف ایک قاعدہ بدوح میں کہ مزداجات سے ہے، والا حضرت عظیم البرکت حضرت سیدنا سید ابو

الحسین احمد نوری میاں صاحب قدس سرہ العزیز نے ۱۲۹۴ھ میں تعلیم فرمایا تھا۔ اس کے بعد جو کتابیں اس فن کے نام سے مشہور و رائج ہیں، ان کی نسبت اسی فن سے سوال کیا، اس نے ان پر نہایت تشنیع کی اور کہا "یہ سب مہمل و باطل اور جلانے کے قابل ہیں" صرف دو کتابیں کی مدح کی، جو ان سب رائج کتابوں سے جدا ہیں۔ جن میں ایک حضرت شیخ اکبر محی الدین بن عربی رضی اللہ عنہ کی تصنیف ہے۔

وہ دونوں کتابیں مولیٰ عزوجل نے مجھے بہم کرادیں۔ انہیں مطالعہ کیا، جہاں تک بزور مطالعہ انکشاف ہوا، ہوا۔ اور جہاں مطلب حضرات مصنفین نے ذہن میں رکھا تھا، اس کی نسبت جتنا قاعدہ معلوم ہولیا تھا، اس سے سوال کیے، اس نے مطلب بتایا، ایک قاعدہ اور حل ہوا۔ اب جو آگے الجھا، اس سے پوچھا۔ اس نے بتایا، اور حل ہوا۔ اس طور پر اس فن کی قدرے ابجد معلوم ہوئی، میری کتاب **سفر السفر عن الجفر بالجفر** انہیں مباحث میں ہے، جس میں ساٹھ سوال و جواب ہیں۔ یعنی جفر سے جفر کو واضح کرنے کی کتاب۔

اس نے ایک دوسرے علم زائرجہ میں ہے کہ زمانہ سیدنا شیث علیہ الصلاۃ والسلام سے اس راز کے اکفا کا حلفی عہد (ہے)۔ رسائل فن میں نہایت غامض چیستاں کی طرح اس کے بارہ پتے دیئے گئے ہیں۔ ازاں جملہ یہ کہ خاتم آدم میں ہے۔ میں نے اس کی نسبت بھی اسی پہلے قاعدۂ جفر سے سوال کیا۔ اس نے روشن طور پر بتادیا۔ اب جو ان بارہ پہیلیوں کو دیکھوں، تو سب خود بخود منکشف ہو گئے۔

خیال ہوا کہ اس فن کی طرف بھی توجہ کروں کہ اس کا راز پنہاں تو کھل ہی گیا ہے۔ اس پر اقدام کا ائمہ فن نے یہ طریقہ رکھا ہے کہ چند روز کچھ اسما تلاوت کئے جاتے ہیں۔ مدت موعود میں خوش نصیب بندہ بکرم اللہ تعالیٰ زیارت جمال جہاں آرائے حضور انور سید عالم ﷺ سے مشرف ہوتا ہے، اگر سرکار اقدس ﷺ سے فن میں اشتغال کا اذن ملے، مشغول ہو۔ ورنہ چھوڑ دے۔۔ میں نے وہ اسمائے طیبہ تلاوت کئے۔ پہلے ہی ہفتہ میں سرکار ﷺ کا کرم ہوا، جسے شاید میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ اس سے اذن کا استنباط ہوسکتا تھا۔ مگر میں نے ظاہر پر محمول کر کے ترک کردیا۔

غرض جفر سے جو جواب نکلے گا، ضرور حق ہوگا کہ علم اولیائے کرام کا ہے، اہل بیت عظام کا ہے، امیر المومنین علی مرتضیٰ کا ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین مگر اپنی غلط فہمی کچھ اچنبا نہیں۔ تو اگر یہ جواب غلط گیا، کافی محنت کروں گا اور صحیح اترا تو اس فن کا اشتغال چھوڑ دوں گا کہ آئے دن سوالوں کی محنت اور الٹے اعتراضوں کی وقت کون سہے؟ جواب بحمد اللہ پورا صحیح اترا (۱۷) اور میں نے اشتغال چھوڑ دیا۔

وہ طبع زاد جداول کہ تدقیق تام سے بنائی تھیں اور جنہوں نے اس فن کے بہت اعمال مشکلہ کو آسان کردیا تھا چلتے وقت حضرت سید (حسین مدنی) صاحب موصوف کے نذر کو دیں۔

ان سے پہلے مولانا عبدالغفار صاحب بخاری اسی فن کے سیکھنے کو تشریف لائے تھے۔ انہوں نے حیدرآباد سے حضرت میاں صاحب قبلہ قدس سرہ کی خدمت میں عریضہ لکھا، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ کام خطوط سے نہیں ہوسکتا، خود آیئے، وہ مارہرہ شریف آئے، اتنی میں حضرت بریلی تشریف لے آئے تھے۔ میرے چھوٹے بھائی مولوی محمد رضا خان سلمہ کے یہاں رونق افروز ہیں کہ عصر کے وقت مولوی صاحب تشریف لائے، ماشاء اللہ کمال متقی و صالح و عالم تھے۔ وہ جہاں ہوں اللہ تعالیٰ انہیں خیر وخوبی سے رکھے۔ حضرت قدس سرہ نے فقیر سے ارشاد فرمایا کہ یہ جو کچھ سیکھیں، ان کو بتاؤ۔ میں ارشاد حضرت کے سبب حسب قاعدہ اس فن سے اجازت طلب نہ کرسکا کہ اگر ممانعت ہوئی تو حکم حضرت کیخلاف کیوں کر کروں گا؟ آٹھ مہینے تک انہیں سکھایا۔ ایام سرما میں بعض دفعہ رات کے دو دو بج جاتے، وہ عالم پورے تھے قواعد خوب منضبط کرلیے۔ آٹھ پہر میں ایک سوال نہایت اُجلا باضابطہ مرتب فرمالیتے، اور جواب تلاش کرتے، نہ ملتا، مجھے دکھاتے، میں گزارش کرتا، دیکھیے یہ جواب رکھا ہے۔ اپنی ران پر ہاتھ مارتے کہ ہمیں کیوں نظر نہیں آتا؟ میں گزارش کرتا کہ جتنی بات تعلیم کے متعلق تھی، وہ آپ کو پوری آگئی۔ رہا جواب، وہ القائے نہ ہوا اپنا کیا اختیار؟ یہ اس کا نتیجہ تھا کہ اس علم سے بے اجازت لیے انہیں سکھایا۔ آٹھ مہینے رہے، اور چلتے وقت فرماگئے: میں جیسا آیا تھا ویسا ہی جاتا ہوں۔

ان کی محبت وصلاح وتقویٰ کے سبب اکثر ان کی یاد آتی ہے۔ جزیرہ سنگاپور سے ایک خط ان کا آیا تھا، اس کے بعد سے کچھ پتہ معلوم نہیں، سید حسین مدنی سا کوئی سبز چشم و بے طمع عربی میں ان عرب سے آنے والوں میں نے دیکھا ان کی خوبیاں دل پر نقش ہیں۔ حضرت سید اسماعیل مکی کا تذکرہ اکثر ان کے سامنے کرتا، تو وہ فرماتے: زہے سعادت ان کی کہ ان کی ایسی یاد تمہارے قلب میں ہے۔ اب اپنے چلے جانے کے بعد وہ کیوں کر دیکھیں کہ ان کی کتنی یاد ہے؟ یہاں سے ملک چین کو تشریف لے گئے پھر ان کا کوئی خط بھی نہ آیا نہ مدتوں تک مدینہ طیبہ ان کا کوئی خط گیا۔ ان کے چھوٹے بھائی سید ابراہیم مدنی ان سے پہلے یہاں تشریف لائے تھے، وہ اس زمانہ میں قازان کو گئے ہوئے تھے کہ ملک روس میں ہے اور یہ تبت کو۔ ان کے بڑے بھائی سید احمد خطیب مدنی کے خطوط آتے کہ والدہ بہت پریشان ہیں، سید حسین کہاں ہیں؟ یہاں کسے پتہ معلوم تھا؟ اب سنا گیا ہے کہ شاید مدینہ طیبہ پہنچ گئے ۔ یہ سید صاحب محمد مدنی بیان ہے، جو پارسال تشریف لائے تھے۔

تاریخ گوئی:

عالم الغیب والشہادۃ علیم وخبیر جل جلالہ نے اپنی قدرت کاملہ سے اعلیٰ حضرت کو جملہ کمالات انسانی کو جو ایک ولی اللہ یکتائے زمانہ میں ہونے چاہئیں، بروجہ کمال جمع فرما دیا تھا۔ جس وصف کمال کو دیکھئے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے اسی میں تمام عمر صرف فرما کر اس کو حاصل فرمایا ہے، اور اس میں کمال پیدا کیا ہے۔ حالانکہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض موہبت عظمیٰ ونعمت کبریٰ ہے۔ ایک ادنیٰ توجہ سے زیادہ اس کی طرف کبھی صرف نہیں فرمائی۔ ازاں جملہ تاریخ گوئی ہے۔ اس میں وہ کمال اور ملکہ تھا کہ انسان جتنی دیر میں کوئی مفہوم لفظوں میں ادا کرتا ہے۔ اعلیٰ حضرت اتنے ہی دیر میں بے تکلف تاریخی مادے اور جملے فرما دیا کرتے تھے، جس کا بہت بڑا ثبوت حضور کی کتابوں میں اکثر و بیشتر کا تاریخی نام اور وہ بھی ایسا چسپاں کہ بالکل مضمون کتاب کی توضیح وتفصیل کرنے والا، جس کا مفصل بیان ذکر تصنیفات میں ملاحظہ سے گذرے گا، اس جگہ چند واقعات تاریخ گوئی اور بعض قطعات تاریخ ناظرین حالات کی خدمت میں پیش کرنا کافی سمجھتا ہوں۔

۱۲۸۶ھ میں کہ حضور کی عمر شریف کا چودھواں سال تھا۔ ایک صاحب حاضر خدمت اقدس ہوئے، اور عرض کیا: ایک صاحب نے امام باڑا بنایا ہے، چاہتے ہیں کہ کوئی تاریخی نام ہو، تو دروازہ پر کتبہ کردیں۔ حضور نے فی البدیہ فرمایا: ان سے کہیے بدر فض [۱۲۸۶ھ] رکھیں۔ اس جواب کو سن کر بولے کہ امام بارا گذشتہ ہی سال تیار ہو چکا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ حضور دوسرا لفظ فرمائیں گے۔

جس میں لفظ رفض نہ ہو۔ حضور نے فوراً ہی فرمایا: رو دار رفض [۱۲۸۵ھ] رکھیں۔ یہ سن کر بہت چپ ہوئے اور پھر عرض کیا کہ اس کی ابتدا ۸۴ھ ہی میں کی تھی، اس لیے اسی سن کا نام ہونا مناسب۔ ارشاد فرمایا: تو در رفض [۱۲۸۴ھ] رکھیں۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ پنج شنبہ کا دن ہے اور صبح کا وقت، حضور حجام سے خط بنوا رہے ہیں۔ میں قریب ہی تپائی پر بیٹھتا ہوں کہ ڈاک میں ایک کارڈ مکرمی جناب مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی فاضل بہاری صدر مدرس مدرسہ عالیہ خانقاہ سہسرام مدظلہ العالی کا آیا۔ حسب ارشاد فقیر نے پڑھ کر سنایا اس میں ممدوح نے فرزند ارجمند کی ولادت کی اطلاع دیتے ہوئے تاریخی نام تجویز فرمانے کی درخواست کی تھی۔ حضور نے سنتے ہیں فی البدیہ فرمایا: نام تو مختار الدین (۱۳۳۶ھ) ہونا چاہیے۔ اور دیکھئے تو سید صاحب! شاید تاریخ ہوگئی۔ میں نے جو شمار کیا تو پورے ۱۳۳۶ھ ہوئے، اور یہی سن ولادت تھا۔

انہیں کا بیان ہے کہ بعد نماز جمعہ حضور پھاٹک میں تشریف فرما ہیں۔ حاضرین کا چاروں طرف مجمع ہے ایک صاحب دریافت کرتے ہیں کہ اسم اعظم کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ہر شخص کے لیے اسم اعظم جدا ہے۔ اس کے بعد ہی ایک جانب سے نظر مبارک حاضرین پر دوپورہ فرماتی ہے، اور حضور ہر ایک سے بلا تکلف فرماتے جاتے ہیں۔ یہ تمہارے لیے اسم اعظم ہے، یہ تمہارے لیے اسم اعظم ہے۔ چنانچہ فقیر سے فرمایا: یا لطیف یا اللہ پڑھا کرو۔ پھر آخر میں فرمایا کہ ہر ایک صاحب کے نام میں جو حروف ہیں ان کے باقاعدہ ابجد جو مجموعی تعداد ہے اس کے ہم عدد اسمائے الٰہیہ میں ایک اسم ورنہ دو اسم دوگنی مرتبہ ہر روز پڑھا کریں، یہ اس کے لیے مفید ہے۔ (۱۸) اس مجمع میں صرف برادر قناعت علی اسم اعظم نہیں فرمانے پائے تھے کہ عصر کی اذان ہوگئی اور جلسہ برخاست ہوگیا۔ برادرم مذکور اپنی محرومی پر دل میں افسوس کر رہے تھے اور بار بار یہ امید لگاتے تھے کہ شاید اب حضور فرمائیں، یہاں تک کہ مغرب کی اذان ہوئی۔ اس وقت حضرت شالی فصیل مسجد پر تشریف فرما تھے غرض مکبر نے تکبیر کہی حضور حی علی الفلاح پر وہاں اٹھتے ہیں اور مصلی پر سیدھا قدم رکھا اور وقت برادرم قناعت علی بالکل مایوس ہوگئے اور دل میں وسوسہ آیا کہ آج پہلی مثال نظر آرہی ہے کہ میں محروم رہا جاتا ہوں۔ حضور فوراً اس وسوسہ کو معلوم فرماتے ہیں اور قبل تکبیر تحریمہ ان کی جانب رخ انور ارشاد فرماتے ہیں۔ سید صاحب! آپ کے لیے اسم اعظم یا خالق یا اللہ ہے۔

ناظرین کرام! اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضور کو تاریخ گوئی میں کس درجہ ملکہ تھا۔ یعنی الفاظ تاریخی گویا نوک زبان پر تھے، جبھی تو نظر کے ساتھ ساتھ برجستہ ہر ایک کا اسم اعظم فرما دیا۔ پھر یہ کہ فیوض وبرکات کی بارش نام لیواؤں پر ہر جلسہ میں عام ہوا کرتی تھی۔ نیز شان روشن ضمیری بھی نمایاں ہو رہی تھی، اور اس مسئلہ کا بھی انکشاف فرمایا جا رہا ہے کہ نماز با جماعت کی تکبیر اقامت کے وقت بیٹھا رہے، اور حی علی الفلاح پر کھڑا ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس ذات قدسی صفات کا اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، چلنا، پھرنا غرض کوئی فعل اتباع سنت سے خالی نہ تھا۔

جامع حالات فقیر ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ کہتا ہے کہ مولوی حکیم سید شاہ ابوالحسن صاحب ابن جناب سید شاہ مظفر حسین صاحب ساکن ضلع پٹنہ کہ میرے مخلص دوستوں میں ہیں، مجھ سے ملنے کو بریلی شریف لائے۔ میں اس زمانہ بریلی میں نہ تھا۔ بلکہ ایک مناظرہ میں رنگون گیا ہوا تھا۔ سید صاحب موصوف نے اعلیٰ حضرت کے اخلاق کریمانہ وسادات نوازی کی وجہ سے کئی دن قیام کیا۔ ایک روز انہوں نے بھی خیر وبرکت کے لیے کوئی وظیفہ اور اسم اعظم دریافت کیا، حضور نے سنتے ہی ارشاد فرمایا کہ آپ کے لیے اسم اعظم یا محسن ہے۔ پھر فرمایا کہ اس اسم سے غفلت نہ کیجیے یہ آپ کے لیے تسخیر ہے، اکسیر ہے۔

یہ واقعہ ۱۳۲۵ھ کا ہے۔ اس کے بعد ۱۳۵۰ھ میں جب سید صاحب موصوف یتیم خانہ خادم الاسلام پٹنہ سٹی میں منیجر کی حیثیت سے قیام فرماتے تو ایک دن مجھ سے اس واقعہ کو بیان کیا اور کہا کہ واقعی اعلیٰ حضرت کا فرمانا لفظ بلفظ ٹھیک پاتا ہوں۔ افسوس کہ بلاناغہ اس پر عمل نہیں ہوگا مگر جس زمانہ میں پڑھتا ہوں، اکسیری و تسخیری اثر آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہوں۔

حسن اتفاق سے اس وقت میرے پیش نظر رسالہ مبارکہ مواقع النجوم مصنفہ حضرت سیدی شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ العزیز ہے، جو مطبع گلزار حسنی بمبئی میں حضرت مولانا مولوی محمد اسماعیل صاحب قادری نقشبندی کی سعی سے چھپا ہے۔ مگر عجیب اتفاق ہے کہ یہ کتاب پوری چھپنے نہ پائی تھی کہ حضور مولانا موصوف کا وصال ہو گیا، اس لیے خیر کتاب میں ان کی تاریخ وصال مستخرج اعلیٰ حضرت قدس سرہما شامل کر دی گئے ہے، (۱۹) جس کے ہر ہر مصرع سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ میں اس جگہ اس پوری عبارت کو نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

تواریخ وصال حضرت عظیم البکرۃ، عمدۃ الکاملین، زبدۃ الواصلین، العارف الجلیل مولانا المولوی محمد اسماعیل القادری النقشبندی الشاذلی علیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ، از افادات امام البلغا، مقدام الفصحا، تاج الفقہاء والمحدثین، سراج العلماء المحققین، فاضل عظیم الشان جناب مولانا مولوی محمد احمد رضا خان صاحب بریلوی دام فیضہ الصوری والمعنوی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم حمداللّٰہ وصلاۃ علی محمد الحکیم

[۱۳۱۷ھ] رقعة التاقيت [۱۳۱۷ھ] عام وفاة العليم الثبت [۱۳۱۷ھ] الفاضل الكامل الصن الجليل [۱۳۱۷ھ] الرضى الاجل اسمٰعيل [۱۳۱۷ھ] مهايمى الحل شاذلى الحسب [۱۳۱۷ھ] قادرى القدر اجل الرتب [۱۳۱۷ھ] افاض الودود عليه احسانه الجسيم [۱۳۱۷ھ] والسق اسمٰعيل بخدمة ابرٰهيم [۱۳۱۷ھ] ۔۔۔۔۔

لاسمٰعیل اسمٰعیل سُنّة	أحامِیُ حالِه مِنْ كُلِّ فِتْنه [۱۳۱۷ھ]
لاسمٰعیل اسمٰعیل صدق	أرادع كُلَّ مَیْن عیْنَ فِطْنَه [۱۳۱۷ھ]
لاسمٰعیل اسمٰعیل حق	أت اِك الْحَقُّ نكب كُلُّ مِحْنَه [۱۳۱۷ھ]
لاسمٰعیل عِنْدَاللّٰهِ اِنْشا	ءُ مَوْعِدَةً بِمَكْرِمَةٍ وَمِنَّه [۱۳۱۷ھ]
اَلَا لَا یُبكَیَن قُفْلُ سَعْدٍ	اُینْقِمْ رَجْعُ نَفس مطْمَینه [۱۳۱۷ھ]
رَوَاحُ الرُّوحِ مِنْ كَنِفِ لِسُنى	كمُزْنَة ۔ انْجَلٰى مِنْهَا ابْنُ مُزنَه [۱۳۱۷ھ]
سَنَاهُ وَنَفْعُه بَاقٍ بَهِيا	فَقَطْرُ دَجْنِه وَقِیرِ دُجْنَه [۱۳۱۷ھ]
یُزَفُّ اِلىٰ جِنَانِ جَنَانِ عَفو	لانْوَارٍ وَّ أطْیَار مُّرِنه [۱۳۱۷ھ]
یحفُّ بِهِمْ مَلٰیكَةٌ مِنْهُمْ	بِاَجْنِحَةٍ كسحب مُرْثِعنه [۱۳۱۷ھ]
وَ اِنْ اُسْئَلْ لاسْمَاعِیلَ مدحاً	أجِبْ ثِقَةً بِنَوْلِ اللّٰهِ اِله [۱۳۱۷ھ]
لِاسْمَاعِیْ لِاسْمَاعِیلَ مدحا	حَلَاهُ هَجَانَةٌ وَّ خَلَاهُ هُجْنَه [۱۳۱۷ھ]
فنحن بمنه وهبات یمنه	نكون من اهل یمنة ان یمنه [۱۳۱۷ھ]
اِلٰه اعطِنا حسنَ الرضَا	واوّلَ غزاة وَهُف الاولِ یُمْنه [۱۳۱۷ھ]

تاریخ آخر:

عدت امُ ظِلّ شَوْطَهَا اَمْ اَظ لّت — بِبَطنِ بَطِيْنٍ وَالظِّلاَل أَقَلّت

فَمَالی أرَیٰ بِالَّيْلِ طُرْلا كَانَّهَا — بَرَام ' تَرُوْمُ الْجُفْرَ أَوْفِيْهِ حَلّت

اَنكسَهَا اتباعُ عَال مُغَرَّب — لِرَبِّتِهَا فِی السِّیْرِاَمْ هِیَ ضَلّت

اَمُشْرِقة كَانَتْ مُشَرّقَة الْكَلَلَ — مُكَللةٌ فِيهَا النَّوَاظِرُ كُلّت

ارُجعَا وَلاَ تَدْوِيْرَ اَمْ دَارُ مَعْهَدٍ — بِصَهْبَا فَبِالصهْبَاء اياكَ عَلّت

بَلیٰ لَيْلُ ذِیْ غم طَوِيْل سِيمَا — هُمُوم عَلیٰ أهْلِی مَهَابَمَ جَلّت

وَلاَ غَزْوَان ضَلّت فَانّ طَرِيْقَهٗ — تَلیٰ كَالّتِی فِی وَجْهِهَا بَلْ هِیَ الّتیٰ

يُقَاطِر صِغْرِ نَفْسَه ' وَكَذَا الاَلْفِ — فَمَا بَيْنَ بَطْ وَالْجِيْمِ ظُلْم أَظَلّت

اَلاَ كُلُّ رُزْءٍ فِی دنياكَ مُنْتَهٍ — وَكُلُّ مِحَاقٍ مُسْفِر عَنْ اهِلّة

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰه يُزْجِیْ سَحَابَة — فَتُسبِلُ حجىا اذحوت اذتجلّت

وتزهم ام الزاهرات اذا ثنت — تدلت تولت اذ علت اذتلعت

سرى الموت بل عن كل موت خليفة — ولا خلف عن فقد غراجلة

شمال عبيداللّٰه ضلت جليلة — وشمليل اسمٰعيل بالتلو ضلت

قضیٰ بخيد قوم نحب و ننتظر — ترجی و تخشی من شرور اضلت

مضروبقينا خلف لمْ يک بيننا — تراء وَلاَ عين برُويَا تسلت

وذات خيرُ ما نرجُوه ان كان ودنا — لخالص دِينِ اللّٰه من دون عِلّة

تحابُبُهُمُ فِی اللّٰه ان شاءَ مُوصل — مَنا بر من نور بمغبط جِلّة

وموَع،دنا ان من حوضْ نبيِّنا — ومُكرمنا الاتی باكرم مِلّة

هنا بالمحيا والحميا لقينا — مخيا حبيب فی حميا خصلة

قضی اللّٰهُ فِی جَناته جَمْعَ شَمْلِنَا — وَبوّ أنا فِی رَوضَةٍ مُخْضَئِلّة

فنحنُ به منه اليه له فان — يمُنُّ فهلْ بَحْر يَغِيضُ بِبَلّة

حَبَا اللّٰه اسماعيل فَضْلاً ورحمة — وأكرم مثواه ' بِمَنزِل خُلّةٍ

فَلمْ يک فيما جاء نا يَغْتَدِی وَلا — يَرُوْحُ سِویٰ فِی خلّةٍ اَ خَلّة

صِيَانَةِ دينِ أوْإهانَةِ بِدْعَةٍ — إبانَةِ مُزِلٌ أوْ اعانَةِ خُلّة

نَوالُ مُرِيدِ أوْ نكالُ مَرِيْدَةٍ — نِزَالُ مُزِل أوْنِضَالُ مُضِلّة

يَرُد الردع عن هُوّة الهَویٰ — يَرَی من كَلامی جُملةً بِمَجْلة

وَعَين الرِّضَاعن كل عيب كَلِيْلَةٌ — فان يکُ لَمْ تَنْظُروان ترغلت

ولكن عينُ السخطِ تُبدِی المَسَاوِيا — كَمَنْ دَخَلَ البُسْتَا مُجْتَلِ جِلّة

حَياةُ مُوَاتی حَی طَبْعا بِسَيْغِيه — فَحَيَّاه ' حَیّ لاَيَمُوْت بِحَلّة

مَضیٰ وهو تواق الی الْمَن وَالعُلیٰ — فَنَالَ الْعُلیٰ وَالأمْن فِيمَا مَحَلة

وغسله سَوبُ الصّواب بهلة — وَكفنه ' ثوب الثواب بِحُلّة

وشذْو شُذُوْذ الشَّاذلِيّةِ حَنّطه — وَرِفْعَة قَدر القَادِرِيَّة صَلّت

يُنمق فِی تاريخِ رِحْلَتِه الرِّضَا — سَحَائِبُ مَيْح السفح مَثْوَاك بَلت [١٣١٤ھ]

بأوفیٰ نَوالِ فَوْزُ أفضَلِ مَنْزِل — وَاَشْرِف نزل حَوْزُ أوْفق تلة [١٣١٤ھ]

وقَتکَ مَرَاقِی الُطف كُل كريهَة — سقَتکَ سَوَاقِی الرَّأف اَرَج طَلّة [١٣١٤ھ]

ومنهمِرات السحب مِنْ صَلَوَتِه — عَلَ المُصْطَفیٰ وَالصُّحْب هلث بهلة

تُدِيم مُدَاماً شَامِلاً لِعَبِيْدِه — وَأبْعَدُهُمْ لَوند لَمْ يتقلت

وَأَرْضُ الرِّضَا ان لَمْ يُصِب وَابِلٌ فَطَل ندى منک لی کالدیمۃ المُسْتَهِلَّۃ
اِلٰہی اِلَیکَ بالحَبیب توسلی بہٖ فَاغْفِر اللّٰھُمّ ذَنْبِی وَزَلَّتِی

حضرت مولانا نقی علی صاحب اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مختصر حالات رسالہ مبارکہ 'جواھر البیان فی اسرار الارکان' کے اخیر میں درج فرماتے ہیں۔ اسی میں تواریخ ولادت اور تواریخ وصال بھی ہے جن سے اعلیٰ حضرت کی تاریخ گوئی کا کمال ثابت ہوتا ہے۔ وھی ھذہ

(تواریخ ولادة)

جاء ولی نقی الثیاب علی الشان [۱۲۴٦ھ] رضی الاحوال بھی المکان [۱۲۴٦ھ]وھو اجل محققی الافاضل [۱۲۴٦ھ] شھاب المدققدین الاماثل [۱۲۴٦ھ] قمر فی برج المشرف [۱۲۴٦ھ] بری من الخسوف والکلف [۱۲۴٦ھ] افضل سباق العلماء [۱۲۴٦ھ]اقدم حذاق الکرماء[۱۲۴٦ھ]

(تواریخ وفاة)

کان نھایة جمع العظماء [۱۲۹۷ھ]خاتم اجلة الفقھاء [۱۲۹۷ھ]امین اللّٰہ فی الارج ابدا [۱۲۹۷ھ]ان موتة العالم موتة العالم [۱۲۹۷ھ] وفات عالم الاسلام ثلمة فی جمع الانام [۱۲۹۷ھ] خلل فی باب العباد لاینداِلی یوم القیامة [۱۲۹۷ھ] یاغفور [۱۲۹۷ھ] کمل له فوابك یوم النشور [۱۲۹۷ھ] امنحه جنة اعدت للمتقین [۱۲۹۷ھ] صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه سیدنا محمد واله واھله اجمعین[۱۲۹۷ھ]

۱۳۲۹ھ میں، میں شملہ جامع مسجد میں خطیب تھا کہ مکان سے خط آیا اور اس میں بڑی لڑکی کی پیدائش کی خوشخبری تھی میں نے اس خط کو اور اس کے ساتھ اور اس کے ساتھ ایک عریضہ لکھ کر بریلی شریف اعلیٰ حضرت کی خدمت اقدس میں حاضر کیا، جس میں تاریخی نام کے لیے عرض کیا تھا، بہ واپسی ڈاک جواب آیا، جس میں مبارک باد تھی، اور بچی کے لیے دعائے خیر اور تاریخی نام 'زرینہ خاتون' [۱۳۲۹ھ] تحریر فرمایا تھا۔ اسی طرح رجب ۱۳۳۳ھ میں دوسری لڑکی کی پیدا ہوئی تو میں نے پٹنہ سے عریضہ حاضر کیا اور تاریخی نام کی درخواست کی تو 'ولیہ خاتون' [۱۳۳۳ھ] زبر وبیات سے تاریخی نام تجویز فرمایا۔ پھر عزیزی مختار الدین سلمہٗ کے بعد ۱۳۳۹ھ میں سہسرام میں لڑکی پیدا ہوئی۔ میں نے اس کی ولادت کی خبر دی اور تاریخی نام کے لیے حضور نے 'ربیع خاتون' [۱۳۳۹ھ] تاریخی نام تجویز فرمایا۔
غرض یہ کہنا بالکل بلا مبالغہ ہے کہ جس طرح ہر پڑھے لکھے کے نزدیک لفظ کے تصور یا تلفظ کے ساتھ اس کے معنی ذہن نشین ہو جاتے ہیں، اسی طرح اعلیٰ حضرت کے نزدیک لفظ کے تصور کے ساتھ اعداد ذہن میں آجاتے تھے۔
اعلیٰ حضرت کی تاریخ گوئی کے سلسلہ میں کتاب مستطاب انوار آفتاب صداقت مصنفہ مولوی حاجی قاضی فضل احمد صاحب سنی حنفی نقشبندی مجددی مقیم لدھیانہ مصدقہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت و دیگر علمائے کرام حامیان دین وملت قدمت اسرارہم کے صفحہ ۳۶۳ سے اعلیٰ حضرت کا ایک فتویٰ مع استفتا نقل کرنا افادہ وافاضہ سے خالی نہ ہوگا۔

استفتو فتویٰ الہامی:

علمائے کرام کا اس میں کیا ارشاد ہے کہ ایک رافضی نے کہا کہ آیہ کریمہ **ان من المجرمین منتقمون** کے اعداد (۱۴۰۲) ہیں، اور یہی عدد ابوبکر عمر عثمان کے ہیں۔ یہ کیا بات ہے؟ بینوا توجروا

مستفتی قاضی فضل احمد لدھیانوی ۲۱ صفر ۱۳۳۹ھ

الجواب

روافض لعنہم اللہ تعالیٰ کی بنائے مذہب ایسے ہی اوہام بے سروپا، درہوا، ہے۔

اوّلاً: ہر آیت عذاب کے عدد اسمائے اخیار سے مطابق کر سکتے ہیں، اور ہر آیت ثواب کے (عدد) اسمائے کفرسے۔ کہ اسامیں وسعت وسیعہ ہے۔

ثانیاً: امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے تین صاحب زادوں کے نام ابوبکر، عمر، عثمان ہیں۔ رافضی نے آیت کو ادھر پھیرا، کوئی ناصبی اُدھر پھیر دے گا، اور دونوں ملعون ہیں۔ حدیث میں ہے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت پر حضور اقدس ﷺ تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا:

أرونی ابنی ماذا سمیتوہ مجھے میرا بیٹا دکھاؤ تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ مولیٰ علی نے عرض کی: حرب۔ فرمایا: نہیں، بلکہ وہ حسن ہے۔ پھر سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت پر تشریف لے گئے اور فرمایا: مجھے میرا بیٹا دکھاؤ، تم نے اس کا کیا نام رکھا؟ مولیٰ علی نے عرض کی: حرب فرمایا: نہیں، بلکہ وہ حسین ہے۔ پھر حضرت محسن کی ولادت پر وہی فرمایا: حضرت علی نے وہی عرض کی۔ فرمایا: نہیں، وہ محسن ہے۔ پھر فرمایا: میں نے ان بیٹوں کے نام ہارون علیہ السلام کے بیٹوں پر رکھے شبر، شبیر، مشبر۔ حسن، حسین، محسن ان سے ہم وزن وہم معنی۔

اس سے مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو تنبیہ ہوئی کہ اولاد کے نام اخیار کے ناموں پر رکھنے چاہئیں۔ لہٰذا ان کے بعد صاحب زادوں کے نام ابوبکر، عمر، عثمان، عباس وغیرہم رکھے۔

ثالثاً: رافضی نے اعداد غلط بتلائے۔ امیر المومنین عثمٰن غنی رضی اللہ عنہ کے نام پاک میں الف نہیں لکھا جاتا، تو عدد ۱۴۰۱ ہیں، نہ کہ دو۔

۱) ہاں او رافضی!

بارہ سو دو عدد کا ہے کے ہیں؟ ابن سبا رافضیہ کے۔

۲) ہاں او رافضی!

بارہ سو دو عدد ان کے ہیں، ابلیس یزید، ابن زیاد، شیطان الطاق کلینی ابن بابویہ، قمی، طوسی، حلی۔

۳) ہاں او رافضی!

اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَقُوْا دِیْنَهُمْ كَانُوا شِیعاً لست مِنْهُمْ فِی شَیْءٍ (انعام ۱۶۰/۶)

بے شک جنہوں نے اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور شیعہ ہو گئے اے نبی تمہیں ان سے کچھ علاقہ نہیں۔

اس آیہ کریمہ کے عدد ۲۸۲۸ ہیں، اور یہی عدد ہیں، روافض، اثنا عشریہ، شیطیہ، اسمٰعیلیہ کے۔ اور اگر اپنی طرح سے اسمٰعیلیہ میں الف چاہیے تو یہی عدد ہیں، روافض، اثنا عشریہ، ونصیریہ واسماعیلیہ کے۔

۴) ہاں او رافضی!

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْءُ الدَّارِ (رعد ۲۵/۱۳)

ان کے لیے ہے لعنت اور ان کے لیے ہے برا گھر

اس کے عدد ۱۶۴۴ ہیں اور یہی عدد ہیں، شیطان، الطاق، طوسی، حلی کے۔

۵) نہیں او رافضی!

بلکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے

اُولٰئِکَ هم الصّدیقُوْن وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهم اَجْرُهُمْ (حدید ۱۹/۵۷)

وہی اپنے رب کے وہاں صدیق اور شہید ہیں ان کے لیے ان کا ثواب ہے۔ اس کے عدد (۱۴۴۵) ہیں اور یہی عدد ہیں ابوبکر، عمر، عثمان، علی، سعید کے۔

۶) نہیں او رافضی!

بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَآءُ عِنْدَ رَبِّھِمْ لَھُمْ اَجْرُھُمْ وَنُوْرُھُمْ (حدید۵۷/۱۹)

وہی اپنے رب کے حضور صدیق وشہید ہیں ان کے لیے ہے ان کا ثواب اوران کا نور

اس کے اعداد (۱۷۹۲) ہیں، اور یہی عدد ہیں ابوبکر، عثمن، علی طلحہ، زبیر، سعد کے۔

۷) نہیں او رافضی!

بلکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَآءُ عِنْدَ رَبِّھِمْ لَھُمْ اَجْرُھُمْ وَنُوْرُھُمْ (حدید۵۷/۱۹)

جو لوگ ایمان لائے اللہ اور اس کے رسولوں پر وہی اپنے رب کے نزدیک صدیق وشہید ہیں ان کے لیے ان کا ثواب اوران کا نور

آیہ کریمہ کے عدد تین ہزار سولہ اور یہی عدد ہیں صدیق، فاروق، ذوالنورین، علی طلحہ، زبیر، سعد، سعید، ابوعبیدہ، عبدالرحمن بن عوف کے۔

الحمدللہ آیہ کریمہ کا تمام وکمال جملہ مدح بھی پورا ہوگیا، اور حضرات عشرہ مبشرہ کے اسمائے طیبہ بھی سب آگئے۔ جس میں اصلاً تکلف اور تصنع کو دخل نہیں۔

کچھ روزوں سے آنکھ دکھتی ہے۔ یہ تمام آیات عذاب واسمائے اشرار، وآیات مدح واسمائے اخیار کے عدد محض خیال میں مطابق کئے جن میں صرف چند منٹ صرف ہوئے اگر لکھ کر اعداد جوڑے جاتے تو مطابقتوں کی بہار نظر آتی۔ مگر بعونہ تعالیٰ اس قدر بھی کافی ہے۔

والله الحمد والله تعالیٰ اعلم

اس فتویٰ کو نقل کر کے مولوی صاحب موصوف کتاب مذکور کے ص ۴۶۵ میں تحریر فرماتے ہیں۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ شیعہ یعنی رافضی کا تو ماشاء اللہ دلیہ نہیں بلکہ قیمہ ہوگیا۔ اب مجال دم زدن نہیں۔

فقیر نے یہ کرامت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد مائۃ حاضرہ امام اہل سنت و جماعت بچشم خود ملاحظہ کی کہ چند لمحوں میں ان تمام آیات واعداد کی مطابقت زبان فیض والہام ترجمان سے فرمائی۔ یہ رات کا وقت تھا، قریب نصف گذر چکی تھی، واللہ باللہ عدد اخیار واشرار کے اسما بلا ساچے اور بے تامل کئے فرمادیئے کہ فقیر سوا اس کے اور اندازہ نہیں کرسکتا کہ یہ اعلیٰ حضرت کی کرامت کا اظہار بذریعہ القائے ربانی اور الہام سبحانی تھا۔ اس سے پیشتر جب کہ اعلیٰ حضرت نے کتاب کو سماعت فرماتے ہوئے، متعدد جگہ فرقہ وہابیہ اور معترض پر نکات اعداد جمل کی مطابقت ملاحظہ فرمائی تو اسی وقت معاً بلا غور وتامل کے یوں فرمایا: جناب نے فرمایا کہ لکھو۔ فقیر نے تعمیل حکم اس طرح پر کی۔ آیت قرآنی:

۱) اَھْلَکْنٰھُمْ اِنَّھُمْ کَانُوْا مُجْرِمِیْنَ کے اعداد (۲۶۸)

جو برابر ہیں اعداد رشید احمد گنگوہی

۲) لَقَدْ قَالُوْا کَلِمَۃَ الْکُفْرِ وَکَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِھِمْ

(توبہ۹/۷۴) کے اعداد (۱۲۶۴) ہیں جو برابر ہیں اشرف علی صاحب تھانوی کے۔

۳) شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا لَّعَنَہُ اللّٰہُ (نساء۴/۱۱۸) کے اعداد (۸۴۷)

ہیں اور وہی اعداد ہیں حاجی صاحب نونوتوی کے۔

سبحان اللہ وبحمدہ کیا قدرت الٰہیہ کا تماشا اور تقدیر الٰہی کا نظارہ ہے کہ گویا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے علم میں ان لوگوں کے حالت کی طرف اشارہ فرمایا دیا۔ جو بندگان رب العلیٰ اور خاصان بارگاہ خدا اس قسم کے کشف والہام سے بیان فرماسکتے ہیں، اور عام کو سمجھا سکتے ہیں۔

ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء واللّٰہ ذوالفضل العظیم

فتویٰ نویسی

جناب سید ایوب علی صاحب نے تحریر کیا کہ امام اہل سنت قدس سرہ نے ۸ سال کی عمر میں ایک مسئلہ فرائض تحریر فرمایا تھا۔ اتفاقاً حضرت رئیس الاتقیاء حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ حضرت کے والد ماجد کی نظر اس پر پڑ گئی، جب وہ گاؤں سے بذریعہ بیل گاڑی تشریف لائے فرمایا: معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ امن میاں (۲۰) نے لکھا ہے ان کو ابھی نہ لکھنا چاہیے مگر ہمیں اس جیسا مسئلہ کوئی بڑا لکھ کر دکھا دے تو میں جانوں۔ (ق ۱۳۷)

بتاریخ ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ میں فاتحہ فراغ کیا اور اسی دن یک رضاعت کا مسئلہ لکھ کر والد ماجد صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ جواب بالکل صحیح تھا۔ والد ماجد صاحب نے ذہن نقاد وطبع وقار دیکھ کر اسی دن فتویٰ نویسی کا کام ان کے سپرد کر دیا۔

پہلا فتویٰ:

ملفوظات حصہ اول ص ۱۱ میں ہے۔ شخص نے اعلیٰ حضرت سے دریافت کیا۔

اگر بچے کی ناک میں کسی طرح دودھ چڑھ کر حلق میں پہنچ گیا ہو تو کیا حکم ہے؟ اس کا جواب ارشاد فرمایا: 'مونھ یا ناک سے عورت کا دودھ جو بچے کے جوف میں پہنچے گا حرمت رضاعت لائے گا' یہی فتویٰ ہے جو چودہ شعبان ۱۲۸۶ھ کو سب سے پہلے اس فقیر نے لکھا اور اسی ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ کو منصب افتا عطا ہوا اور اسی تاریخ سے بحمد اللہ تعالیٰ نماز فرض ہوئی اور ولادت دس شوال المکرم ۱۲۷۲ھ روز شنبہ وقت ظہر مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء ۱۱ جیٹھ سدی ۱۹۱۳ سمبت کو ہوئی تو منصب افتا ملنے کے وقت فقیر کی عمر ۱۳ برس دس مہینے چار دن کی تھی جب اب تک برابر یہی خدمت دین لی جا رہی ہے۔ والحمد للہ (قلمی حیات اعلیٰ حضرت)

کمال فتویٰ نویسی:

مولوی اعجاز ولی خاں صاحب کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کی عمر کا چودہواں سال تھا۔ افتا کا کام حضرت نے اپنے ذمہ لے لیا تھا، کہ ایک شخص رامپور سے حضرت اقدس امام المحققین مولانا نقی علی خاں صاحب رضی اللہ عنہ کی شہرت سن کر بریلی شریف لائے، اور جناب مولانا ارشاد حسین صاحب مجددی کا فتویٰ جس پر اکثر علما کی مواہیر ودستخط ثبت تھے، پیش خدمت کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ کمرہ میں مولوی صاحب ہیں ان کو دے دیجیے جواب لکھ دیں گے وہ کمرہ میں گئے اور آ کر عرض کیا کہ کمرہ میں مولوی صاحب نہیں ہیں۔ فقط ایک صاحبزادہ صاحب ہیں فرمایا: انہیں کو دے دیجیے وہ لکھ دیں گے۔ انہوں نے کہا حضور! میں تو جناب کا شہرہ سن کر آیا تھا حضرت نے فرمایا: آجکل وہی فتویٰ لکھا کرتے ہیں۔ انہیں کو دیجیے۔ اعلیٰ حضرت نے جو اس فتویٰ کو دیکھا ٹھیک نہ تھا۔ اعلیٰ حضرت نے اس جواب کے خلاف تحریر فرمایا اور اپنے والد ماجد صاحب کی خدمت میں پیش فرمایا۔ حضرت نے اُس کی تصدیق وتصویب فرمائی۔ پھر وہ صاحب اس فتویٰ کو دوسرے علما کے پاس لے گئے۔ ان لوگوں نے حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب کی شہرت دیکھ کر انہیں کے فتویٰ کی تصدیق کی۔ جب والی رامپور نواب کلب علی خاں صاحب کی خدمت میں وہ فتویٰ پہنچا، آپ نے شروع سے اخیر تک اس فتویٰ کو پڑھا، اور تمام لوگوں کی تصدیقات دیکھیں۔ دیکھا کہ سب علما کی ایک رائے ہے، صرف بریلی کے دو عالموں نے اختلاف کیا ہے۔ حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب کو یاد فرمایا۔ حضرت تشریف لائے نواب صاحب نے فتویٰ ان کی خدمت میں پیش فرمایا۔ حضرت مولانا کی دیانت اور انصاف پسندی دیکھیے کہ صاف فرمایا: فی الحقیقۃ وہی حکم صحیح جو ان دو صاحبوں نے لکھا۔ نواب صاحب نے پوچھا: پھر اتنے علما نے آپ کے فتویٰ کی تصدیق کس طرح کی؟ فرمایا: ان لوگوں نے مجھ پر اعتماد میری شہرت کی وجہ سے کیا، اور میرے فتویٰ کی تصدیق کی۔ ورنہ حق وہی ہے۔ جو انہوں نے لکھا ہے۔ (ق ۱۳۳، ۱۳۴)

جامع حالات فقیر ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ عرض کرتا ہے کہ فقیر کے پیش نظر فتاویٰ متقدمین ومتاخرین سب ہیں۔ متقدمین میں فتاویٰ ہندیہ تو بے شک اس مقدار میں ہے، جسے اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ سے کچھ نسبت دی جا سکتی ہے، ورنہ اس وقت کے علما میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے، جس کے فتاویٰ کو اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ سے کوئی نسبت ہو۔ یہ باعتبار کمیت ہے کہ اوروں کے فتاویٰ چھوٹے چھوٹے اوراق پر ڈیڑھ سو، دو سو، تین سو صفحات، زیادہ سے زیادہ پانچ سو صفحات تک ہوں گے۔ اور اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ تقطیع کلاں، ہدایہ وترمذی سائز پر ۱۲ جلدوں میں، ہر جلد پچاس ساٹھ نہیں، آٹھ سو یا نو صفحات کے درمیان ہے۔ اور باعتبار کیفیت ونفاست مضامین تو اس کا اور معاصروں کے فتاویٰ کا کوئی جوڑ نہیں۔

فتاویٰ جلد اول کو چھپے ہوئے عرصہ گزرا۔ یہ جلد آٹھ سو اسی صفحات پر ختم ہے۔ اس جلد میں صرف باب التیمم تک کے مسائل ہیں۔ اس میں بظاہر ۱۱۴ فتویٰ اور حقیقۃً ہزار ہا مسائل ہیں، اس اعلیٰ درجہ کی تحقیق وتنقیح کے ساتھ کہ آج تک کسی کتاب میں نہ ملے۔ الحمد للہ کتنے معرکۃ الآرا مسائل کہ بعض

کثرت اختلافات واضطرابات آج تک نامنقح، اُلجھے ہوئے تھے، بفضلہٖ عزوجل ایسے صاف ومنقح ہوئے، جس کی قدر اہل ایمان وانصاف ہی جانیں گے۔ واللہ الحمد۔ اس جلد میں ۲۸ رسائل ہیں۔ اور ۳۵۳۶ (تین ہزار پانچ سو چھتیس)

اقوال:

یعنی خاص افادات اعلیٰ حضرت امام اہل سنت۔ اور ۱۹۴۵ تطفل ومعروضہ ورد۔ علامہ قاضی زادہ روم متوفی ۹۸۸ھ نے نتائج الافکار تکملہ فتح القدیر میں اپنے تین ہزار ابحاث گنائے، جن میں بکثرت شارحین پر لفظی مواخذے ہیں۔ اور پھر وہ کتاب الطہارۃ بھی پوری نہیں۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ ساڑھے تین ہزار سے زیادہ ابحاث خاصہ مصنف ہیں، کہ اکثر تنقیح مسائل وتحقیق دلائل سے متعلق ہیں۔ واللہ الحمد حاسدین جب اپنے اساتذہ وآباء واجداد میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں پاتے، ناچار بدگوئی ویاوہ سرائی سے کام لیتے ہیں۔ اور اللہ حسیب اور حساب قریب ہے۔ مگر الحمد اللہ کہ زمانہ اہل انصاف سے خالی نہیں۔ ان شاء اللہ العزیز وہ کہ حاسدوں کی آنکھ میں خار ہے، حق پسندوں کی نگاہ میں نور، اور دل میں انشراح وسرور ہوگا۔

واللہ المستعان

خوش خطی

علمائے کرام جس درجہ علم وفضل میں کامل ہوتے ہیں، نسبتاً خوش خط نہیں ہوا کرتے۔ ایک بہت بڑے عالم کے متعلق مشہور ہے کہ ان کا خط ایسا تھا کہ دوسرے تو دوسرے بسا اوقات خود ان سے نہیں پڑھا جاتا تھا۔ اسی لیے ان کی تصنیفات کے نسخے مختلف پائے جاتے ہیں۔ کوئی شاگرد لکھنے لگے، کسی جگہ عبارت نہ چلی، حضرت سے دریافت کیا، پڑھا نہ گیا۔ شاگرد نے پوچھا کہ کیا لکھ دوں؟ کوئی لفظ جو اس مفہوم کو ادا کر سکے، بتا دیا۔ دوسری مرتبہ دوسرے نقل کرنے والے نے پوچھا۔ اس وقت جو لفظ مناسب معلوم ہوا، بتا دیا، میں نے خود اپنے معاصرین علما و اساتذۂ زمان کو دیکھا، مگر خوش خط نہ پایا۔ یہ فضل وکمال اعلیٰ حضرت کی خصوصیات سے تھا۔ جس درجہ علم وفضل میں کمال تھا، اسی درجہ نسخ، نستعلیق، شکستہ خطوط بھی بہت پاکیزہ تھے، اور حد درجہ گٹھا ہوا تحریر فرماتے تھے، اور بہت ہی زود نویس نقل کرنے کو عنایت فرماتے، یہ چاروں نقل نہ کرنے پاتے کہ پانچواں ورق تیار ہو جاتا۔ چنانچہ رسالہ مبارکہ فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین علمائے حرمین شریفین کی تصدیق کے لیے بھیجا تھا، اور وقت بہت کم تھا کہ حجاج جلد جانے والے تھے، اس وقت اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ حضور کے مسودات کریمہ میں اس کا بھی مشاہدہ کیا گیا کہ ایک سطر کا مضمون، جو بظاہر گنجان بھی نہیں معلوم ہوتا، اگر نقل کیا جائے تو اس کی مساوی سطر میں نہیں آتا، بلکہ تجاوز کر جاتا ہے، نیز تیز رقم اس قدر کہ ناظرین کو دست مبارک میں رعشہ کا گمان ہوتا، حالانکہ ایسا نہ تھا۔ فقیر نے خود فتاوی رضویہ کی قلمی مجلد میں ایک رسالہ بخط نستعلیق زیارت کی ہے، جو بغیر امداد مسطر تحریر فرمایا ہے مگر بین السطور و دوائر اس قدر مستقیم ومساوی و دیدہ زیب ہیں کہ اگر پرکار سے پیمائش کی جائے تو سر مو فرق نہ ہو۔

جامع حالات فقیر ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ المولی القوی بھی اس کی تصدیق کرتا ہے اور اس رسالہ کا نام مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید ہے۔ میری رائے ہے کہ یہ رسالہ فوٹو کر کے شائع کیا جائے تو بہت بہتر ہو۔ (۲۱) (ق ۹۳، ۱۹۴)

تبلیغ و ہدایت

اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت قدس سرۂ العزیز جس طرح اس امر پر اعتقاد رکھتے تھے کہ حضرات انبیائے کرام (علیہم السلام) اور حضور اقدس (ﷺ) تبلیغ و ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے، اور علمائے کرام ورثۃ الانبیاء ہیں۔ اسی طرح اس پر بھی یقین کامل رکھتے تھے کہ علماء کے ذمہ دو فرض ہیں، ایک تو شریعتِ مطہرہ پر پورے طور پر عمل کرنا، دوسرا فرض مسلمانوں کو انکی دینی باتوں سے واقف بنانا، ان پر مطلع کرنا۔ اسی لئے جہاں کسی کو خلافِ شرع کرتے ہوئے دیکھتے، فرضِ تبلیغ بجالاتے، اور اس کو اپنے فرائض میں داخل سمجھتے۔

مناظرہ کے اصول:

ملفوظات حصہ اول میں ہے۔ اس وقت مولانا مولوی نعیم الدین مرادآبادی اور مولانا مولوی ظفر الدین صاحب اور مولوی احمد مختار صاحب میرٹھی اور مولوی احمد علی صاحب و مولوی رحم الٰہی صاحب ناظم انجمن اہلِ سنت و مدرس اہلسنت مولانا امجد علی صاحب مدرس مدرسہ اہلسنت و مہتمم مطبع اہلسنت وغیرہم حضرات علماء کرام حاضرِ خدمت تھے۔ انجمن آریۂ تاریہ کے مقابل جلسے ہو رہے تھے۔ یہ سب حضرات جلسۂ مناظرہ سے مظفر و منصور واپس آئے تھے۔ رام چندر مناظر آریہ کی چرب زبانی اور بے حیائی کا ذکر ہو رہا تھا کہ بات سمجھنے کی لیاقت نہیں رکھتا، بے حیائی سے کچھ نہ کچھ بکے ضرور جاتا ہے۔

اس پر ارشاد فرمایا: سخت غلطی ہے کہ ایسوں سے زبانی بات چیت ہو۔ اس کا حاصل یہی ہوتا ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ بکے جائے گا، جس سے لوگ جانیں کہ بڑھا مقرر ہے، برابر جواب دے رہا ہے۔ انسان میں یہ قوت نہیں کہ زبان بند کردے۔ بے حیا کفار اللہ عزوجل کے حضور نہ چوکیں گے، وہاں بھی زبان چل ہی جائے گی۔ یہاں تک کہ مونھ پر مہر فرمائی جائے گی۔ اور اعضاء کو حکم ہوگا بول چلو۔

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤی اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝

تو ایسوں سے ہمیشہ تحریری مناظرہ ہونا چاہئے، کہ مکرنے، بدلنے، مچلنے کی گلی نہ رہے، بہت دھوکا ہوتا ہے (کیوں) کہ وہابیہ، وغیر مقلد، وقادیانی وغیرہ تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ اصول چھوڑ کر فروعی مسائل میں گفتگو ہو۔ انہیں ہرگز یہ موقع نہ دیا جائے، ان سے یہی کہا جائے کہ پہلے تم اسلام کے دائرہ میں آلو، اپنا اسلام تو ثابت کرلو، پھر فروعی مسائل میں گفتگو کا حق ہوگا۔ (ق ۲۳۶/۲۳۷)

ایک غیر مسلم کا ایمان لانا:

جناب سید ایوب علی صاحب ہی کا بیان ہے کہ ایک روز ایک مسلمان کسی غیر مسلم کو اپنے ہمراہ لاتے ہیں، اور عرض کرتے ہیں کہ یہ مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ فرمایا کہ کلمہ پڑھوادیا ہے؟

انھوں نے کہا کہ ابھی نہیں۔

حضور نے بلا تاخیر وتساہل بعجیل غیر مسلم کو پڑھنے کا اشارہ کرتے ہوئے یہ الفاظ تلقین فرمائے۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اللہ ایک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد (ﷺ) اس کے سچے رسول ہیں۔ میں ان پر ایمان لایا، میرا دین مسلمانوں کا دین ہے، اس کے سوا جتنے معبود ہیں، سب جھوٹے ہیں، اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہیں ہے، جلانے والا ایک اللہ ہے، مارنے والا ایک اللہ ہے، پانی برسانے والا ایک اللہ ہے، روزی دینے والا ایک اللہ ہے، سچا دین اسلام ہے، اور جتنے دین ہیں سب جھوٹے ہیں۔

اس کے بعد مقراض سے سر کی چوٹی کاٹی، اور کٹورے میں پانی منگوا کر تھوڑا سا خود پیا، باقی اسے دیا، اور اس سے جو بچا، وہ حاضرین مسلمانوں نے تھوڑا تھوڑا پیا، اسلامی نام عبد اللہ رکھا گیا، بعدہٗ جو صاحب لے کر آئے تھے، انہیں فہمائش کی کہ: جس وقت کوئی اسلام میں آنے کو کہے، فوراً کلمہ پڑھا دینا چاہئے کہ اگر کچھ بھی دیر کی، تو گویا اتنی دیر اس کے کفر پر رہنے کی معاذ اللہ رضامندی ہے۔ آپ کو کلمہ فوراً پڑھا دینا چاہئے تھا۔ اس کے بعد یہاں لاتے یا اور کہیں لے جاتے۔

ان صاحب نے یہ سن کر دست بستہ عرض کیا کہ حضور مجھے یہ بات معلوم نہ تھی۔ میں توبہ کرتا ہوں۔ حضور نے فرمایا: اللہ معاف کرے، کلمہ پڑھ لیجئے۔ انہوں نے کلمہ پڑھا اور سلام کر کے چلے گئے۔

ایک آریہ کا مسلمان ہونا:

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ قبل ظہر حضرت استاذ العلماء مولانا مولوی حکیم نعیم الدین صاحب مراد آبادی، وحضرت مولانا مولوی رحم الٰہی صاحب مدرس مدرسہ منظر اسلام بریلی خدمت اقدس میں حاضر ہیں کہ ایک آریہ آتا ہے، اور کہتا ہے: میرے چند سوالات ہیں۔ اگر ان کے جوابات دے دیئے گئے، تو میں اور میری بیوی بچے سب مسلمان ہو جائیں گے۔

چونکہ اذان ہو چکی تھی، نہ معلوم کتنا وقت صرف ہوگا۔ بایں خیال حضور نے فرمایا: ہماری نماز کا وقت ہے، ٹھہر جاؤ، اس کے بعد جو سوال کرو گے۔ ان شآء اللہ تعالیٰ جواب دیا جائیگا۔

وہ کہنے لگا: ایک سوال تو یہی ہے کہ آپ کے یہاں عبادت کے پانچ وقت کیوں مقرر ہیں؟ پرمیشور کی عبادت جتنی بھی کی جائے، اچھا ہے۔

مولانا نعیم الدین صاحب نے فرمایا: یہ اعتراض تو خود تمہارے اوپر آتا ہے۔ مولانا رحم الٰہی صاحب نے فرمایا: میرے پاس، ستیارتھ پرکاش، مکان پر موجود ہے ابھی منگوا کر دکھا سکتا ہوں۔ الغرض! طے پایا کہ جب تک کتاب آئے نماز پڑھ لی جائے .... وہ اتنی دیر پھاٹک میں بیٹھا رہا، بعدہٗ مندرجہ ذیل سوالات پیش کیے۔

۱۔ قرآن تھوڑا تھوڑا کیوں نازل ہوا، ایک دم کیوں نہ آیا؟ جبکہ وہ خدا کا کلام ہے، خدا تو قادر تھا کہ ایک ساتھ اتار دیتا۔

۲۔ آپ کے نبی کو معراج کی رات خدا نے بلایا تو انہیں پھر دنیا میں واپس کیوں کیا؟ وہ تو اسے محبوب تھے۔؟

عبادت پانچ وقت کے متعلق ''ستیارتھ پرکاش'' کی عبارت دیکھنا مشروط ہوئی۔

مذکورہ بالا سوالات سن کر حضور نے فرمایا: میں تمہارے سوالوں کے جوابات ابھی دیتا ہوں، مگر تم نے جو وعدہ کیا ہے، اس پر قائم رہو، اس نے کہا: ہاں! میں پھر کہتا ہوں کہ اگر میرے سوالات کے جواب آپ نے معقول دے دیئے، تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ اور بیوی بچوں کو بھی لا کر مسلمان کرادوں گا۔ جب خوب قول وقرار اور پختہ وعدہ کر لیا، تو حضور نے فرمایا:

پہلے سوال کا تو جواب یہ ہے کہ جو شئے دین ضرورت کے وقت دستیاب ہوتی ہے، اس کی وقعت دل میں زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو بتدریج نازل فرمایا:

پھر فرمایا: انسان بچہ کی صورت میں آتا ہے، پھر جوان ہوتا ہے، پھر بوڑھا۔ اللہ تو قادر تھا بوڑھا ہی کیوں نہ پیدا فرمایا؟

پھر فرمایا: انسان کھیتی کرتا ہے، پہلے پودا نکلتا ہے، پھر کچھ عرصے کے بعد اس میں بالی آتی ہے، اس کے بعد دانہ برآمد ہوتا ہے۔ وہ تو قادر تھا کہ ایک دم غلہ کیوں نہ پیدا فرمایا؟

اس کے بعد ''ستیارتھ پرکاش'' آگئی۔ جس میں حسب ذیل عبارتیں موجود تھیں۔

باب تیسرا (تعلیم) پندرھواں ہیڈنگ ''اگنی ہوتر صبح وشام دو ہی وقت کرے۔

باب چوتھا (خانہ داری) ۶۳ ہیڈنگ ''سندھیا دو ہی وقت کرنا چاہئے''

ان عبارات کو سن کر بجز قائل ہونے کے چارہ ہی کیا تھا۔ لہٰذا اعتراف کرتے ہوئے، معراج شریف والے سوال کا جواب چاہا۔ اس کی نسبت حضور نے ارشاد فرمایا:

اسے یوں سمجھو کہ ایک بادشاہ اپنے مملکت کے انتظام کیلئے ایک نائب مقرر کرتا ہے، وہ صوبہ (دار) یا نائب بادشاہ کے حسب منشا خدمات انجام دیتا ہے۔ بادشاہ اس کی کارگزاریوں سے خوش ہو کر اپنے پاس بلاتا ہے، اور انعام وخلعت فاخرہ عطا فرماتا ہے۔ نہ یہ کہ اسے بلا کر معطل کر دیتا ہے۔ اور اپنے پاس روک لیتا ہے۔

یہ سن کر اس نے کہا کہ آپ نے میری پوری تشفی فرمادی اور میری سمجھ میں خوب آگیا۔ میں ابھی جا کر بیوی بچوں کو لاتا ہوں اور خود بھی مسلمان ہوتا ہوں، ان کو بھی مسلمان کراتا ہوں۔

علم غیب:

ملفوظات حصہ اول میں ہے: ایک صاحب نے علم غیب نبی (ﷺ) کی نسبت سوال کیا (تو) ارشاد فرمایا: قرآن عظیم فرماتا ہے:

ماکان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء ٥

''اے عام لوگوں! اللہ اس لئے نہیں کہ تمہیں غیب پر مطلع فرمادے ہاں اپنے رسولوں سے چن لیتا ہے جسے چاہے۔''

اور فرماتا ہے:

علم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا الامن ارتضی من رسول ٥

''اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں فرماتا مگر اپنے پسندیدہ رسول کو''

.........صرف اظہار ہی نہیں بلکہ رسولوں کو غیب پر مسلط فرمادیا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا: کہ علمائے اہلِ سنت (رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے کہ: جو فضائل اور انبیائے کرام (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کو عنایت فرمائے گئے، وہ سب بالکمل وجوہ اور ان سے بدرجہا زائد حضور سید عالم (ﷺ) کو مرحمت ہوئے۔ اور اہلِ باطن کا اس پر اتفاق ہے کہ جو کچھ فضائل اور انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ملے، وہ سب حضور کے دیے سے، اور حضور کے طفیل میں: اور جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم نے روایت کی:

قال رسول اللہ (ﷺ) انما انا قاسم واللہ یعطی

''میں بانٹنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بابت فرماتا ہے:

وَكَذَالِكَ نُرِىٓ اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ٥

''آسمان وزمین کی ساری سلطنت دکھاتے ہیں''

لفظ نری استمرار وتجدد پر دال ہے، جس کا یہ مطلب کہ وہ کھانا ایک بار کے لیے نہ تھا، بلکہ مستمر ہے۔

تو یہ صفت حضور اکرم ﷺ میں اکمل طور پر ثابت۔ حضور کے دیے سے اور حضور کے طفیل میں حضور کے جد اکرم ﷺ کو یہ فضیلت ملی، اس کا انکار نہ کرے گا، مگر کور باطن **اعاذنا اللّٰہ من ھذہٖ المقیرۃ الباطلۃ** اور لفظ کذالک تشبیہ کے لیے، جسے ہر معمولی عربی داں جانتا ہے، اور تشبیہ کے لیے مشبہ اور مشبہ بہ ضروری ہے۔ مشبہ تو خود قرآن کریم میں مذکور ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام، باقی رہا مشبہ بہ وہ نبی کریم ﷺ ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اے حبیب لبیب! جیسے ہم آپ کو آسمانوں اور زمینوں کی سلطنتیں دکھار ہے ہیں، یوں ہی آپ کے طفیل میں آپ کے والد ماجد حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو بھی ان کا معائنہ کرار ہے ہیں۔

اور قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ

میرا محبوب غیب پر بخیل نہیں۔

یعنی جس میں استعداد پاتے ہیں اسے بتاتے بھی ہیں۔ اور ظاہر کہ بخیل وہ ہے جس کے اس مال ہو اور صرف نہ کرے۔ وہ کہ جس کے پاس مال ہی نہیں کیا بخیل کہا جائے گا؟ اور یہاں بخیل کی نفی کی گئی، تو جب تک کوئی چیز صرف کی نہ ہو، کیا مفاد ہوا؟

لہٰذا معلوم ہوا کہ حضور غیب پر مطلق ہیں، اور اپنے غلاموں کو اس پر اطلاع بخشتے ہیں۔

اور فرماتا ہے:

نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

ہم نے تم پر یہ کتاب ہر شئی کا روشن بیان کردینے کے لیے اُتاری

تبیاناً ارشاد فرمایا، بیاناً نہ فرمایا کہ معلوم ہو جائے کہ اس میں بیان اشیا اس طرح پر ہے کہ اصلاً خفا نہیں۔

اور حدیث میں ہے جسے امام ترمذی وغیرہ نے دس صحابہ سے روایت کیا کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں: ایک روز ہم صبح کو نماز فجر کے لیے مسجد نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے، اور حضور کی تشریف آوری میں دیر ہوئی۔ **حتی کدنا ان نترائی الشمس** یعنی قریب تھا کہ آفتاب طلوع کر آئے۔ اتنے میں حضور تشریف لے آئے، اور نماز پڑھائی۔ پھر صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: تم جانتے ہو کیوں دیر ہوئی؟ سب نے عرض کی: اللہ ورسولہ اعلم،

اللہ ورسول خوب جانتے ہیں۔ارشادفرمایا: **اتانی ربی فی احسن صورۃ** میرا رب سب سے اچھی تجلی میں میرے پاس تشریف لایا۔
یعنی میں ایک دوسری نماز میں مشغول تھا۔اس نماز میں عبد درگاہ رب معبود میں حاضر ہوتا ہے،اور وہاں خود ہی معبود کی عبد پر تجلی ہوئی۔

قال یا محمد فیم یختصم الملاء الاعلی اس نے فرمایا: اے محمد ﷺ! یہ فرشتے کس بات میں مخاصمہ اور مباہات کرتے ہیں؟

فقلت لاادری میں نے عرض کی: اے میرے رب! بے تیرے بتائے کیا جانوں؟ **فوضع کفه بین کتفی فوجدت برد انا ملہ بین ثدیی فتجلی لی کل شی و عرفت** تو رب العزت نے اپنا دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا اور اس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں پائی،اور میرے سامنے ہر چیز روشن ہوگئی،اور میں نے پہچان لی۔صرف اسی پر اکتفانہ فرمایا کہ کسی وہابی صاحب کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ **کل شیئ** سے مراد ہر شے متعلق بشرائع ہے۔بلکہ ایک روایت میں فرمایا: **مافی السماء والارض** میں نے جان لیا جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اور دوسری روایت میں فرمایا: **فعلمت ما بین المشرق والمغرب** اور میں نے جان لیا جو کچھ مشرق سے مغرب تک ہے۔

یہ تینوں روایتیں صحیح ہیں تو تینوں لفظ ارشاد اقدس سے ثابت ہیں۔یعنی میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے،اور جو کچھ مشرق سے مغرب تک ہے ہر چیز مجھ پر روشن ہوگئی،اور میں نے پہچان لی۔اور روشن ہونے کے ساتھ پہچان لینا اس لیے فرمایا کہ کبھی شی معروف ہوتی ہے پیش نظر نہیں،اور کبھی شی پیش نظر ہوتی ہے،معروف نہیں۔جیسے ہزاروں آدمیوں کی مجلس کو چھت پر سے دیکھو،وہ سب تمہارے پیش نظر ہوں گے،مگر ان میں بہت کو پہچانتے نہ ہوگے۔اسی لیے ارشاد فرمایا کہ تمام اشیائے عالم ہمارے پیش نظر بھی ہوگئیں۔اور ہم نے پہچان بھی لیں کہ ان میں نہ کوئی ہماری نگاہ سے باہر رہی نہ علم سے خارج۔والحمد اللہ رب العالمین

مسلمان دیکھیں! نصوص میں بلاضرورت تاویل وتخصیص باطل ونا مسموع ہے۔اللہ عزوجل نے فرمایا: ہر چیز کا روشن بیان کردینے کو یہ کتاب ہم نے تم پر اتاری۔نبی ﷺ نے فرمایا: ہر چیز مجھ پر روشن ہوگئی،اور میں نے پہچان لی۔۔تو بلاشبہ یہ رویت ومعرفت،جمیع مکنونات قلم ومکتوبات لوح کو شامل ہے،جس میں سب **ماکا ن ویکون من الیوم الاول الی یوم الاخر و جملہ ضمائر و خواطر** سب کچھ داخل۔

ولہذا طبرانی ونعیم بن حماد استاذ امام بخاری وغیرہا نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

ان اللہ قدر فع لی الدنیا فانی انظر الیها والی ماهو کائن فیها الی یوم القیمة کانما انظر الی کفی هذه

بیشک اللہ تعالی نے میرے سامنے دنیا اٹھالی ہے،تو میں اسے اور اس میں جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو۔
اور حضور کے صدقہ میں اللہ تعالی نے حضور کے غلاموں کو یہ مرتبہ عنایت فرمایا: ایک بزرگ فرماتے ہیں: وہ مرد نہیں جو دنیا کو مثل ہتھیلی کے نہ دیکھے۔۔
انہوں نے سچ فرمایا: اپنے مرتبہ کا اظہار کیا۔
ان کے بعد حضرت شیخ بہاء الملۃ والدین نقشبند قدس سرہ نے فرمایا: میں کہتا ہوں مرد وہ نہیں جو تمام عالم کو انگھوٹھے کے ناخن کے مثل نہ دیکھے۔
اور وہ جو نسب میں حضور کے صاحبزادے اور نسبت میں حضور کے ایک اعلیٰ جاہ کفش برادر ہیں،یعنی حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ قصیدہ غوثیہ شریف میں ارشاد فرماتے ہیں:

نظرت الیٰ بلاد اللہ جمعا
کخردلة علی حکم اتصال

'یعنی میں نے اللہ تعالی کے شہروں کو مثل رائی کے دانے کے ملاحظہ کیا۔اور یہ دیکھنا کسی خاص وقت سے خاص نہیں۔بلکہ علی الاتصال یہی حکم ہے۔'
اور فرماتے ہیں:

ان بوبوۃ عینی فی اللوح المحفوظ
'میری آنکھ کی پتلی لوح محفوظ میں لگی ہے۔'

لوح محفوظ کیا ہے؟ اس کے بارے میں اللہ تعالی فرماتا ہے:

كُلُّ صَغِيرٍ وَّكَبِيرٍ مُّسْتَطَر 'ہر بڑی چھوٹی چیز لکھی ہوئی ہے۔'

اور فرماتا ہے:

مَافَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْئٍ 'ہم نے کتاب میں کوئی شے اٹھانہ رکھی۔'

اور فرماتا ہے:

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِى كِتٰبٍ مُّبِين   'کوئی تر خشک ایسا نہیں جو کتاب مبین میں نہ ہو۔'

تو جب لوح محفوظ کی یہ حالت ہے کہ اس میں تمام کائنات روز اول سے روز آخر تک محفوظ ہیں تو جس کو اس کا علم ہو بیشک اسے ساری کائنات کا علم ہوگا۔ (ق،ن ۲۲۳ تا ۲۲۷)

ملفوظات حصہ اول ہی میں ہے:

ایک صاحب شاہجہاں پور سے حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں نے سنا ہے اور بعض دیوبندیوں کی کتابوں میں دیکھا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر فرماتا ہے؟ مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، اس لیے میں نے چاہا کہ حاضر ہو کر کچھ حضرت کا اس بارے میں خیال ہو دریافت کروں۔

اس پر ارشاد فرمایا:

اس کا فیصلہ تو خود قرآن مجید نے فرمادیا ہے:

فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ

'جو میرے عقائد ہیں وہ میری کتابوں میں لکھے ہیں، جو چھپ کر شائع ہو چکی ہیں، اس کا نام ونشان ہو تو کوئی دکھادے۔'

ہم اہل سنت کا مسئلہ علم غیب میں یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو علم غیب عنایت فرمایا۔ رب عزوجل فرماتا ہے:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ

'یہ نبی غیب کے بتانے میں بخیل نہیں۔'

تفسیر معالم وخازن میں ہے: یعنی حضور کو علم غیب آتا ہے وہ تمہیں بھی تعلیم فرماتے ہیں۔ اور وہابیوں، دیوبندیوں کا خیال ہے کہ کسی غیب کا حضور کو علم نہیں، اپنے خاتمہ کا بھی علم نہیں، دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہیں، بلکہ حضور کے لیے علم غیب ماننا شرک ہے۔ اور شیطان کی وسعت علم نص سے ثابت ہے اور اللہ کے دیے سے بھی حضور کو علم غیب حاصل نہیں ہوسکتا۔

برابری تو در کنار، میں نے اپنی کتابوں میں تصریح کردی ہے کہ اگر تمام اولین وآخرین کا علم جمع کیا جائے تو اس علم کو علم الٰہی سے وہ نسبت ہرگز نہیں ہو سکتی جو ایک قطرہ کے کروڑویں حصہ کو سمندر سے ہے کہ یہ نسبت متناہی کی متناہی کے ساتھ ہے، اور وہ غیر متناہی۔ متناہی کو غیر متناہی سے کیا نسبت ہوسکتی ہے؟ (ق،ن ۲۲۷)

فرقه وهابیه کب و جود میں آیا:

ملفوظات حصہ اول ہی میں ہے: کسی صاحب نے عرض کی: حضور خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی فرقہ وہابیہ تھا؟

ارشاد ہوا: ہاں! یہی فرقہ ہے جسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے فہمائش کی اجازت چاہی اور بحکم امیر المومنین تشریف لے گئے، اور ان سے پوچھا: کیا بات امیر المومنین کی تم کو ناپسند آئی؟

انہوں نے کہا: واقعہ صفین میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا، یہ شرک ہوا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ   'حکم نہیں مگر اللہ کے لیے۔'

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اسی قرآن کریم میں یہ آیات بھی تو ہے:

فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَا اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا

'زن وشوہر میں خصومت ہو تو ایک حکم اس کی طرف سے بھیجو اور ایک حکم اس کی طرف سے اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ ان میں میل کردے گا۔'

دیکھو وہی طریقہ استدلال ہے، جو وہابیہ کا ہوتا ہے کہ علم غیب وامداد وغیرہما میں ذاتی عطائی کے فرق سے آنکھ بند اور نفی کی آیتوں پر دعویٰ ایمان اور اثبات کی آیتوں سے کفر۔

اس جواب کو سن کر ان میں سے پانچ ہزار تائب ہوئے، اور پانچ ہزار کے سر پر موت سوار تھی، وہ اپنی شیطنت پر قائم رہے۔ امیر المومنین نے ان کے قتل کا حکم فرمایا۔ امام حسن وامام حسین اور دیگر اکابر رضی اللہ عنہم کو ان کے قتل میں تامل ہوا کہ یہ قوت رات بھر تہجد اور دن بھر تلاوت قرآن میں بسر کرتی ہے، ہم کیونکر ان پر تلوار اٹھائیں؟ مگر امیر المومنین کو تو عالم ماکان ومایکون صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دیدی تھی کہ نماز روزہ وغیرہ ظاہری اعمال کے بشدت پابند ہوں گے، باایں ہمہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر نشانہ سے، قرآن پڑھیں گے مگر ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گا۔

امیر المومنین کے حکم سے لشکران کے قتل پر مجبور ہوا، عین معرکہ میں خبر آئی کہ وہ نہر کے اس پار اتر گئے۔ امیر المومنین نے فرمایا: واللہ ان میں سے دس اس پار نہ جائیں گے، سب اسی طرف قتل ہوں گے۔

جب سب قتل ہو چکے۔ امیر المومنین نے لوگوں کے دلوں سے ان کے تقویٰ وطہارت وتہجد وتلاوت کا وہ خدشہ دفع فرمانے کے لیے فرمایا: 'تلاش کرو اگر ان میں ذوالثدیہ پایا جائے تو تم نے بدترین اہل زمین کو قتل کیا۔۔ تلاس کیا گیا، (تو) لاشوں کے نیچے نکلا جس کا ایک پستان زن کے مشابہ تھا۔ امیر المومنین نے تکبیر کہی، اور حمد الٰہی بجالائے، اور لشکر کے دل کا شبہ اس غیب کی خبر بتانے اور مطابق آنے سے زائل ہو گیا۔ کسی نے کہا: حمد ہے اسے جس نے ان کی نجاست سے زمین کو پاک کیا۔ امیر المومنین نے فرمایا: کیا سمجھتے ہو کہ یہ لوگ ختم ہو گئے؟ ہرگز نہیں، ان میں سے ایک گروہ ہلاک ہوگا، دوسرا سر اٹھائے گا حتی **یخرج اخرھم مع الدجال** 'یہاں تک کہ ان پچھلا گروہ دجال کیساتھ نکلے گا۔'

یہی وہ فرقہ ہے کہ ہر زمانہ میں نئے رنگ، نئے نام سے ظاہر ہوتا رہا، اور اب اخیر وقت وہابیہ کے نام سے پیدا ہوا، ان کی جو جو علامتیں صحیح حدیثوں میں ارشاد فرمائی ہیں، سب ان میں موجود ہیں۔ **تحقرون صلاتکم عند صلاتھم و میامکم عند صیامھم و اعمالکم عند اعمالھم** تم ان کی نمازوں کے سامنے اپنی نماز کو حقیر جانوں گے اور ان کے روزوں کے آگے اپنے روزوں کو اور ان کے اعمال کے آگے اپنے اعمال کو **یقرئون القرآن لا یجاوز طراقیھم** قرآن پڑھیں گے، ان کے گلوں سے نیچے نہ اترے گا **یقولون من قول خیر البریہ** بظاہر وہ بات کہیں گے کہ سب کی باتوں سے اچھی معلوم ہو **یا من قول خیر البریہ** یعنی بات بات پر حدیث کا نام لیں گے۔ اور حال یہ ہوگا کہ **یمرقن من الدین کما یمرق السھم من الرمیہ** دین سے نکل جائیں گے جیسے تیر نشانہ سے **سیما ھم التحلیق** ان کی علامت یہ ہے کہ ان میں اکثر سر مونڈے **مشمری الازر** گھٹنی ازاروں والے۔

ان کے پیشوا ابن عبدالوہاب نجدی کو سر منڈانے میں یہاں تک غلو تھا کہ جو عورت اس کے دین ناپاک میں داخل ہوتی اس کا بھی سر منڈا دیتا کہ یہ زمانہ کفر کے بال ہیں، انہیں دور کر۔ یہاں تک کہ ایک عورت نے کہا: جو مرد تمہارے دین میں داخل ہوان کی داڑھیاں منڈوایا کرو کہ وہ بھی تو زمانہ کفر کے بال ہیں۔ اس وقت سے باز آیا۔ اور اب وہابیہ کو دیکھئے ان میں اکثر وہی سر منانے اور گھٹنے پائچے والے ہیں۔

اس سلسلہ میں فرمایا کہ:

عزوہ حنین میں حضور اقدس ﷺ نے جو غنائم تقسیم فرمائے، اس پر ایک وہابی نے کہا کہ میں اس تقسیم میں عدل نہیں پاتا، کیونکہ کسی کو زیادہ کسی کو کم عطا فرمایا۔ اس پر فاروق اعظم نے عرض کیا: اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماردوں؟ (حضور ﷺ نے) فرمایا کہ اسے رہنے دے کہ اس کی نسل سے ایسے ایسے لوگ (جیسے وہابیہ) پیدا ہونے والے ہیں، اور اس سے فرمایا: افسوس اگر میں تجھ پر عدل نہ کروں، تو کون عدل کرے گا؟ اور فرمایا: اللہ تعالیٰ رحم فرمائے میرے بھائی موسیٰ پر کہ اس سے زائد ایذا دیے گئے۔

علمائے کرام فرماتے ہیں: حضور اقدس ﷺ کی ایک اس دن کی عطا تمی بادشاہوں کی عمر بھر کی داد و دہش سے زائد تھی۔ جنگل غنائم سے بھرے ہوئے ہیں، اور حضور عطا فرما رہے ہیں، اور مانگنے والے ہجوم کرتے چلے آتے ہیں، اور حضور پیچھے ہٹتے جاتے ہیں، یہاںتک کہ جب سب اموال تقسیم ہو لیے، ایک اعرابی نے ردائے مبارک بدن اقدس پر سے کھینچ لی کہ شانہ پشت مبارک پر اس کا نشان بن گیا، اس پر اتنا فرمایا: اے لوگو! جلدی نہ کرو، واللہ کہ تم مجھ کو کسی وقت بخیل نہ پاؤ گے۔ حق ہے اے مالک عرش کے نائب اکبر! قسم ہے اس کی جس نے حضور کو حق کیساتھ بھیجا کہ دونوں جہان کی نعمتیں حضور ہی کی عطا ہیں، دونوں جہاں حضور کی عطا سے ایک حصہ ہے۔

فان من جو دك الدنیا و ضرتها

ومن علومک علم اللوح والقلم

بیشک دنیا و آخرت حضور کی بخشش سے ایک حصہ ہیں، اور لوح قلم کے تمام علوم ما کان و ما یکون حضور کے علام سے ایک ٹکرا ہے۔

صلی اللہ علیک وسلم اعلیٰ الک واصحابک وبارک وکرم

ایک روز بارگاہ رسالت میں صحابہ کرام حاضر ہیں، ایک شخص آیا اور کنارہ مجلس اقدس پر کھڑے ہو کر مسجد میں چلا گیا۔

(حضور ﷺ نے) فرمایا: کون ہے کہ اسے قتل کرے؟

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اٹھے، ادھر جا کر دیکھا، وہ نہایت خضوع خشوع سے نماز پڑھ رہا ہے۔ صدیق اکبر کا ہاتھ نہ اٹھا کہ ایسے نمازی کو عین نماز کی حالت میں قتل کریں۔ واپس حاضر ہوئے، اور سب ماجرا عرض کیا۔

ارشاد فرمایا: کون ہے کہ اسے قتل کرے؟

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اٹھے اور انھیں بھی وہی واقعہ پیش آیا۔

حضور نے پھر ارشاد فرمایا کہ کون ہے کہ اسے قتل کرے؟

مولیٰ علی اُٹھے اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میں۔

فرمایا: ہاں تم! اگر تمہیں ملے، مگر تم اسے نہ پاؤ گے۔۔ یہی ہوا مولا علی رضی اللہ عنہ جب تک جائیں، وہ نماز پڑھ کر چلتا ہوا۔

ارشاد فرمایا: اگر تم اسے قتل کر دیتے تو امت پر بڑا فتنہ اُٹھ جاتا۔

یہ تھا وہابیہ کا باپ جس کی ظاہری و معنوی نسل آج دنیا کو گندہ کر رہی ہے، اس نے مجلس اقدس کے کنارے کھڑے ہو کر ایک نگاہ سب پر کی، اور دل میں یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ مجھ جیسا ان میں ایک بھی نہیں، یہ غرور تھا اس خبیث کو اپنی نماز و تقدس پر، اور نہ جانا کو نماز ہو یا کوئی عمل صالح وہ سب اس سرکار کی غلامی و بندگی کی فرع ہے، جب تک ان کا غلام نہ ہولے کوئی بندگی کام نہیں دے سکتی۔

ولہٰذا قرآن عظیم میں ان کی تعظیم کو اپنی عبادت سے مقدم رکھا کہ فرمایا:

لِتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا

تا کہ تم ایمان لاؤ اللہ و رسول پر اور اس رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۔ تم سب میں مقدم ایمان ہے کہ بے اس کے تعظیم رسول ﷺ مقبول نہیں۔ اس کے بعد تعظیم رسول ہے کہ بے اس کے نماز اور کوئی عبادت مقبول نہیں۔ اس کے بعد تعظیم رسول ہے کہ بے اس کے نماز اور کوئی عبادت مقبول نہیں۔ یوں عبداللہ تمام جہاں ہے مگر سچا عبداللہ وہ ہے جو عبدالمصطفےٰ ہے، ورنہ عبدالشیطان ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ (ق ۲۲۷ تا ۲۳۱)

قضا نمازیں ادا کرنے کا طریقہ:

ملفوظات حصہ اول میں ہے: کسی نے قضا نمازوں کا ادا کا مسئلہ دریافت کیا۔

ارشاد ہوا: قضا نمازیں جلد از جلد ادا کرنا لازم ہیں، نہ معلوم کس وقت موت آجائے۔ کیا مشکل ہے ایک دن کی بیس رکعتیں ہوتی ہیں۔ (فجر کے فرضوں کی دو رکعت، ظہر کی چار، عصر کی چار، مغرب کی تین، عشا کی چار فرض، تین وتر) ان نمازوں کو سوائے طلوع و غروب و زوال کے (کہ اس وقت سجدہ حرام ہے) ہر وقت ادا کر سکتا ہے، اور اختیار ہے کہ پہلے فجر کی سب نمازیں ادا کرے، پھر ظہر، پھر عصر، پھر مغرب، پھر عشاء کی۔ یا سب نمازیں ساتھ ساتھ ادا کرتا جائے، اور ان کا ایسا حساب لگائے کہ تخمینہ میں باقی نہ رہ جائیں۔ زیادہ ہو جائیں تو حرج نہیں، اور وہ سب بقدر طاقت رفتہ رفتہ جلد ادا کرے، کاہلی نہ کرے۔ جب تک فرض ذمہ باقی رہتا ہے کوئی نفل قبول نہیں کیا جاتا ہے۔ نیت ان نمازوں کی اس طرح ہو۔ مثلاً سو بار کی فجر قضا ہے، تو ہر بار یوں کہے کہ سب سے پہلے فجر جو مجھ سے قضا ہوئی ہے، ہر دفعہ یہی کہے۔ یعنی جب ایک ادا ہوئی، تو باقیوں میں سب سے پہلی ہے۔ اسی طرح ظہر وغیرہ ہر نماز میں نیت کرے۔ جس پر بہت نمازیں قضا ہوں، اس کے لیے صورت تخفیف، اور جلد ادا ہونے کی یہ ہے خالی رکعتوں میں بجائے، الحمد شریف ۳ بار سبحان اللہ کہے، اگر ایک بار بھی کہ لے گا، تو فرض ادا ہو جائے گا۔ نیز تسبیحات رکوع و سجود میں صرف ایک بار **سبحن ربی العظیم، سبحن ربی الاعلیٰ** پڑھ لینا کافی ہے۔ تشہد کے بعد دنوں درود شریف کے بجائے **اللّٰھم صل علی سیدنا محمد و آلہ**، وتروں میں بجائے دعائے قنوت **رب اغفرلی** کہنا کافی ہے۔ طلوع آفتاب کے بیس منٹ بعد اور غروب آفتاب سے بیس منٹ قبل نماز ادا کر سکتا ہے۔ اس کے پہلے یا بعد ناجائز ہے۔ ہر ایسا شخص جس کے ذمہ نمازیں باقی ہیں، چھپ کر پڑھے کہ گناہ کا اعلان جائز نہیں۔

اسی سلسلہ میں ارشاد فرمایا:

اگر کسی شخص کے ذمہ تیس چالیس سال کی نمازیں واجب الادا ہیں، اس نے اپنے ان ضروری کاموں کے علاوہ، جن کے بغیر گزر نہیں، کاروبار ترک کر کے پڑھنا شروع کیا، اور پکا ارادہ کر لیا کہ کل نمازیں ادا کر کے آرام لوں گا، اور فرض کیجئے اسی حالت میں ایک مہینہ یا ایک ہی دن کے بعد اس کا انتقال ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ اپنے رحمت کاملہ سے اس کی سب نمازیں ادا کرے گا۔

قال اللہ تعالیٰ:

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ

جو اپنے گھر سے اللہ و رسول کی طرف ہجرت کرتا ہوا نکلے پھر اسے راستہ میں موت آجائے، تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ کرم پر ثابت ہو چکا۔ یہاں مطلق فرمایا، گھر سے اگر ایک ہی قدم نکلا، اور موت نے آلیا، تو پورا کام اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا، اور کامل ثواب پائے گا۔ وہاں نیت دیکھتے ہیں، سارا دارومدار حسن نیت پر ہے۔ (ق ۳۳۳/۳۳۵)

نماز میں نظر کہاں ہو:

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ بعد نماز ظہر حضور مسجد میں وظیفہ پڑھ رہے تھے کہ ایک اجنبی صاحب نے سامنے آکر نیت باندھی، جب رکوع کیا تو گردن اٹھائے ہوئے سجدہ گاہ کو دیکھتے رہے۔ فارغ ہونے پر حضور نے پاس بلا کر دریافت کیا کہ رکوع کی حالت میں اس قدر گردن آپ نے کیوں اٹھائی تھی؟ انہوں نے عرض کیا۔ حضور! سجدہ کی جگہ کو دیکھ رہا تھا۔ فرمایا: سجدہ میں کیا کیجئے گا؟ پھر فرمایا: بحالت قیام نظر سجدہ گاہ پر، اور بحالت قعود اپنی گود پر نظر رکھنا چاہیے، نیز سلام پھیرتے وقت کاتبین کو ملحوظ رکھتے ہوئے، اپنے شانوں پر نظر ہونا چاہیے۔

جامع حالات فقیر ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ کہتا ہے، اسی کے قریب ایک واقعہ دہلی میں پیش آیا تھا۔ حضور کسی مسجد میں نماز پڑھ کر وظیفہ میں مشغول تھے، کہ ایک صاحب نماز پڑھنے کے لیے تشریف لائے، اور حضور کے قریب ہی نماز پڑھنے لگے۔ جب قیام کیا تو دیوار مسجد کو تاکتے رہے۔ جب رکوع میں گئے تو ٹھوڑی اوپر اٹھا کر دیوار مسجد کی طرف دیکھتے رہے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے، اس وقت تک اعلیٰ حضرت بھی وظیفہ سے فارغ ہو چکے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے ان کو پاس بلا کر مسئلہ بتایا کہ نماز پڑھنے میں کس کس حالت میں کہاں کہاں نگاہ ہونی چاہیے، اور فرمایا: بحالت رکوع پاؤں کی انگلیوں پر نگاہ ہونی چاہیے۔

یہ سن کر وہ قابو سے باہر ہو گئے۔ اور کہنے لگے، واہ صاحب! بڑے مولانا بنتے ہیں۔ میرا منہ قبلہ سے پھیر دیتے ہیں، نماز میں قبلہ کی طرف منہ ہونا ضروری ہے۔ اعلیٰ حضرت نے ان صاحب کی سمجھ کے مطابق کلام فرمایا اور دریافت کیا: تو سجدہ میں کیا کیجئے گا؟ پیشانی زمین پر لگانے کے بدلے ٹھوڑی زمین پر لگایئے گا؟

یہ چبھتا ہوا فقرہ سن کر بالکل خاموش ہو گئے، اور ان کے سمجھ میں بات آگئی کہ قبلہ رو ہونے کے یہ معنی ہیں کہ قیام کے وقت نہ کہ از وال تا آخر قبلہ کی طرف منہ کر کے دیوار مسجد کو تارا کرنے۔

اللہ کے لیے لفظ میاں کا استعمال:

سید ایوب علی صاحب ہی کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اسم جلالت کیساتھ عوام لفظ میاں لگاتے ہیں، اس سے اجتناب کرنا چاہیے کہ میاں کے دو معنی خراب اور ایک اچھا ہے۔

علیہ السلام اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استعمال:

صرف انبیائے کرام و مرسلین اور فرشتوں کے اسماطیبہ کے ساتھ علیہ السلام خاص ہے، اور یہی معصوم کہے جاسکتے ہیں۔ خلفائے اربعہ یا امامین کریمین یا دیگر صحابہ و بزرگان دین کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھنا چاہیے۔ ص، ع، رض، رح، صلعم ممنوع ہیں۔ بلکہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، علیہ السلام، رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رحمۃ اللہ علیہ لکھنا چاہیے۔

نعت شریف لکھنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے:

نعت شریف لکھنا بہت مشکل ہے، تلوار کی دھار پر چلنا ہے، اگر اتنا بڑھا کہ الوہیت میں پہنچا جاتا ہے، تو مارا گیا، اور شمہ برابر تنقیص ہوئی، تو مارا گیا۔ پھر فرمایا۔۔۔ 'وہ لفظ جو معشوق مجازی کے لیے آتے ہیں جیسے 'رعنا' دلربا' نعت شریف میں ممنوع ہیں۔ نہ تشبیہات تانیثی جیسے لیلیٰ کا استعمال ہو۔ نیز بجائے نام اقدس (محمد) ﷺ اسمائے صفاتی ہوں تو بہتر ہے۔ خصوصاً ندا کے وقت مثلاً یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ، ضروری ہے، نام اقدس لے کر ندا حرام ہے، اور غیر ندا میں بھی "ساقی کوثر، یا آفتاب رسالت، شفیع المذنبین، وغیرہ کہنا اور لکھنا چاہئے۔ اسی طرح 'یثرب' کالی کملیا، رشک قمر وغیرہ متروک ہیں۔ تخیلات خلاف واقع یا مبالغات نہ ہونا چاہیے، مثلاً حضرت کے فراق میں دن رات روتا ہوں۔ دیگر انبیائے کرام علیہ الصلوۃ والسلام کے مراتب عالیہ ملحوظ رہیں۔ معاذ اللہ توہین نہ ہونے پائے۔

لفظ عدالت یا سرکار کا استعمال:

جناب سید ایوب علی صاحب ہی کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت بجائے عدالت کے کچہری کا لفظ استعمال فرمایا کرتے۔ کسی صاحب علاقہ، یا رؤسا یا امرا میں سے کسی کو کوئی سرکار کہتا، تو کبیدہ خاطر ہوتے، اور فرماتے کہ سرکار نہ کہیے، سرکار صرف سرکار مدینہ ﷺ ہیں۔

اوپر خدا نیچے آپ کہنے کی ممانعت:

دست سوال دراز کرتے وقت بعض مظلوک الحال اپنی عسرت کا اظہار کرتے کرتے، اس نواح میں ایک جملہ یہ بھی کہہ دیتے ہیں: اوپر خدا ہے، اور نیچے آپ ہیں۔ اس جملہ کو جہاں سائل نے شروع کیا، اعلیٰ حضرت فوراً روک دیا کرتے تھے۔

ناموں میں عبد چھوڑنے کی بلا:

ارشاد فرمایا: یہ ایک عام بلا ہے کہ نام عبدالکریم، عبدالرحیم، عبدالرشید، عبدالجلیل، عبدالقدیر ہیں، مگر زبان زد ہے کریم، رحیم، رشید، جلیل، یونہیں سمیع، بصیر، حکیم، باسط، قادر، رحمٰن، قیوم، منان، حنان، مبین۔ اور اس مرض میں جاہل، کم فہم طبقہ ہی نہیں بلکہ نئی روشنی کے تعلیم یافتہ بھی مبتلا ہیں کہ عبدالرشید، عبدالشکور، عبدالحمید، کو رشید صاحب شکور صاحب، مجید صاحب کہتے ہیں، یہ کیسے تعلیم یافتہ ہیں، جنھیں عبد و معبود میں امتیاز نہیں؟ عبدالباسط کے معنی یہی تو ہیں، باسط کا بندہ۔ مگر بولا جاتا ہے، باسط صاحب، یعنی عبدالباسط اور باسط کے ایک معنی ہیں۔ تو اس ترکیب کی رو سے عبدالرحمٰن، عبداللہ جس کے نام ہیں، انہیں نعوذ باللہ، رحمٰن صاحب، اللہ صاحب کہتے کیوں زبان لکنت کرتی ہے۔

ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم!

بعض ناموں کے احکام:

محمد نبی، احمد نبی، نبی جان، محمد یسین، شفیع الدین، غفورالدین، رحمٰن احمد، سبحان احمد سارے ممنوعہ ہیں، بجائے ان کے محمد یحییٰ، یحییٰ احمد جان، غلام نبی، غلام محمد، غلام یٰسین، غریب اللہ، عبدالرحمٰن، عبدالسبحان رکھ سکتے ہیں۔ غفورالدین کے معنی ہیں، دین کا مٹانے والا۔

آخری چہار شنبہ:

یہ جو مشہور ہے کہ آخری چہار شنبہ میں حضور اقدس ﷺ کو صحت ہوئی یہ بے اصل ہے۔

بیت الخلاء میں تخیلات نعت کی ممانعت:

حضرات نعت گو کو چاہیے کہ بیت الخلا میں تخیلات پر زور نہ دیں، نیز جو شعر نعت میں آچکا ہو، اس کو من و تو کی طرف منسوب کرنا نہ چاہیے۔

خطبہ کے وقت کی ممنوع چیزیں:

خطیب بارادۂ خطبہ جس وقت منبر کی طرف چلے کلام کرنے کی مقتدیوں کو ممانعت ہے۔ نہ کسی طرح کا اشارہ کرے کہ وہ بھی کلام میں داخل ہے۔ حتیٰ کہ خطبہ میں اگر نام اقدس سنے، تو دل میں درود شریف پڑھے زبان سے نہیں۔ اکثر ناواقف مقتدی اذان خطبہ کے بعد دست دعا دراز کردیتے ہیں۔ اور بعض لوگ خطبہ ہو رہا ہے، اس وقت سنتیں پڑھنے لگتے ہیں، یہ نہ چاہیے۔ اور مسلمانوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا، اگلی صفوں میں پہنچنے کی سعی نہ کرے۔ ہاں! صف بندی کے وقت کوشاں ہو، تو حرج نہیں، مگر کسی کو ایذا نہ پہنچے۔

چین اور انگوٹھی کے مسائل:

مرد کو ایک انگوٹھی، ایک نگ کی نقرئی (چاندی کی) ساڑھے چار ماشہ سے کم پہننا چاہیے، سونے کی انگوٹھی مرد کو منع ہے۔ ہاں بٹن بغیر زنجیر کے پہن سکتا ہے۔ گھڑی میں چین مطلقاً چاندی کی یا مغربی ٹوپی یا جوتہ یا کلائی پر باندھنے والی گھڑی کی زنجیر چاندی کی ممنوع ہیں۔

جانوروں کو جلانا منع ہے:

جانور موذی ہو یا غیر موذی جلانا نہ چاہیے۔ عام طور پر سے لوگ چارپائیوں سے کھٹمل دور کرنے کے لیے تیز گرم پانی ڈالا کرتے ہیں، یا بروں کے چھتے میں آگ لگا دیتے ہیں یہ نہ چاہیے۔

ماء مستعمل کا ایک مسئلہ:

مشہور ہے کہ لوٹے میں بھرا ہوا پانی اگر پانچوں انگلیاں ڈھانکے ہوئے اٹھالیا تو مکروہ ہو جاتا ہے، یہ غلط ہے۔
اگر کوئی ٹونٹی سے پانی پی لیا، تو مستعمل نہ ہوگا۔ ہاں! لوٹے کے گلے سے پیا تو مستعمل ہو جائے گا۔

غسل میت کا گھڑا توڑنا منع ہے:

غسل میت کے لیے جو گھڑا، لوٹے آتے ہیں، انہیں بعد غسل توڑ ڈالتے ہین، یہ تضیع مال ہے۔ مسجد میں رکھوا دینا چاہیے۔

وعظ و تقریر

حضرت سیّد اسماعیل حسن میاں صاحب نے فرمایا: کہ جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب وعظ بیان فرمانے میں بہت احتراز فرماتے تھے۔ ایک بار جامع مسجد سیتا پور میں ایک صاحب نے بلا اجازت و علم مولانا کے وعظ کا اعلان کر دیا' لوگ رک گئے۔ مولانا کو ان کا اعلان کرنا بہت ناگوار گزرا' مگر جناب مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی نے فرمایا کہ مولانا! لوگ رکے ہوئے ہیں' کچھ بیان فرما دیجئے۔ سنت و نوافل سے فارغ ہونے کے بعد وضو جدید کر کے سورۂ اعلیٰ کا نہایت ہی اعلیٰ بیان فرمایا۔

جامع حالات فقیر محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ المولی القوی کہتا ہے کہ اسی قسم کا ایک واقعہ جامع مسجد شمسی بدایوں میں پیش آیا' اور غالباً یہ واقعہ سیتا پور سے پہلے کا ہے۔ حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بغیر اطلاع و علم اعلیٰ حضرت' موذن مسجد سے کہہ دیا کہ جمعہ کی نماز کے بعد جناب مولانا احمد رضا خان صاحب کے وعظ کا اعلان کر دینا' انہوں نے فرضِ جمعہ کے سلام کے ساتھ ہی کھڑے ہو کر اعلان کر دیا۔

سب حضرات سنت و نوافل کے بعد تشریف رکھیں' اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی کا وعظ ہوگا۔

جب اعلیٰ حضرت سنت و نوافل سے فارغ ہوئے' دیکھا کہ سب لوگ انتظار میں بہزار ذوق و شوق بیٹھے ہوئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے عذر فرمایا کہ میں تو وعظ نہیں کہا کرتا۔ مولانا عبدالقیوم صاحب نے فرمایا: تو آج یہیں سے وعظ کی ابتداء ہو۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ آپ نے مجھے پہلے سے خبر نہ دی۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ کے لئے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اعلیٰ حضرت حسبِ اصرار منبر پر تشریف لے گئے اور دو گھنٹے کامل نہایت ہی پر اثر زبردست وعظ فرمایا۔ مولانا عبدالقیوم صاحب نے بعد ختم وعظ مصافحہ کیا اور فرمایا کہ کوئی عالم کتب دیکھ کر آنے کے بعد بھی ایسے پر از معلومات' پر اثر بیان سے حاضرین کو محظوظ نہیں کر سکتا ہے۔ یہ وسعتِ معلومات جناب ہی کا حصہ ہے۔

پٹنہ میں رد ندوہ پر تقریر:

حضرت سیّد اسماعیل حسن میاں صاحب کا بیان ہے کہ ۱۳۱۸ھ میں ندوہ کا جلسہ پٹنہ میں ہوا تھا۔ جناب قاضی عبدالوحید صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رئیس عظیم آباد محلہ لودی کٹرہ نے مصلحین ندوہ' اہلسنّت و جماعت کا جلسہ بھی وہیں قائم کیا تھا۔ اس میں اکثر و بیشتر علمائے اہلسنّت و جماعت تشریف فرما تھے۔ جب مولانا احمد رضا خان صاحب کا بیان شروع ہوا شب کا وقت تھا۔ میں اور مولانا عبدالقادر صاحب جلسہ میں نہ تھے قیام گاہ پر تھے میں سونے کو لیٹ گیا تھا حضرت مولانا عبدالقادر صاحب نے مجھے جگا کر فرمایا کہ میاں! مولانا احمد رضا خان صاحب کا بیان ہو رہا ہے' اور سنا ہے کہ ندویوں کے سرغنہ بھی آئے ہوئے ہیں۔ اس وقت ہمارے پٹھان کے وار دیکھنے کے قابل ہیں۔ چلئے! ہم سب بھی جلسے میں پہنچے' بہت زوردار بیان مولانا فرما رہے تھے اور یہ معلوم کر کے کہ ندوی ملاّ نے اپنے کو مخفی کئے ہوئے یہاں موجود ہیں' ندوہ پر اشد کامل رد فرما رہے تھے' جس کو سننے کی صنادید ندوہ کو تاب نہ رہی' اور وہ ایک ایک' دو دو کر کے کھسکنا شروع ہوئے۔ یہ دیکھ کر مولوی ہدایت رسول صاحب نے مجمع کے درمیان آواز بلند فرمایا: ابھی سے کہاں چلے' ابھی تو پہلا ہی چرکہ ہے؟ ذرا تو ٹھہرئے۔

جامع کمالات فقیر ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ المولی القوی کہتا ہے کہ یہ تمام و کمال وعظ اسی زمانہ میں روداد مجلسِ اہلسنّت و جماعت مسمّی بہ دربارِ حق و ہدایت میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ دورانِ جلسہ میں قصیدہ مبارکہ **امال الابرار والام الشرار** جناب مولوی حکیم عبدالحمید صاحب پریشان عظیم آبادی کے قصیدہ کے جواب میں پڑھا' جس میں مشہور ترین علمائے اہلسنّت' حاضرین جلسہ کے نام ایک ایک کر کے گنائے ہیں۔ اسی طرح رد ندوہ کا جلسہ جو کلکتہ میں ہوا' دھرم تلہ کی مسجد عظیم الشان میں اعلیٰ حضرت کا وعظ ہوا' جس میں مجمع مسجد کے علاوہ تمام سڑکوں پر بھرا ہوا تھا۔ اس جلسہ میں بھی اعیان ندوہ تشریف لائے تو روئے سخن ندوہ کی طرف پھیرا' اور قرآن و حدیث سے بہت زوردار طریقہ پر رد فرمایا کہ کسی کو مجال دم زدن نہ ہوئی۔ اسی جلسہ میں بطور رجز یہ اشعار بھی فرمائے تھے۔

منم کہ علم بہ نیروے باز وم نازد	منم کہ حملۂ من شیر رابر اندازد
چشیدہ باشی بہ تیر قضا من آنستم	شنیدہ بودی بہ احمد رضا من آنستم

اعلیٰ حضرت کا معمول تھا کہ سال میں تین وعظ بہت زبردست فرمایا کرتے تھے۔ ایک سالانہ جلسۂ دستار بندی طلبائے فارغ التحصیل مدرسہ اہلسنّت و جماعت مسجد بی بی جی محلہ بہاری پور میں۔ دوسرا مجلسِ میلاد سرورِ کائنات ﷺ میں' جو حضور کی طرف سے ہر سال ۱۲ ربیع الاول شریف کو دونوں وقت صبح آٹھ بجے اور شب کو بعد نماز عشاء حضرت مولانا حسن رضا خان صاحب کے مکان میں کہ وہی آبائی مکان اعلیٰ حضرت کا ہے' منعقد ہوتی تھی۔ جس میں شہر بھر کے عمائد و معززین مطبوعہ دعوت نامہ کے ذریعے مدعو ہوتے' اور اس مجلس کا اہتمام اور وعظ کی اہمیت شہر بھر میں ایسی تھی کہ اس تاریخ کو کسی دوسری جگہ اہتمام و انتظام کے ساتھ مجلس نہیں ہوتی تھی۔ جملہ شائقین یہیں آ کر شریک جلسہ ہوتے تھے۔ تیسرا وعظ ۱۸ ذی الحجہ الحرام عرس سراپا

قدس حضرت خاتم الاکابر وارث العلم والمجد والفضل کا بر اعرس کا برحضرت سیدی ومرشدی شیخی جناب سید شاہ آل رسول صاحب مارہری قدس سرہٗ کے موقع پر جو اعلیٰ حضرت کے کاشانہ اقدس پر انجام پاتا تھا۔ ان کے علاوہ کبھی کبھی اہل شہر کی دعوت اور عرض وتمنا پر بھی شہر کی بعض مجلس میلاد میں بیان فرمادیا کرتے تھے۔ مگر ان تین جگہوں میں تین موقعوں پر بالالتزام حضور کی تقریر ضرور ہوا کرتی تھی۔ افسوس کہ وہ سب مواعظ حسنہ قلم بند نہ کئے گئے ورنہ بیش بہا معلومات کا ذریعہ اور علمی دریا کے بیش بہا در بے بہا ہوتے۔

بدایوں میں سورۂ والضحیٰ پر چھ گھنٹے تقریر:

جناب ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ سید اظہر علی صاحب ساکن محلہ ذخیرہ حضور کے مخصوص عقیدت مندوں سے ہیں۔ ممدوح نے خود فقیر سے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضور اعلیٰ حضرت قبلہ ﷺ حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عرس شریف میں بدایوں تشریف لے گئے۔ وہاں نو بجے صبح سے تین بجے تک کامل چھ گھنٹے سورۂ والضحیٰ پر حضور کا بیان ہوا۔ پھر فرمایا کہ اسی سورۂ مبارکہ کی کچھ آیات کریمہ کی تفسیر میں اسی (۸۰) جز رقم فرما کر چھوڑ دیا۔ اور فرمایا کہ اتنا وقت کہاں سے لاؤں کہ پورے قرآن پاک کی تفسیر لکھ سکوں۔

بریلی میں بسم اللہ پر تقریر:

جناب سید ایوب علی صاحب ہی کا بیان ہے کہ عید میلاد النبی ﷺ کا دن ہے آستانہ عالیہ قدسیہ رضویہ پر صبح صادق سے چہل پہل اور انتظامات پرانی حویلی میں (یعنی آبائی مکان جس میں حضرت مولانا حسن رضا خان صاحب منجھلے میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قیام ہے) مجلس میلاد فیض بنیاد کے جلد جلد انتظامات ہو رہے ہیں۔ گھر گھر میں خوشیاں منائی جارہی ہیں۔ کوئی غسل کر رہا ہے تو کوئی بہترین لباس پہن کر مسجد شریف میں نماز فجر کے لئے حضور کی آمد کا منتظر ہے ہر خورد وکلاں خوشی سے پھولا نہیں سماتا ہے۔ غرض مریدین ومعتقدین ومتوسلین جسے دیکھئے نئے لباس میں دوڑا چلا آرہا ہے۔ مسجد میں صف بندیاں ہوتی چلی جارہی ہیں۔ مختصر یہ کہ حضور کاشانہ اقدس سے تشریف لاتے ہیں فریضۂ فجر ادا کیا جاتا ہے۔ اور جس وقت فارغ ہوتے ہیں تو قریب قریب مسجد نمازیوں سے بھری ہوتی ہے۔ اب ہر شخص اس کا منتظر ہے کہ حضور وظائف سے فارغ ہو جائیں تو دست بوسی کرلی جائے۔ چنانچہ بعد فراغت دست بوس ہوتے چلے جاتے تھے اور جلد جلد مجلس شریف میں منبر تشریف کے قریب تر مل کر بیٹھتے جاتے ہیں اور اس اضطراب کی وجہ دراصل یہ ہے کہ حضور اعلیٰ حضرت قبلہ کے سال میں صرف تین ہی بیان ہوتے ہیں۔ اس لئے بایں خیال کہ ہمیں منبر کے قریب جگہ مل جائے مجمع بہت پہلے سے ہوگیا۔ مداح الحبیب مولوی جمیل الرحمن خاں صاحب قادری رضوی نے مع اپنے شاگردوں کے منبر شریف پر آکر ذکر فضائل سید عالم نور مجسم ﷺ اور پرکیف نعت خوانی خوش الحانی کے ساتھ شروع فرمادی اور ٹھیک ۱۰ بجے ذکر میلاد آغاز فرمایا۔ عین قیام کے وقت حضور نے شرکت فرمائی اور منبر شریف پر رونق افروز ہوئے۔ ۱۰، ۲۰ منٹ حضور نے سکوت اختیار فرمایا کہ تشریف آوری پر باہر سے ایک دم ہجوم شائقین کا سیلاب عظیم آجانے سے چپقلش پیدا ہوگئی تھی اور ایک پر ایک ریلا آنے سے گر رہا تھا۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضور کے خواہر زادے حاجی شاہد علی خاں صاحب نے بآواز بلند مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ درود شریف پڑھتے جائیے اور آگے بڑھتے جائیے اس طرح گنجائش ہوئی۔ آپ نے چند بار یہی ہدایت دہرائی اور گنجائش نکالی مگر پھر بھی دروازہ پر مجمع موجود تھا تو آپ نے توجہ دلائی کہ ہر ایک صاحب دونوں زانو اٹھالیں اور آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ مختصر یہ کہ پھر دروازہ کے سامنے کا ہجوم نہ کم ہونا تھا نہ کم ہوا۔ ہاں ابتداء جیسا شور وغل بڑھا وہ بالکل جاتا رہا۔ اس کے بعد حضور کے لئے اگلدان اور گلاس پانی کا آیا۔ حضور نے غرارہ فرما کر وعظ مبارک ان الفاظ کریمہ میں شروع فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم.

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم.

الحمد للہ الذی فضل سیّدنا ومولانا محمدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی العلمین جمیعا' و اقامہ یوم القیمۃ للمذنبین المتلوثین الخطائین الھالکین شفیعا' وصلی اللہ تعالٰی وسلم وبارک علیہ' وعلی کل من ھو محبوب ومرضی لدیہ صلاۃ تبقی وتدوم بدوام الملک الحی القیوم واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہٗ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ بالھدی ودین الحق ارسلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی الہ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم قال اللہ تعالٰی فی القرآن الحکیم.

بسم اللہ الرحمن الرحیم.

الحمد للہ رب العلمین– الرحمٰن الرحیم– ملک یوم الدین– ایاک نعبد و ایاک نستعین– اھدنا الصراط المستقیم– صراط الذین انعمت علیھم– غیر المغضوب علیھم ولاالضالین–

آمین

حضرت عزت جل جلالہ اپنی کتاب کریم وذکرِ حکیم میں اپنے بندوں پر اپنی رحمت تامہ گستردہ فرماتا' اوران کو اپنے دربار تک وصول کا طریقہ بتاتا ہے۔ یہ سورۂ مبارکہ رب العزت تبارک وتعالٰی نے اپنی کتاب میں بندوں کو تعلیم فرمائی' اورخودان کی طرف سے اِرشاد ہوئی۔ابتدااس کی اورتمام سورۂ قرآنِ عظیم کی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے فرمائی گئی۔

اولِ حقیقی اللہ عزوجل ہے:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌO

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا اسم جلالت اللہ سے ہونی چاہئے تھی کہ اللہ الرحمن الرحیم......مگر ابتداء یوں فرمائی گئی بسم اللہ الرحمن الرحیم.

وہ' جواوّل حقیقی اللہ کا علم ذات ہے' کہ ذات واجب الوجود مستجمع جمیع صفاتِ کمالیہ پر دال ہے' اس سے پہلے لفظ اسم کالائے؛ اوراس پر 'ب' کا حرف داخل فرمایا......گویا اس طرف اِشارہ ہے کہ اللہ اپنی الوہیت' وحدانیت' وہویت میں بے غایت ظہور سے بے غایت بطون میں ہے۔ بندوں کو اس تک وصول محال۔ کسی کی عقل' کسی کا وہم' کسی کا خیال' اس تک نہیں پہنچتا۔ جس کا نام اللہ ہے۔ وہ پاک ومنزہ ہے اس سے کہ اس تک فکر و وہم کا وصول ہوسکے۔ ایسی مخفی وباطن شئے تک وصول کے لئے علامت درکار ہے۔

اوراسم کہتے ہیں' علامت کو' جو دلالت کرے ذات پر۔ تواسم اللہ ذریعہ ہوا اس کا۔

اوراسم جبکہ نام ٹھہرا اس شئی کا جو دلالت کرنے والی ہے ذات پر' ذاتِ پاک ہے اس سے کہ اسے کسی چیز کی حاجت ہو' ضرور ہے کہ ذات پر دلالت کرنے کے لئے تین چیزیں ہونی چاہئیں۔ ایک ذات ہو' دوسرا اس کا غیر ہو' تیسرا بیچ میں کوئی واسطہ ہو' جو دلالت کرے اس غیر کی اس ذات کی طرف۔ وہ ذات' ذاتِ الٰہی ہے۔ وہ غیر' یہ تمام عالم مخلوقات۔ اوراسم اللہ کہ اللہ پر دلالت کرنے والا ہے' وہ محمد ﷺ ہیں۔ تو گویا ابتداء ہی نام پاک سے کی گئی۔

اپنے نام پاک سے پہلے نام حضورِ اقدس ﷺ کا لایا جاتا ہے کہ ذریعہ وصول ہوئے' اسم اللہ تمام مخلوقات کے لئے۔

توازل سے ابدتک (جو شئی بھی) وجود میں لائی گئی' ذاتِ اقدس کی طرف دال ہے' اس واسطے کہ تمام جہاں کو اللہ کی طرف حضور ہی نے ہدایت فرمائی' حضور ہی ہادی ہیں مخلوقِ الٰہی کے۔ یہاں تک کہ انبیائے کرام ومرسلین عظام کے بھی ہادی ہیں۔ تو حضور کے سوا جتنے ہادی (ہیں' وہ) دلالتِ مطلقہ سے موصوف نہیں ہوسکتے' کہ انہوں نے تمام مخلوق کو دلالت کی' ان کو کسی نے دلالت نہ کی ہو' ایسا نہیں۔ وہ اگر اُمتوں کے دال ہیں' تو حضور کے مد اوّل ہیں۔ دلالت مطلقہ خاص حضورِ اقدس ﷺ ہی کے لئے ہے۔ تمام غیر کو اللہ کی طرف جس نے دلالت کی وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

تمام مخلوقات اِلٰہی میں کچھ تو وہ ہیں' جو اللہ سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے۔ کچھ وہ ہیں جو علاقہ رکھتے ہیں وسائط کے ساتھ' مگر دوسرا ان سے علاقہ نہیں رکھتا' (وہ) مہدی ہیں' ہادی نہیں۔ یعنی ہادی بالذات نہیں' اگرچہ بالواسطہ ہادی ہوں' اور حضورِ اقدس ﷺ علی الاطلاق ہادی ومہدی ہیں۔

کلمہ کی تین قسمیں ہیں۔ اسم‘ فعل‘ حرف۔ حرف تو مسند ہوتا ہے نہ مسند الیہ۔ فعل مسند ہوتا ہے‘ مگر مسند الیہ نہیں ہوتا۔ اسم مسند بھی ہوتا ہے مسند الیہ بھی ہوتا ہے۔

تو جو ذاتِ الٰہی سے بے علاقہ ہیں‘ وہ حرف (ہیں) کہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْبٍ o فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ o خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ o کچھ لوگ وہ ہیں‘ جو اللہ کو پوجتے ہیں کنارے پر تو اگر بھلائی پہنچ گئی تو مطمئن رہے اور اگر کوئی آزمائش ہوئی تو کنارہ پر کھڑے ہی ہیں‘ فوراً ایک قدم میں بدل گئے‘ پلٹ گئے۔ ان کو دنیا و آخرت دونوں میں خسارہ ہوا‘ اور یہی کھلا خسارہ ہے۔ تو یہ نہ مسند ہے‘ نہ مسند الیہ کہ حرف ہیں......

اور وہ جو خود ذاتِ الٰہی سے علاقہ رکھتے ہیں‘ مگر بالذات ان سے دوسرا علاقہ نہیں رکھتا‘ وہ تمام مومنین و ہادین ہیں‘ کہ مسند ہیں مگر بالذات مسند الیہ نہیں‘ وہ فعل ہیں...... حضور اقدس ﷺ کی ذاتِ کریم بیشک مسند و مسند الیہ۔ بالذات و بے وساطت ہے۔ تو حضور اقدس ﷺ اسم ہیں‘ کہ ان کو اپنے رب سے نسبت ہے‘ اور سب کو ان سے نسبت ہے‘ اور یہی شان ہے اسم کی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

اسم کے خواص میں سے یہ بھی ہے کہ اس پر حرفِ تعریف داخل ہو اور تعریف کی حد ہے حمد۔ اور حمد کی تکثیر ہے تحمید۔ اور اسی سے مشتق ہے محمد ﷺ یعنی بار بار اور بکثرت تعریف کئے گئے‘ حمد کئے گئے۔ تو مخلوقات میں تعریف کے اصل مستحق نہیں‘ مگر حضور اقدس ﷺ کہ وہی اصل جملہ کمالات ہیں‘ جس کو جو کمال ملا ہے وہ حضور ہی کے کمال کا صدقہ اور ظل اور پرتو ہے۔ امام سیّدی محمد بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے قصیدہ ہمزیہ میں عرض کرتے ہیں:

كيف ترقى رقيك الانبياء	ياسماء ماطاولتها سماء
لم يداؤك فى علاك قدحا	لسنامنك دونهم وسناء
انما مثلوا صفاتك للنا	س كما مثل النحوم الماء

انبیاء حضور اقدس ﷺ کی ترقی کیسے پائیں۔ اے وہ آسمان جس سے کوئی آسمان بلندی میں مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ حضور کے مراتب بلند کے قریب نہ پہنچے‘ حضور کی رفعت و روشنی حضور تک پہنچنے سے انہیں حائل ہو گئی۔ وہ تو حضور کے صفاتِ کریمہ کا پرتو لوگوں کو دکھا رہے ہیں۔ جیسے ستاروں کی شبیہ پانی دکھاتا ہے۔

حضور کی صفات کو نجوم سے تشبیہ دی کہ وہ تو...... ہیں۔ انبیائے کرام غایت الجلا ہیں‘ مثل پانی کے ہیں‘ اپنی صفا کے سبب ان نجوم کا عکس لے کر ظاہر کرتے ہیں۔ صلّى الله عليه وسلم واله وصحبه وبارك وكرم

حمد ہوا کرتی ہے‘ مقابل کسی صفتِ کمال کے‘ اور تمام صفتِ مخلوقات میں خاص ہیں حضور کے لئے‘ باقی کو جو ملا ہے حضور کا عطیہ و صدقہ ہے۔ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں انما انا قاسم والله المعطى عطا فرمانے والا اللہ ہے اور تقسیم کرنے والا میں۔ کوئی تخصیص نہیں فرمائی کہ کس چیز کا عطا فرمانے والا اللہ ہے اور کس چیز کے حضور قاسم ہیں۔ ایسی جگہ اطلاق دلیل تعمیم ہوتی ہے۔ کون سی چیز ہے‘ جس کا دینے والا اللہ نہیں؟ تو جو چیز جس کو اللہ نے دی‘ تقسیم فرمانے والے اس کے حضور ہی ہیں۔ جو اطلاق و تعمیم وہاں ہے‘ یہاں بھی ہے۔ جو جس کو ملا اور جو کچھ بٹا اور بٹے گا‘ ابتدائے خلق سے ابدالآباد تک ظاہر و باطن میں‘ روح و جسم میں‘ ارض و سما میں‘ عرش و فرش میں‘ دنیا و آخرت میں جو کچھ ہے‘ اس سب کے بانٹنے والے حضور ہی ہیں۔ اللہ عطا فرماتا ہے اور ان کے ہاتھ سے ملتا ہے اور ملے گا۔ الى ابدالاباده لہٰذا مخلوقات میں تعریف کے اصل مستحق یہی ہیں۔ صلى الله تعالى عليه وعلى اله وصحبه وبارك وسلم

اسم کا خاصہ ہے جر۔ اور جر کے معنی کشش یعنی جذب فرمانا۔ یہ خاصہ ہے حضور اقدس ﷺ کا...... کھینچنا دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک بلا مزاحمت کہ جس کو کھینچا جائے‘ وہ کھنچ آئے...... دوسرا مزاحمت کے ساتھ کہ کھینچنے والا تو کھینچ رہا ہے‘ اور یہ کھنچنا نہیں چاہتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں:

اتتم تتقحمون فى النار كالفراش وانا اخذ بحجزكم هلم الى

تم پروانوں کی مانند آگ پر گرے پڑتے ہو اور میں تمہارا کمر بند پکڑے کھینچ رہا ہوں کہ میری طرف آؤ...... یہ شان ہے جر کی یعنی کشش کی۔

اسم نحوی کا خاصہ جر من حیث الوقوع ہے‘ اور اسم اللہ کا من حیث الصدور۔ ہاں! جر ان افعال و کیفیات سے ناشی ہوتا ہے‘ جن پر حروف جارہ دلالت کرتے ہیں‘ وہ یہاں بروجہ اتم ہیں۔ مثلاً ’ب‘ کے معنی ہیں الصاقہ‘ یعنی ملانا۔ یہ خاص کام ہے حضور اقدس ﷺ کا کہ خلق کو خالق سے ملاتے ہیں۔

یا ’من‘ کہ ابتدائے غایت کے لئے ہے‘ یہ بھی خاص ہے حضور ہی کے لئے یاجابر ان الله خلق قبل كل الاشياء نور نبيك من نوره اے جابر! تمام جہاں سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔ صلى الله تعالى عليه وسلم واله وصحبه وبارك وكرم. ہر فضل‘ ہر کمال حتیٰ کہ وجود میں بھی ابتدا انہیں سے ہے۔ ﷺ

'الـــــــی' آتا ہے انتہائے غایت کے لئے۔ انتہائے کمال انہیں پر بلکہ ہر فردِ کمال انہیں پر منتہی ہوتا ہے۔ اول الانبیا بھی وہی ہیں اور خاتم النبیین بھی وہی۔ صلی اللہ تعالیٰ وعلیٰ الہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم.

تلمسانی عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ ایک بار جبرئیل امین حاضر بارگاہ اقدس ہوئے اور عرض کی: السلام علیک یا اوّل، السلام علیک یا آخر، السلام علیک یا ظاہر، السلام علیک یا باطن رب العزت نے قرآنِ عظیم میں اپنی صفت فرمائی:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْم ٥ اس آیت کے لحاظ سے حضور اقدس ﷺ نے جبرئیل امین سے فرمائی کہ یہ صفات میرے رب عزوجل کی ہیں۔ (جبریل امین نے) عرض کی یہ صفات اللہ عزوجل کی ہیں، اس نے حضور کو بھی ان سے متصف فرمایا۔ اللہ نے حضور کو اوّل کیا، تمام مخلوق سے پہلے حضور کے نور کو پیدا کیا...... اور اللہ نے حضور کو آخر کیا کہ تمام انبیاء کے بعد مبعوث فرمایا..... اور حضور کو ظاہر کیا اپنے معجزاتِ بینہ سے کہ علام میں کسی کو شک وشبہ کی مجال نہیں...... اور حضور کو باطن کیا ایسے غایت ظہور سے کہ آفتاب اس کے کروڑویں حصہ کو نہیں پہنچتا۔ آفتاب اور جملہ انوار انہیں کے پرتو ہیں۔ آفتاب میں شک ہوسکتا ہے اور ان میں شک ممکن نہیں۔ فرض کیجئے کہ ہم نصف النہار پر ایک روشن شرارہ آفتاب کے برابر دیکھیں، جسے اپنے گمان سے یقیناً آفتاب سمجھیں اور اس کی دھوپ بھی دوپہر ہی کی طرح پھیلی ہو اور حضور فرمائیں کہ یہ آفتاب نہیں، کوئی کرۂ نار کا شرارہ ہے۔ یقیناً ہر مسلمان صدقِ دل سے فوراً ایمان لائے گا کہ حضور کا ارشاد قطعاً حق وصحیح ہے، اور آفتاب سمجھنا میرے نگاہ وگمان کی غلطی صریح ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ آفتاب ہنوز معرضِ خفا میں ہے اور حضور پر اصلاً خفا نہیں؟ آفتاب سے کروڑوں درجہ زیادہ روشن ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم.

اور ان کا یہ غایت ظہور ہی غایت بطون کا سبب ہے...... اور حضور کے بطون کی یہ شان ہے کہ خدا کے سوا حضور کی حقیقت سے کوئی واقف نہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو اعرف الناس یعنی سب سے زیادہ حضور کے پہچاننے والے اس اُمت مرحومہ میں ہیں۔ اسی واسطے ان کا مرتبہ افضل واعلیٰ ہے۔ معرفت الٰہی وہ معرفت محمد ﷺ ہے۔ جس کو ان کی معرفت زائد ہے، اس کو معرفت الٰہی بھی زائد ہے۔ صدیق اکبر جیسے اعرف الناس کہ تمام جہان سے زیادہ حضور کی معرفت رکھتے ہیں، ان سے ارشاد فرمایا: یا ابا بکر لم یعرفنی حقیقۃ غیر ربی اے ابوبکر! جیسا میں ہوں، سوائے میرے رب کے کسی اور نے نہیں پہچانا۔ باطن ایسے کہ سوائے خدا کے کسی نے ان کو پہچانا ہی نہیں؛ اور ظاہر بھی ایسے کہ ہر پتہ، ہر ذرّہ، شجر، حجر، وحوش وطیور حضور کو جانتے ہیں۔ جبرئیل امین اپنے مرتبہ کے لائق پہچانتے ہیں۔ انبیاء ومرسلین اپنے اپنے مراتب کے لائق۔ باقی رہا، حقیقتاً ان کو پہچاننا، تو ان کا جاننے والا ان کا رب ہے۔ ان کا بنانے والا، ان کا نوازنے والا، ان کی حقیقت کے پہچاننے میں دوسرے کے واسطے حصہ ہی نہیں رکھا۔

بلاتشبیہ محب نہیں چاہتا کہ جو ادا محبوب کی اس کے ساتھ ہے، وہ دوسرے کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ تمام جہان سے زیادہ غیرت رکھنے والا ہے۔ حضورِ اقدس ﷺ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی نسبت فرماتے ہیں: ان سعدا لغیور وانا اغیر منہ واللہ اغیر منی سعد غیرت والا ہے، اور میں اس سے زیادہ غیرت والا ہوں۔ اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔ وہ کیونکر روا رکھے گا کہ دوسرا میرے حبیب کی اس خاص ادا پر مطلع ہو، جو میرے ساتھ ہے۔ اسی واسطے فرمایا جاتا ہے۔ جیسا میں ہوں، میرے رب کے سوا کسی نے نہ پہچانا۔ ہم تو

قوم ینام تسلرا عنہ بالحلم

ہم تو سوتے ہیں، خواب ہی میں زیارت پر راضی ہیں۔

انصاف یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی حقیقتِ اقدس کے لحاظ سے اسی کے مصداق ہیں۔

دنیا خواب ہے اور اس کی بیداری نیند۔ امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں: الناس نیام فاذا ماتوا انتبھوا لوگ سوتے ہیں، (جب) مریں گے، جاگیں گے۔ خواب اور دنیا کی بیداری میں اتنا فرق ہے کہ خواب کے بعد آنکھ کھلی، اور کچھ نہ تھا، اور یہاں آنکھ بند ہوئی اور کچھ نہ تھا۔ نتیجہ دونوں جگہ ایک ہے: وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ٥ خواب میں جمالِ اقدس کی زیارت ضرور حق ہوتی ہے۔ خود فرماتے ہیں ﷺ: من رانی فقد رأ الحق فان الشیطان لایتمثل بی جس نے مجھے دیکھا اس نے حق دیکھا کہ شیطان میری صورت نہیں بن سکتا۔ پھر لوگ مختلف احوال واشکال میں دیکھتے ہیں۔ وہ اختلاف ان کے اپنے ایمان واحوال ہی کا ہے۔ ہر ایک اپنے ایمان کے لائق ان کو دیکھتا ہے۔ یونہی بیداری (میں) جتنے دیکھنے والے تھے۔ سب اس آئینۂ حق نما میں اپنے ایمان کی صورت دیکھتے تھے۔ ورنہ ان کی صورتِ حقیقیہ پر غیرتِ الٰہیہ کے ستر ہزار پردے ڈالے گئے ہیں کہ ان میں سے اگر ایک پردہ اُٹھا دیا جائے" آفتاب جل کر خاک ہوجائے۔ جیسے آفتاب کے آگے ستارے غائب ہوجاتے ہیں، اور جو ستارہ اس سے قران میں ہو، احتراق میں کہلاتا ہے...... تو صحابہ کرام نے بھی خواب ہی میں زیارت کی، نہ رب العزت کو کوئی بیداری میں دنیا میں دیکھ سکتا ہے، نہ جمالِ انور حضورِ اقدس کو جل وعلا و ﷺ...... حضور انور ﷺ نے شب معراج میں کہ رب العزت جل جلالہٗ کو بیداری میں دیکھا، وہ دیکھنا دنیا سے ورا تھا، کہ دنیا ساتویں زمین سے ساتویں آسمان تک ہے۔ اور یہ رویت لامکاں میں ہوئی تھی۔

بالجملہ اس وقت بھی ہر شخص نے اپنے ایمان ہی کی صورت دیکھی کہ حضور اقدس ﷺ آئینۂ خدا ساز ہیں۔

ابوجہل حاضر ہوکر عرض کرتا ہے

ع　　زشت نقشے کز بنی آدم شگفت

حضور ﷺ فرماتے: صدقت تو سچ کہتا ہے۔

ابوبکر صدیق ؓ آ کر عرض کرتے ہیں: حضور سے زیادہ خوبصورت کوئی پیدا نہ ہوا حضور بے مثل ہیں حضور آفتاب ہیں نہ شرقی و غربی۔

حضور ﷺ فرماتے: صدقت تو سچ کہتا ہے۔

صحابہ نے عرض کی: حضور نے دو متضاد قولوں کی تصدیق فرمائی۔

ارشاد فرمایا

گفت من آئینہ ام مصقول دوست
ترک و ہند و درمن آں بیند کہ اوست

میں اپنے چاہنے والے دوست رب تبارک وتعالیٰ کا اُجالا ہوا آئینہ ہوں۔ ابوجہل کہ ظلمتِ کفر میں آلودہ ہے اس کو اپنے کفر کی تاریکی نظر آئی۔ اور ابوبکر سب سے بہتر ہیں انہوں نے اپنا نور ایمان دیکھا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہ وبارک وسلم..... لہٰذا ذاتِ کریم جا مع کمال ظہور و کمال بطون ہے۔

ظہور کسی شئی کا جب ایک ترقی محدود تک ہوتا ہے وہ شے نظر آتی ہے۔ اور جب حد سے زیادہ ہوجاتا ہے تو وہ نظر نہیں آتی۔ آفتاب جب اُفق سے نکلتا ہے سرخی مائل کچھ بخارات وغبارات میں ہوتا ہے ہر شخص کی نگاہ اس پر جمتی ہے۔ جب ٹھیک نصف النہار پر پہنچتا ہے غایت ظہور سے باطن ہوجاتا ہے اب کی وجہ سے غایت بطون میں ہوگیا۔ آفتاب کہ نام ہے ان کی گلی کے ایک ذرّہ کا۔ وہ آفتاب حقیقت کہ رب العزت نے اپنی ذات کے لئے اس کو آئینہ کاملہ بنایا ہے اور اس میں مع ذات وصفات کے تجلی فرمائی ہے حقیقت اس ذات کی کون پہچان سکتا ہے۔ وہ غایت ظہور سے غایت بطون میں ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہ وبارک وسلم۔

اس سبب سے نام اقدس ﷺ میں دونوں رعایتیں رکھی ہیں۔ محمد ﷺ بکثرت اور بار بار غیر متناہی تعریف کئے گئے..... اطلاق نے تمام تعریفوں کو جمع فرمالیا۔ یہ تو شان ہے غایت ظہور کی۔

اور نام اقدس پر الف لام تعریف کا داخل نہیں ہوتا یعنی ایسے ظاہر ہیں کہ مستغنی من التعریف ہیں تعریف کی ضرورت نہیں۔ یا ایسے بطون میں ہیں کہ تعریف ہو نہیں سکتی...... تعریف عہد یا استغراق یا جنس کے لئے ہے وہ اپنے رب کی وحدت حقیقیہ کے مظہر کامل اپنے جملہ فضائل وکمالات میں شریک سے منزہ ہیں۔ امام شرف الدین بوصیری بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

منزہ عن شریک فی محاسنہ　　فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

اپنی خوبیوں میں شریک سے پاک ہیں۔ ان کے حسن کا جوہر فرد قابل انقسام نہیں کہ یہاں جنسیت واستغراق نامتصور۔ اور عہد فرع معرفت ہے اور ان کو ذات وحقیقتاً کوئی پہچان ہی نہیں سکتا تو نام اقدس پر کہ علم ذات ہے لام تعریف کیونکر داخل ہو۔

جس طرح 'الی' جر کرتے ہیں۔ 'کاف تشبیہ' بھی جر کے لئے آتا ہے۔

ذات الٰہی کمال تنزیہ کے مرتبہ میں ہے: اور متشابہات میں تشبیہات بھی وارد۔ صحیح مذہب محققین کا یہ ہے کہ تنزیہ ہے اس کی ذات وصفات کے لئے اور تشبیہ ہے تجلیات کے لئے۔ دونوں کو اس آیت کریمہ میں جمع فرمادیا۔

لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ وَھُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ ۝

کوئی شی اس کے مثل نہیں۔ یہ تنزیہ ہے۔ اور وھو السمیع البصیر وہی ہے سننے والا دیکھنے والا۔

یہ تشبیہ...... جب تک اللہ تعالیٰ نے عالم نہ بنایا تھا تشبیہ نہ تھی۔ جب عالم بنایا تو نہ عالم خیال میں نہ عالم مثال میں بلکہ عالم تمثیل میں۔ تجلی تدلی کے لئے ایک تشبیہ پیدا ہوئی جو عبارت ہے ذاتِ اقدس سے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہ وبارک وسلم اور اللہ تعالیٰ متعالی ہے تشبیہ سے۔ ہاں! پہلی تجلی جو فرمائی ہے اسی کا نام ہے محمد ﷺ۔ اور اس تجلی کی اور تجلیات کی گئی ہیں ان کا نام ہے انبیائے کرام ومرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ جس طرح امام محمد بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام سے اوپر بیان ہوا۔

آگے فرمایا جاتا ہے: الرحمن الرحیم
مدح کا قاعدہ ہے کہ اختصاص پر دلالت کرتی ہے۔
الرحمن...... الرحیم سے پہلے لایا گیا الرحمن کہ رحمتِ کاملہ بالغہ رب تبارک وتعالیٰ کے ساتھ خاص ہے...... پھر فرمایا گیا: الرحیم یعنی مطلق رحمت ہی اس کے ساتھ خاص ہے۔
رب العزت کی بے انتہا صفات ہیں۔ یہ آئینہ ہے جس سے تمام صفات الہیہ کو رحمت کے پردہ میں دکھایا۔ (اس لئے) القھار المنقم نہیں فرمایا جاتا: الرحمن الرحیم خاص رحمت دکھائی جاتی ہے۔
یہ وہی آئینہ ذاتِ الٰہی ہے، جس میں صفات قہریہ بھی آ کر خالص رحمت سے متلبس ہو جاتی ہیں۔ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہ وبارک وسلم۔ اولین کے لئے رحمت، آخرین کے لئے رحمت، ملائکہ کے لئے رحمت، تمام مومنین کے لئے رحمت، یہاں تک کہ دنیا میں وہ کافرین، مشرکین، منافقین، مرتدین کے لئے بھی رحمت ہیں۔ یہ لوگ بھی آج ان کی رحمت سے دنیا میں عذاب سے محفوظ ہیں۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۝ اللہ اس لئے نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک کے رحمت عالم ان میں ہو۔ اسی لئے ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ اختیار نہ فرمایا۔ حالانکہ ان کے غلام واہلِ محبت کی نعش تک آسمان پر اُٹھالی گئی ہے۔ سیدی عمر بن فارض ﷺ نے جنگل میں ایک جنازہ دیکھا۔ اکابر اولیاء جمع ہیں، مگر نماز نہیں ہوتی۔ انہوں نے تاخیر کا سبب پوچھا؟ کہا امام کا انتظار ہے۔ ایک صاحب نہایت جلدی کرتے ہوئے پہاڑ سے اُترتے دیکھا، جب قریب آئے معلوم ہوا کہ یہ وہ صاحب ہیں، جن سے شہر میں لڑکے ہنستے اور چپتیں لگاتے ہیں، وہ امام ہوئے۔ سب نے ان کی اقتداء کی۔ نماز ہی میں بکثرت سبز پرندوں کا نعش کے گرد مجمع ہو گیا۔ جب نماز ختم ہوئی، نعش کو اپنی منقاروں میں لے کر آسمان پر اوڑ لے چلے گئے۔ انہوں نے پوچھا یہ اہلِ محبت ہیں۔ ان کی میت بھی زمین پر نہیں رہنے پاتی...... مگر حضور اقدس ﷺ نے یہیں تشریف رکھنا پسند فرمایا کہ خلق کے لئے عذابِ عام سے امان ہو۔
جنت تو حضور کی رحمت کا پرتو ہی ہے، دوزخ بھی حضور کی رحمت سے بنی ہے کہ یہاں صفات قہریہ بھی رحمت ہی کی تجلی میں ہیں...... جنت کا رحمت ہونا ظاہر کہ حضور کے نام لیواؤں کی جاگیر ہے...... دوزخ کا بنانا بھی رحمت ہے دو وجہ سے۔
دنیا میں بادشاہ کی اطاعت تین ذرائع سے ہوتی ہے۔
اول: بادشاہ کی اطاعت خاص اس لئے کہ وہ بادشاہ ہے۔
دوسرے: کچھ انعام کا لالچ دیا جاتا ہے کہ ہمارے احکام مانو گے تو یہ انعام ملیں گے، یہ رحمت ہے۔
تیسرے: فاسق سرکش جو انعام کی پرواہ نہیں کرتے، اطاعت نہیں کرتے، ان کو سزائیں سنا کر ڈرایا جاتا ہے، اگر اطاعت نہ کرو گے تو زنداں میں بھیجے جاؤ گے۔ وہ انعام تو عین رحمت ہے، ظاہر ہے۔ اور یہ کوڑا عذاب کا بھی رحمت ہے، اس لئے کہ رحمت ہی سے ناشی ہے کہ جیل خانہ سے ڈر کر سزا کے مستحق نہ ہوں، اطاعت کریں، انعام کے مستحق ہوں...... تو دوزخ بھی رحمت ہے کہ دنیا کو ڈر کے باعث گناہوں سے بچانے والی ہے۔
دوسری وجہ یہ کہ کفار نے اللہ کے محبوبوں کو ایذا دی، ان کی توہین کی، رب العزت نے اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کے لئے دوزخ کو پیدا فرمایا۔ قدر شئی کی اُس کی ضد سے معلوم ہوتی ہے کہ الاشیاء تصرف با ضداد ما اہلِ جنت کو یہ دکھانا ہے کہ دیکھو! اگر تم بھی محبوبانِ خدا کا دامن نہ تھامتے، ان کی طرح تمہاری جگہ بھی یہی ہوتی۔ اُس وقت محبوبانِ خدا کے دامن تھامنے کی قدر کھلے گی۔ واللہ الحمد و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہ وبارک وسلم. اللّٰھم صلی علیٰ سیدنا محمد معدن الجود والکرم وآلہ وصحبہ الکرام اجمعین.
حضور تمام جہاں کے لئے رحمت ہیں۔ رحمتِ الٰہی کے معنی ہیں بندوں کو ایصالِ خیر فرمانے کا ارادہ۔ تو رحمت کے لئے دو چیزیں درکار ہیں۔ ایک مخلوق جس کو خیر پہنچائی جائے۔ اور دوسرے خیر...... اور دونوں متفرع ہیں وجودِ نبی ﷺ پر۔ اگر حضور نہ ہوتے نہ کوئی خیر ہوتی، نہ خیر پانے والا۔ تو رحمتِ الٰہی کا ظہور نہ ہوا، مگر وجودِ نبی ﷺ میں...... تمام نعمتیں، تمام کمالات، تمام فضائل متفرع ہیں وجود پر، اور تمام عالم کا وجود متفرع ہے حضور کے وجود پر، تو سب پر حضور ہی کے طفیل رحمت ہوئی۔ ملک ہو، خواہ نبی یا رسول، جس کو جو نعمت ملی، حضور ہی کے دستِ عطا سے ملی۔
حضور نعمۃ اللہ ہیں۔ قرآنِ عظیم نے ان کا نام نعمت اللہ رکھا: اَلَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا ۝ کی تفسیر میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: نعمة اللہ محمد ﷺ نعمۃ اللہ محمد ﷺ ہیں۔ ولہٰذا ان کی تشریف آوری کا تذکرہ امتثالِ امرِ الٰہی ہے۔ قال تعالیٰ: وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ حضور اقدس ﷺ کی تشریف آوری سب نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہے۔ یہی تشریف آوری ہے، جس کے طفیل دنیا، قبر، حشر، برزخ، آخرت غرض ہر وقت، ہر جگہ، ہر آن نعمت ظاہر و باطن سے ہمارا ایک ایک رونگٹا متمتع اور بہرہ مند ہے اور ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اپنے رب کے حکم سے اپنے رب کی نعمتوں کا چرچا مجلسِ میلاد میں ہوتا ہے۔ مجلسِ میلاد آخر وہی شئی ہے، جس کا حکم رب العزت دے رہا ہے۔ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ مجلس مبارک کی حقیقت، مجمع مسلمین کو حضور اقدس ﷺ کی تشریف آوری وفضائل جلیلہ و

کمالاتِ جمیلہ کا ذکر سنانا ہے۔ بند یا رقعہ بانٹنا' طعام و شیرینی کی تقسیم اس کا جزءِ حقیقت نہیں' نہ ان میں کچھ جرم۔

اول: دعوت الی الخیر ہے اور دعوت الی الخیر بیشک خیر ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ ٥ اس سے زیادہ کس کی بات اچھی' جو اللہ کی طرف بلائے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں: من دعی الی هدی کان له الاجر مثل اجور من تبعه ولا ينقص ذلک من اجورهم شيئا جو لوگوں کو کسی ہدایت کی طرف بلائے' جتنے اس کا بلانا قبول کریں۔ ان سب کے برابر ثواب اسے ملے اور ان کے ثوابوں میں کچھ کمی نہ ہو۔

اور اِطعامِ طعام یا تقسیم شیرینی روصلہ و احسان و صدقہ ہے۔ اور یہ سب شرعاً محمود۔

ان مجالس کے لئے ایک تمہیں نہیں' ملائکہ بھی تداعی کرتے ہیں۔ جہاں مجلس شریف ہوتے دیکھی۔ ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کہ آ ؤ! یہاں تمہارا مطلوب ہے۔ پھر وہاں سے آسمان تک چھا جاتے ہیں' تم دنیا کی مٹھائی بانٹتے ہو' اُدھر سے رحمت کی شیرینی تقسیم ہوتی ہے' وہ بھی ایسی عام کہ نامستحق کو بھی حصہ دیتے ہیں۔ هم القوم لا يشقى بهم جليسهم ان لوگوں کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہتا۔

مجلس آج سے نہیں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود کی' اور کرتے رہے۔ اور ان کی اولاد میں برابر ہوتی رہی' کوئی دن ایسا نہ تھا کہ آدم علیہ السلام ذکرِ حضور نہ کرتے ہوں' اوّل روز سے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعلیم ہی یہ فرمایا گیا کہ میرے ذکر کے ساتھ میرے حبیب محبوب کا ذکر کیا کرو۔ صلى الله تعالى عليه وعلى آله وصحبه وبارک وسلم۔ جس کے لئے عملی کارروائی یہ کی گئی کہ جب روحِ الٰہی آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پتلے میں داخل کی گئی۔ آنکھ کھلتے ہی نگاہ ساقِ عرش پر ٹھہرتی ہے' لکھا دیکھتے ہیں۔ لا إلٰه الا الله محمد رسول الله صلى الله تعالى عليه وعلى آله وصحبه وبارک وسلم۔

عرض کی: الٰہی! یہ کون ہے' جس کا نام پاک تو نے اپنے نام اقدس کے ساتھ لکھا ہے؟

ارشاد ہوا: وہ تیری اولاد میں سب سے پچھلا پیغمبر ہے۔ وہ نہ ہوتا تو میں تجھے نہ بناتا۔ لولا محمد ما خلقتک ولا ارضا ولا سماء اسی کے طفیل میں نے تجھے پیدا کیا' اگر وہ نہ ہوتا' نہ تجھے پیدا کرتا' نہ میں زمین و آسمان بناتا۔ تو کنیت اپنی ابو محمد کر صلى الله تعالى عليه وعلى آله وصحبه وبارک وسلم۔

آنکھ کھلتے ہی نام پاک بتایا گیا' پھر ہر وقت ملائکہ کی زبان سے ذکرِ اقدس سنایا گیا' وہ مبارک سبق عمر بھر یاد رکھا' ہمیشہ ذکر اور چرچا کرتے رہے' جب زمانہ وصال شریف کا قریب آیا' شیث علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ارشاد فرمایا: اے فرزند! میرے بعد تو خلیفہ ہوگا' عمادِ تقویٰ و عروۂ وثقیٰ کو نہ چھوڑنا۔ العروة الوثقى محمد ﷺ عروۂ وثقیٰ محمد ﷺ ہیں۔ جب اللہ کو یاد کرے' محمد ﷺ کا ذکر ضرور کرنا۔ فانی رايت الملئكة تذكره فی كل ساعاتها کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا ہے ہر وقت' ہر گھڑی ان کی یاد میں مشغول ہیں۔ اسی طور پر چرچا ان کا ہوتا رہا' پچھلی انجمن روزِ میثاق جمائی گئی۔ اس میں حضور کا ذکر تشریف آوری ہوا۔ وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّيْنَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ٥ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا ٥ قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ فَمَنْ تَوَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ٥ جب عہد لیا اللہ نے نبیوں سے کہ بیشک میں تمہیں کتاب و حکمت عطا فرماؤں' پھر تشریف لائیں تمہارے پاس وہ رسول' تصدیق فرمائیں ان باتوں کی' جو تمہارے ساتھ ہیں تو تم ضرور ان پر ایمان لانا' اور ضرور ضرور ان کی مدد کرنا' قبل اس کے کہ انبیائے کرام کچھ عرض کرنے پائیں فرمایا کیا تم نے اقرار کیا' اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ عرض کی: ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا: تو آپس میں ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ' اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں' پھر جو کوئی اس اقرار کے بعد پھر جائے' وہی لوگ بے حکم ہیں۔ مجلسِ میثاق میں رب العزت نے تشریف آوری حضور کا بیان فرمایا اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے سنا' اور انقیاد و اطاعت حضور کا قول دیا۔ ان کی نبوت ہی مشروط تھی حضور کے مطیع و امتی بننے پر تو سب سے پہلے حضور کا ذکر تشریف آوری کرنے والا اللہ ہے کہ فرمایا: ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ ٥ پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائیں اور ذکر پاک کی سب میں پہلی مجلس مجلسِ انبیاء ہے۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام جس میں پڑھنے والا اللہ اور سننے والے انبیاء اللہ۔

غرض اسی طرح ہر زمانہ میں حضور کا ذکرِ ولادت و تشریف آوری ہوتا رہا۔ ہر قرن میں انبیاء و مرسلین آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر ابراہیم و موسیٰ و داؤد و سلیمان و زکریا علیہم الصلوٰۃ والسلام تک تمام نبی و رسول اپنے اپنے زمانہ میں مجلسِ حضور ترتیب دیتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ سب میں پچھلا ذکر شریف سنانے والا کنواری' ستھری' پاک بتول کا بیٹا' جسے اللہ تعالیٰ نے بے باپ کے پیدا کیا' نشانی سارے جہاں کے لئے' یعنی سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے۔ فرماتا ہوا: مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ٥ میں بشارت دیتا ہوں ان رسول کی جو عنقریب میرے بعد تشریف لانے والے ہیں' جن کا نام پاک احمد ہے۔ صلى الله تعالى عليه وعلى آله وصحبه وبارک وسلم۔

یہ ہے مجلسِ میلاد شریف۔ جب زمانہ ولادت شریف کا قریب آیا' تمام ملک الموت میں محفلِ میلاد تھی۔ عرش پر محفلِ میلاد' فرش پر محفلِ میلاد' ملائکہ میں مجلسِ میلاد ہو رہی تھی' خوشیاں مناتے حاضر آئے ہیں۔ سر جھکائے کھڑے ہیں' جبرئیل و میکائیل حاضر ہیں۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دولہا کا انتظار ہو رہا ہے' جس کے صدقے میں یہ ساری برأت بنائی گئی ہے۔ سبع سمٰوات میں' عرش و فرش پر دھوم ہے۔ ذرا انصاف کرو تھوڑی سی مجازی

قدرت والا اپنی مراد کے حاصل ہونے پر جس کا مدت سے انتظار ہوا اب وقت آیا ہے' کیا کچھ خوشی کا سامان نہ کرے گا؟ وہ عظیم مقتدر' جو چھ ہزار برس پیشتر' بلکہ لاکھوں برس سے ولادتِ محبوب کے پیش خیمے تیار فرمارہا ہے' اب وقت آیا ہے کہ وہ مراد المریدین ظہور فرمانے والے ہیں' یہ قادر علی کل شیءٍ کیا کچھ خوشی کے سامان مہیا نہ فرمائے گا؟ شیاطین کو اس وقت جلن ہوئی تھی' اور اب بھی جو شیطان ہیں جلتے ہیں اور ہمیشہ جلیں گے۔ غلام تو خوش ہورہے ہیں' ان کے ہاتھ تو ایسا دامن آیا ہے کہ یہ گررہے تھے' اس نے بچالیا۔ ایسا سنبھالنے والا ملا کہ اس کی نظیر نہیں۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

ایک آدمی ایک کو بچاسکتا ہے' دو کو بچاسکتا ہے' کوئی قوی ہوگا زیادہ سے زیادہ بیس کو بچالے گا۔ یہاں کروڑوں اربوں پھسلنے والے اور بچانے والے وہی ایک انا اخذ بحجز کم من النار ھلم بی میں تمہارا کمر بند پکڑے دوزخ سے کھینچ رہا ہوں ارے میری طرف آؤ۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

یہ فرمان صرف صحابہ سے خاص نہیں' قسم اسکی جس نے انہیں رحمۃ للعٰلمین بنایا' آج وہ ایک ایک مسلمان کا بند کمر پکڑے' اپنی طرف کھینچ رہے ہیں کہ دوزخ سے بچائیں۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

الحمد للہ! کیا حامی پایا۔ اربوں سے بھی اربوں مراتب زائد گرنے والوں کو ان کا ایک اشارہ کفایت کررہا ہے۔ تو ایسے کے پیدا ہونے کا ابلیس اور اس کی ذریت کو جتنا غم ہو تھوڑا ہے۔ پہاڑوں میں ابلیس اور تمام مردہ سرکش قید کئے گئے تھے' انہیں کے پیرو اب بھی غم کرتے ہیں۔ خوشی کے نام سے مرتے ہیں۔ ملائکہ سبع سموات دھوم مچارہے تھے' عرشِ عظیم ذوق شوق میں ہلتا تھا۔ ایک علم مشرق' دوسرا مغرب اور تیسرا باب کعبہ پر نصب کیا گیا' اور بتایا گیا کہ ان کا دار السلطنت کعبہ ہے' اور ان کی سلطنت مشرق سے مغرب تک' تمام جہان انہیں کی قلمرو میں داخل ہے۔ اس مراد کے ظاہر ہونے کی گھڑی آپہنچی کہ اول روز سے اس کی محفل میلاد اس کے خیر مقدم کی مبارکباد ہورہی ہے۔ قادر علی کل شیءٍ نے اس کی خوشی میں کیسے کچھ انتظام فرمائے ہوں گے؟ جبریل امین ایک پیالہ شربت جنت کا سیدنا آمنہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے لئے لے کر حاضر ہوئے۔ اس کے نوش فرمانے سے وہ دہشت زائل ہوگئی' جو ایک آواز سننے سے پیدا ہوئی تھی۔ پھر ایک مرغ سفید کی شکل بن کر اپنا پر سیدنا آمنہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے بطن مبارک سے مل کر عرض کرنے لگے۔ اظھر یا سیّد المرسلین' اظھر یا خاتم النبیین' اظھر یا اکرم الاوّلین والآخرین۔ جلوہ فرمایئے اے تمام رسولوں کے سردار! جلوہ فرمایئے اے تمام انبیاء کے خاتم! جلوہ فرمایئے اے سب اگلے پچھلوں سے زیادہ کریم! یا اور الفاظ ان کے ہم معنی۔ مطلب یہ کہ دونوں جہاں کے دولہا کی برات سج چکی ہے' اب جلوہ افروزیٔ سرکار کا وقت ہے۔ فظھر رسول اللہ ﷺ کالبحر المنیر پس حضور اقدس ﷺ جلوہ فرما ہوئے جیسے چودھویں رات کا چاند۔ (ان لفظوں پر قیام ہوا' اور مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہوکر یہ درود عرض کیا)

الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ
الصلاۃ والسلام علیک یا نبی اللہ
الصلاۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ
الصلاۃ والسلام علیک یا خیر خلق اللہ
الصلاۃ والسلام علیک یا سراج افق اللہ
الصلاۃ والسلام علیک یا قاسم رزق اللہ
الصلاۃ والسلام علیک یا مبعوث تیسر اللہ ووفق اللہ
الصلاۃ والسلام علیک یا زینۃ عرش اللہ
الصلاۃ والسلام علیک یا سیّد المرسلین
الصلاۃ والسلام علیک یا خاتم النبیین
الصلاۃ والسلام علیک یا شفیع المذنبین
الصلاۃ والسلام علیک یا اکرم الاوّلین والآخرین
الصلاۃ والسلام علیک یا نبی الانبیاء
الصلاۃ والسلام علیک یا عظیم الرجا
الصلاۃ والسلام علیک یا عمیم الجود والعطاء
الصلاۃ والسلام علیک یا ماحی الذنوب والخطاء
الصلاۃ والسلام علیک حبیب رب الارض والسماء
الصلاۃ والسلام علیک یا مصحح الحسنات
الصلاۃ والسلام علیک یا مقبل العثرات
الصلاۃ والسلام علیک یا نبی الحرمین
الصلاۃ والسلام علیک یا امام القبلتین
الصلاۃ والسلام علیک یا صاحب قاب قوسین
الصلاۃ والسلام علیک یا من زینۃ اللہ بکل زین
الصلاۃ والسلام علیک یا جدالحسن والحسین
الصلاۃ والسلام علیک یا من نزھہ اللہ من کل شین
الصلاۃ والسلام علیک یا سر اللہ المخزون
الصلاۃ والسلام علیک یا در اللہ المکنون
الصلاۃ والسلام علیک یا نور الافئدۃ والعیون
الصلاۃ والسلام علیک یا سرور القلب المحزون
الصلاۃ والسلام علیک یا عالم ما کان و مایکون

الصلوٰۃ والسلام علیک وعلٰی آلک وصحبک وابنک وحزبک واولیاء امتک وعلماء ملتکد وسائر اھل کلمتک اجمعین دائما ابدالبدین .... آمین والحمد للہ ربع العلمین۔

(نقل تقریر پٹنہ)

الحمد للہ رب العلمین' حمد الشاکرین' وافضل الصلاۃ واکمل السلام علی سیّد المرسلین' خاتم النبیین' اکرم الاوّلین والآخرین' قائد الفر المحجلین' نبی الحرمین' اما القبلتین' سید الکونین' وسیلتنا فی الدارین' صاحب قاب قوسین' المزین بکل زین' المنزہ من کل شین' جد الحسن والحسین' نبی الانبیاء' عظیم الرجا' عمیم العطا' ماحی الذنوب والخطا' شفیعنا یوم الجزاء' سراللہ المخزون' دراللہ المکنون' عالم ماکان و مایکون' نور الافئدۃ والعیون' سرور القلب المحزون' سیدنا ومولانا وحبیبنا ونبینا وشفیعنا ووکیلنا وکفیلنا وعوننا ومعیننا وغوثنا ومغیثنا وغیثنا وغیاثنا سیدنا ومولانا محمد' النبی المبعوث' رحمۃ للعلمین' وعلی اٰلہ الطیبین الطاہرین' وازواجہ الطاہرات امہات المومنین' واصحابہ المکرمین المعظمین' وابنہ الکریم الامین المکین' محی الاسلام والحق والشرع والملۃ والقلوب والسنۃ والطریقۃ والدین' واہب المراد' قطب الارشاد' فرد الافراد' سید الاسیاد' صلح البلاد' نافع العباد' دافع الفساد' مرجع الاوتاد' غوث الثقلین' وغیث الکونین' وغیاث الدارین' ومعیث الملوین' امام الفریقین سیدنا و مولانا ابی محمد عبدالقادر الحسنی الحسینی الجیلانی الکریم' وعلی سائر اولیاء امتہ الکاملین العارفین و علماء ملتہ الراشدین المرشدین' وعلینا معہم اجمعین' یاارحم الراحمین.

جب حضرت عزت جل جلالہ نے عالم بنانا چاہا' اپنے نور بے کیف سے نورِ منیر ونذیر ﷺ پیدا فرمایا۔ عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں سیّدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور سیّد عالم ﷺ فرماتے ہیں۔ یاجابر ان اللہ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ اے جابر! بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام جہاں سے پہلے تیرے نبی ﷺ کو اپنے نورِ کریم سے پیدا کیا۔ پھر حضورِ اقدس ﷺ کے نور سے تمام عالم کو جلوۂ ظہور میں لایا۔

توجس طرح مرتبہ وجود میں صرف اللہ ہے۔ جل وعلا: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ○

ع الا کل شیئ ما خلا اللہ باطل

حقیقت وجود اسی کی ذاتِ کریم سے خاص ہے۔ جہان وجہانیان کا اس میں کچھ حصہ نہیں' مگر جس پر وجودِ حقیقی کے آفتابِ عالم تاب نے اپنے نور کا پرتو ڈالا' وہ بقدرِ نسبت وقابلیت نامِ موجودیت سے بہرور ہوا۔

یونہی مرتبۂ ایجاد میں صرف ذاتِ کریم حضور سیّد المرسلین ﷺ ہے وبس۔ حضور ہی سرالوجود' منبع الوجود واصل ہر بود ہیں۔ وجوداتِ عالم ضرور وجودِ حقیقی کے ظلال و پرتو ہیں۔

مگر اولاً: وبالذات پرتوِ ذات وظلِ صفات' جامع الکمالات حضور سیدالکائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات ہے۔

پھر ثانیاً: وبالعرض حضور کی وساطت سے مرتبہ بہ مرتبہ تمام عالم اس تجلّی نور سے روشن ہے۔

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پر تو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

جیسے بلاتشبیہ شب چہاردہ کو اشیاء کہ آفتاب سے حجاب میں ہیں' بذاتِ خود اس سے نور لینے کے قابل نہیں۔ چودھویں رات کا چمکتا چاند متوسط ہو کر خود آفتاب سے نور لیتا' اور اپنے نور سے تمام روئے زمین کو روشن کر دیتا ہے۔ تو اگرچہ جس قدر چاندنی پھیلی ہوئی ہے' سب روشنی آفتاب ہی کی ہے۔ مگر چاند کے وساطت سے ملی ہے۔

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ نورِ حضورِ اقدس ﷺ کا نورِ الٰہی سے پیدا ہونا عیاذ باللہ تجزی حضرت وحدت سے اصلاً علاقہ نہیں رکھتا۔ ان مجازی فانی انوار میں دیکھئے۔ آفتاب سے چاند روشن ہوا' چاند سے زمین' چراغ سے چراغ جلایا۔ آفتاب و ماہتاب و چراغِ اوّل کے نور سے کوئی حصہ جدا ہو کر ان مستنیروں میں نہ آیا' اور انہیں انوار سے ان روشنیوں نے ظہور پایا...... تو جہالِ وہابیہ کا حدیث پر اعتراض محض جہالت ہے۔

انوار دو قسم کے ہیں' معنوی و حسی۔ معنوی کہ چشمِ جسم ان کے ادراک کی قابلیت نہیں رکھتی۔ جیسے نورِ قرآن' نورِ نماز' نورِ وضو...... بعض مریدین بعد وضو اپنے حجرۂ خلوت میں گئے۔ ایک نورِ عظیم چمکا' بے اختیار پکار اُٹھے۔ رایت ربی میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔ شیخ نے فرمایا: اے شخص! کہاں تو اور کہاں یہ رتبہ؟ یہ تیرے وضو کا نور تھا کہ یوں چمکا۔

صحیح حدیث میں اِرشاد ہوا کہ روزِ جمعہ سورۂ کہف کی تلاوت کی جائے۔ مقامِ تلاوت سے مکہ معظمہ اور اس جمعہ سے جمعہ آئندہ اور تین روز زائد تک روشن کر دیتی ہے۔

حسی کہ لائق احساس بصر ہیں' پھر دو قسم ہیں۔

ظاہر جیسے انوار کواکب' چراغاں۔

اور باطن جیسے حجرِ اسود' مقام ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی روشنیاں...... حدیث میں ہے: یہ جنت کے یاقوتوں سے دو یاقوت ہیں کہ اللہ عزوجل نے ان کا نور نظروں سے چھپا دیا۔ ورنہ دنیا کو روشن کر دیتے۔ مروی ہے جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے کعبہ معظمہ بنایا' اور حجرِ اسود آیا اس وقت اس کا نور صرف اس قدر چمکا کہ مکہ معظمہ کے گرداگرد چند میل مختلف تک روشن ہو گیا۔ جہاں تک وہ روشنی پہنچی' وہی حدودِ حرم قرار پائیں۔

حضور پرنور ﷺ کہ اصل انوار و معدن انوار و منبع انوار ہیں جمیع اِقسام نور کے بروجہ اکمل واتم جامع ہیں۔

حضور پرنور ﷺ کہ اصل انوار و معدن انوار و منبعِ انوار ہیں جمیع اقسام نور کے بروجہ اکمل واتم جامع ہیں۔ (۱) حضور پرنور ﷺ کے نورِ معنوی کو کون جان سکتا ہے؟ انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین و اولیاء کاملین و عباد اللہ الصالحین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین سب حسب اِستعداد اسی نورِ منیر سے روشن و مستنیر ہیں۔ علامہ فاسی مطالع المسرات میں حدیث نقل کرتے ہیں۔ حضور سیّدِ عالم ﷺ حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں: یا ابابکر لم یعرفنی حقیقة غیر ربی اے ابوبکر! مجھے جیسا میں ہوں سوائے میرے رب کے کسی نے نہ پہچانا۔

ترا چنانکہ توئی دیدۂ کجا بیند
بقدر بینش خود ہر کسے کند ادراک

حضور اقدس ﷺ کے نورِ حسی ہی کی جھلک' آفتاب و ماہتاب و جملہ مضیات میں چمک رہی ہے۔ ملائکہ کے چہروں میں اسی کی چمک' انسان کی مردمک میں اسی کی دمک' مستفیض و ظاہر ہیں۔ اور اس مفیض کریم پر بجمال رحمت و کمالِ عظمت ستر ہزار پردہائے ہیبت و جلال و رحمت و جمال ڈالے گئے ہیں کہ چشم عالمیان اس کے ادراک سے دور و مجبور ہے۔ العظمۃ للہ اگر حجاب اُٹھا دیں' عالم کی کیا جان؟ کہ اس کی تجلیات کی تاب لا سکے۔ جہان و جہانیان ایک جھلک میں جل کر خاک ہوں۔

سلطان الاولیاء حضرت نظام الحق والدین سیّدنا محبوب الٰہی فرماتے ہیں: جب سیّدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بعد تجلی طور واپس آئے کسی کو تاب نہ تھی کہ ان کے جمالِ مبارک سے نظر ملائے۔ کلیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نقاب ڈالا' فوراً جل گیا۔ یہاں تک کہ لوہے کا نقاب بنا کر روئے مبارک پر ڈالا' وہ بھی خاک ہو گیا۔ آخر بامرِ الٰہی بعض عاشقانِ حضرت عزت کے دامن سے نقاب بنایا' وہ قائم رہا۔

ہاں! چہرۂ کلیم مہر سپہر جلال تھا۔ نورِ آفتاب ہلکا ہونے کے لئے قمر درکار ہے کہ اس کی تجلیوں کا بار اپنے اوپر لے' اور اس سے ٹھنڈی ہلکی روشنی اوروں پر منکشف ہو...... جب جمالِ کلیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا اس آسان تر تجلی سے یہ حال تھا' تو اس ذاتِ کریم کا کیا پوچھنا' جو نورِ حقیقی کے مظہرِ اول اتم و اکمل و جامع تجلیات ذات و صفات اعلیٰ اقصی الغایات بلکہ بے حد و نہایات ہے' جسے جمالِ ازلی نے اپنا خاص آئینہ بنایا۔ جس کے ہر جلوہ میں مـــن رانی فقدرأ الحق کا دریا لہرایا' اس کے تاب کی کسے تاب؟

ع   کیا مہ ہے آئینے کا تری تاب لا سکے
خورشید پہلے آنکھ تو تجھ سے ملا سکے

تو لازم ہوا کہ نورِ کریم حجابِ رحمت و تعظیم میں رہے۔

وہ حجاب کیا ہے؟ کیا غیر اس کا حجاب ہو سکتا ہے' غیر اسے چھپا سکتا ہے؟ حاشا' بلکہ خود اس کا کمالِ ظہور ہی اس کا پردۂ نور ہوا...... نور کے لئے ایک حد ظہور ہے کہ جب اس حد تک رہے' نظر اس پر کام کرے اور جب اس سے ترقی کرے' اس کی تابش ہی اس کے لئے حجاب ہو کہ نظر بوجہ خیرگی' اس پر کام نہیں کرتی۔ آخر نہ دیکھا کہ آفتاب اُفق میں حجابِ سحاب رقیق سے بروجہ کمال نظر آتا ہے' اور نصف النہار پر روز صف میں طائرِ نظر کے پَر جلاتا ہے۔ پھر جس قدر ترقی زائد' احتجاب زائد۔

نورِ کریم کی ترقی بے نہایت کے حضور ابصار تو ابصار' بصیرت کی وہ حالت ہو گی' جو مہرِ عالم تاب کے حضور خفاش کی۔ لاجـــرم غایت ظہور ہی مستلزم غایت بطون ہوئی۔ پھر بھی اس کی خفیف جھلک جس میں نگاہ ظاہر کا حصہ رہا کہ اس بارگاہ کرم سے محروم مطلق نہ رہے' وہ ہے جو حدیث صحیح میں آیا: کان الشمس تجری فی وجهه گویا آفتاب چہرۂ نور میں رواں ہے۔ دوسری حدیث میں ہے: جب تو حضور اقدس ﷺ کو دیکھتا گمان کرتا کہ

آفتاب طلوع کر رہا ہے۔ تیسری حدیث میں ہے: اذا تکلم رُئی کالنور یخرج من بین ثنایاہ جب کلام فرماتے، دندان پیشیں کے درمیان سے نور سا چھنتا نظر آتا۔ چوتھی حدیث میں ہے: لہ نور یعلوہ یحسبہ من لم یتامل رشم بینی پرنور پر نور کا بلند تھا، جو غور سے نہ دیکھتا، بینی اقدس اس کو اس نور کے سبب بہت بلند گمان کرتا۔ پانچویں حدیث میں ہے: لم یقع مع الشمس الا غلب ضوئہ ضوئھا حضور اقدس ﷺ جب آفتاب کے سامنے کھڑے ہوتے حضور کا نور آفتاب کی ضیا کو دبا لیتا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم.

اس بیان کا سلسلہ یہاں تک پہنچا کہ عرفان و نور ایماں سب اسی نور والاظہور کے پرتو ہیں، بلکہ ایمان صرف حضور اقدس ﷺ کی تعظیم و محبت و عظمت کا نام ہے۔ تو جس کے دل میں جس قدر حضور اقدس ﷺ کی تعظیم و محبت و عظمت زائد اسی قدر اس کا ایمان اکمل؛ اور جس قدر کم، اتنا ہی ایمان ناقص؛ اور جس کے دل میں بلکل نہیں، وہ مطلقاً کافر ہے۔ لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین قطعاً اپنے ظاہر پر محمول ہے۔ بیشک جب تک محبت دینی، ایمانی، اِختیاری، ایقانی میں محمد رسول اللہ ﷺ کو تمام جہان اور خود اپنی جان سے زیادہ نہ چاہے، ہرگز مومن نہیں۔

انزال کتب وارسال رسل؛ بلکہ تخلیق آدم و عالم، سب اظہار عظمت عظیمہ محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے۔ ابن عساکر سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے راوی: حضرت عزت جل جلالہ نے حضور پرنور سیّد عالم ﷺ کو وحی بھیجی، اگر میں نے ابراہیم کو خلیل کیا، تمہیں اپنا حبیب کیا؛ اور تم سے زیادہ اپنی بارگاہ میں عزت و کرامت والا کوئی نہ بنایا۔ ولقد خلقت الدنیا واھلہا لاعرفھم کرامتک ومنزلتک عندی ولولاک لما خلقت الدنیا میں نے دنیا و مخلوقاتِ دنیا اسی لئے بنائی کہ میری بارگاہ میں جو منزلت و عزت تمہاری ہے، ان پر ظاہر فرمادوں؛ اگر تم نہ ہوتے، میں دنیا نہ بناتا۔ یعنی دنیا و آخرت کچھ نہ ہوتی کہ آخرت دارالجزاء ہے اور دارالجزاء کو دارالعمل کا تقدم ضروری۔ جب دارالعمل بلکہ عالمین ہی نہ ہوتے، دارالجزاء کہاں سے آتی؟...... حاکم نے صحیح مستدرک میں روایت کی۔ حضرت عزوجل وعلا نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی بھیجی:

لولا محمد ما خلقتک والا ارضا ولاسماء

اگر محمد ﷺ نہ ہوتے نہ میں تمہیں پیدا کرتا نہ آسمان زمین بناتا۔

قال اللہ تعالیٰ:

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَیْهِ (بقرہ ۲ ر ۱۴۳)

ہم نے نہ کیا وہ قبلہ جس پر تم تھے، مگر اس لئے کہ علانیہ ظاہر ہو جائے کہ کون براہ غلامی تمہارا اِتباع کرتا ہے۔ اور کون الٹے پاؤں پھرتا ہے۔

دیکھو! آیہ کریمہ صاف اِرشاد فرماتی ہے کہ فرضیت قبلہ صرف اس لئے ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و اِطاعت کرنے والوں کی پہچان سب کو معلوم ہو جائے۔ آیہ کریمہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ○ (طور ۵۲ ر ۵۶) میں نے جن و اِنسان اِسی لئے بنائے کہ میری عبادت کریں۔ حدیث مذکور سیّدنا سلمان رضی اللہ عنہ کے منافی نہیں۔ تخلیق جن و اِنس، عبادت کے لئے۔ اور عبادت سے حضرت عزت جل جلالہ کو نہ کوئی نفع، نہ اس کے ترک سے کوئی ضرر۔ وہ غنی، حمید ہے۔ احکام عبادت کی تشریع اِسی لئے ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے غلامان، مطیع و فرماں برداران کے حکم سے اُلٹے پاؤں پھر جانے والے نابکار سب پر ظاہر ہو جائے کہ عبادت اِلٰہی و تعظیم و محبت حضرتِ رسالت پناہی ﷺ متلازمین ہیں۔ متلازمین میں ایک کا کر دوسرے کا موکد ہوتا ہے نہ کہ نافی و منافی۔

ایمان کے دو رکن ہیں۔ لا الہ الا اللہ — محمد رسول اللہ ﷺ

آیہ کریمہ رکن اوّل کو بتاتی ہے...... اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ اس لئے بنایا کہ میری پرستش کریں۔ یعنی لا الہ الا اللہ.

اور حدیث شریف رکن دوم کا اشعار فرما رہی ہے: لاعرفھم کرامتک اسی لئے بنایا کہ تمہارا مرتبہ پہچانیں۔ یعنی محمد رسول اللہ ﷺ......

ولہٰذا اہلِ ادب و ایمان کے نزدیک تعظیم و محبت حضور اقدس ﷺ اصل کار و اہم فرائض و مناط قبول جملہ اعمال حسنہ ہے۔

اہم فرائض رکان ہیں، اور اہم ارکان اربعہ نماز، اور تعظیم و محبت حضور پرنور ﷺ سے اہم و اعظم۔ غزوۂ خیبر سے لٹتے ہوئے، حضور اقدس ﷺ نے منزل صہبا میں بعد نمازِ عصر سیّدنا امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے زانوئے مبارک پر سر اقدس رکھ کر آرام فرمایا۔ مولیٰ مشکل کشا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے ابھی نماز نہ پڑھی تھی۔ جب وقت تنگ ہونے پر آیا، مضطرب ہوئے کہ اگر اٹھتا ہوں، محبوب اکرم ﷺ کی خوابِ راحت میں خلل آتا ہے۔ معہٰذا کیا معلوم کہ حضور کو خواب میں کیا وحی ہو رہی ہو؟ اور اگر بیٹھا رہتا ہوں نماز جاتی ہے۔ آخر وہی تعظیم و محبت کا پلہ غالب آیا، اور اسد اللہ الغالب نے حضور اقدس ﷺ کے جگا دینے پر نماز جانے کو گوارا کیا۔ حتی توارت بالحجاب یہاں تک کہ آفتاب ڈوب گیا۔ اب کہ وقت مغرب ہوا، سرکار دو عالم ﷺ کی چشم حق بین کھلی۔ مولیٰ علی کو مضطرب پایا، سبب دریافت کیا۔

عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میں نے عصر کی نماز نہ پڑھی۔

حضور اقدس ﷺ نے دست مشکل کشائی بلند فرمائے اور اپنے رب عزوجل سے عرض کی:

الٰہی! علی تیرے رسول کے کام میں تھا...... اور آفتاب کو حکم دیا کہ پلٹ آتے۔ فوراً ڈوبا ہوا آفتاب اُفق غربی سے حکم کا باندھا ہوا کھنچا چلا آیا، وقت عصر ہوگیا۔ امیر المؤمنین نے نماز ادا فرمائی، پھر ڈوب گیا۔ امام اجل ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ ائمہ نے اس حدیث کی تصحیح فرمائی۔

جان کا رکھنا سب سے زیادہ فرض اہم ہے۔ اگر بوجہ ظلم عدو مکا بر وغیرہ نماز پڑھنے میں معاذ اللہ ہلاک جان کا یقین ہو اس وقت ترک نماز کی اجازت ہوگی۔ امام الصدیقین، اکمل الاولیاء العارفین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کی تعظیم و محبت کو حفظ جان پر مقدم رکھا۔ سفرِ ہجرت میں جب آفتاب رسالت و ماہتاب صدیقیت ﷺ برج ثور بیت الشرف قمر میں اجتماع نیرین کی طرح غار ثور پر جلوہ فرما ہوئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے محبوب اکرم ﷺ سے عرض کی:

یارسول اللہ! حضور باہر توقف فرمائیں، پہلے میں اندر جا کر غار کو صاف کر دوں کہ اگر کوئی چیز ہو تو مجھے پہنچے...... غار چند ہزار سال کا تھا، بہت سوراخ تھے، صدیق نے سنگریزوں سے، پھر کپڑے پھاڑ پھاڑ کر ان سے بند کیے۔ ایک سوراخ رہ گیا، اس میں پاؤں کا انگوٹھا رکھا، اور حضور اقدس ﷺ کو بلایا۔ حضور نے ان کے زانو پر سر انور رکھ کر آرام فرمایا۔ وہاں ایک سانپ مدت سے بہ تمنائے دیدار فائض الانوار حضور پر نور سیّد الابرار ﷺ رہتا تھا، کہ اس نے قرونِ سابقہ میں علمائے اُمم سابقہ کو باہم ذکر کرتے سنا تھا، کہ حضور اقدس نبی آخر الزماں ﷺ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت اور غار ثور میں اقامت فرمائیں گے۔ سانپ نے اپنا سر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے انگوٹھے پر رگڑا۔ انہوں نے جانا کہ سانپ ہے۔ مگر اس خیال سے کہ جان جائے، مگر محبوب کی نیند میں خلل نہ آئے، پاؤں نہ ہٹایا۔ یہاں تک کہ اس نے کاٹا، صدیق نے بکمال ادب جنبش نہ کی، مگر شدتِ ضبط کے باعث آنسو نکل کر رُخسار محبوب رب العالمین پر پڑے۔ حضور اقدس ﷺ کی چشم جانفزا کھلی، صدیق سے حال پوچھا۔

عرض کی: لُدِغْتُ بابی انت وامی یارسول اللہ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے سانپ نے کاٹا...... حضور اقدس ﷺ نے لعابِ دہنِ اقدس لگا دیا، فوراً آرام ہوگیا۔

یہی تعظیم، محبت، جاں نثاری اور پروانہ واری شمع رسالت بعد انبیاء و مرسلین صلوات اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تمام جہاں پر باعث تفوق ہے۔ جس نے صدیق اکبر کو ان کے بعد تمام عالم، تمام خلق اللہ، تمام اولیاء، تمام عرفا سے افضل و اکرم و اکمل و اعظم کر دیا۔ یہی وہ سِر ہے، جس کی نسبت حدیث میں آیا کہ ابوبکر کو کثرتِ صوم و صلاۃ کی وجہ تم پر فضیلت نہ ہوئی۔ ولکن بشیء وقر فی صدرہ بلکہ اس سِر کے سبب جو اس کے دل میں راسخ و متمکن ہے۔ یہی وہ راز ہے جس کے باعث ارشاد ہوا کہ: لو وزن ایمان ابی بکر بایمان امتی لرجح ایمان ابی بکر بایمان امتی لرجح ایمان ابی بکر اگر ابوبکر کا ایمان میری تمام اُمت کے ایمان کے ساتھ وزن کیا جائے تو ابوبکر کا ایمان غالب آئے۔ والہٰذا قرآنِ عظیم نے اپنے نصوصِ قطعیہ سے شکلِ اوّل بدیہی الانتاج، افضلیت مطلقہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر قائم فرما دی۔ قال اللہ تعالیٰ عزوجل: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ٥ (حجرات ۴۹ ء ۱۳) تم سب سے زیادہ عزت والا اللہ عزوجل کے حضور وہ ہے جو تم سب میں اتقیٰ ہے۔ اور دوسری آیہ کریمہ میں صاف فرما دیا: اتقیٰ کون ہے؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ قال تعالیٰ:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ٥ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ٥ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ٥ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ٥ (الـلیل ۹۲ ، ۱۷ تا ۲۱) قریب ہے جہنم سے بچایا جائے گا وہ سب سے اتقیٰ جو اپنا مال دیتا ہے ستھرا ہونے کو اور اس پر کسی کا ایسا احسان نہیں، جس کا بدلہ دیا جائے۔ مگر اپنے پروردگار برتر کا وجہ کریم چاہنا اور قریب ہے کہ وہ اس سے راضی ہو جائے گا۔ بشہادت آیت اولیٰ ان آیاتِ کریمہ سے وہی مراد ہے، جو افضل و اکرم امت مرحومہ ہے اور وہ نہیں مگر اہلِ سنت کے نزدیک صدیق اکبر۔

اور تفضیلیہ و روافض کے یہاں امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم...... مگر اللہ عزوجل کے لئے حمد کہ اس نے کسی کی تلبیس و تدلیس کو جگہ نہ چھوڑی۔ آیہ کریمہ نے ایسے وصف خاص سے اتقیٰ کی تعیین فرما دی، جو صدیق اکبر کے سوا کسی پر صادق آہی نہیں سکتا۔ فرماتا ہے: وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ٥ اس پر کسی کا ایسا احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔

حضور پر نور ﷺ خلیفۃ اللہ الاعظم و محسن و منعم تمام عالم ہیں...... حضور کے احسانات کہ بے حد و غایات ہیں، دو قسم ہیں:-

دینیہ کہ اولین و آخرین حتی کہ انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین علیہم الصلوٰۃ والسلام اجمعین جس نے جو نعمت ایمان و دولت عرفان پائی، حضور خلیفۃ اللہ الاعظم ﷺ ہی کے ہاتھوں سے ملی۔ حضور ہی کی بدولت ہاتھ آئیں۔ والہٰذا تمام انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین علیہم الصلوٰۃ والسلام اجمعین سے سیّد عالم ﷺ پر ایمان لانے کا عہد لیا گیا۔

اور دنیویہ...... پھر یہ دو قسم ہیں:

اوّل عامہ باطنہ، کہ حضور اقدس ﷺ بحکم خلافت رب العالمین جل و علا جملہ نعمہائے الٰہیہ کے قاسم ہیں۔ خود فرماتے ہیں ﷺ: انما انا قاسم واللہ

المعطی بانٹنے والا میں ہوں اور دینے والا اللہ عزوجل۔ روزِ اوّل سے آج تک، روزِ قیامت سے ابدالآباد تک، جو نعمت جسے ملی، یا ملتی ہے، یا ملے گی، مصطفٰے ﷺ کے دستِ اقدس سے بٹی اور بٹتی ہے، اور بٹے گی۔ جس طرح دین وملت و اسلام وسنت وصلاح وعبادت وزہد وطہارت وعلم معرفت یہ سب نعمتہائے دینیہ ان کی عطا فرمائی ہوئی ہیں...... یوں ہی مال ودولت، شفا وصحت، عزت ورفعت، امارت وسلطنت، فرزند وعشیرت یہ سب نعم دنیویہ بھی انہیں کے دست اقدس سے ملی ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۝ انہیں کی غنی کردیا، اللہ ورسول نے اپنے فضل سے۔ اور فرماتا ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝ (توبہ ۹:۵۹) اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اللہ ورسول کے دیئے پر راضی ہوتے اور کہتے ہیں خدا کافی ہے۔ آپ ہمیں دیتے ہیں اللہ ورسول اپنے فضل سے ہم اللہ کی طرف رغبت والے ہیں۔

وہابیہ شرک فروش اسنادات حقیقت وتجوز وعطا وتسبب میں فرق نہ کر کے احمد بخش، محمد بخش ناموں کو شرک بتاتے ہیں...... حالانکہ قرآنِ عظیم میں جبریلِ امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرتِ مریم سے فرمانا مذکور اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَهَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا ۝ (مریم ۱۹:۱۹) میں تو تیرے رب کا رسول ہوں تاکہ میں تجھے ستھرا بیٹا دوں۔ دیکھو! قرآنِ عظیم سیدنا عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جبریل بخش، فرمارہا ہے...... یہ عجیب شرک مقبول ومحمود ہے کہ قرآنِ عظیم میں موجود ہے۔ **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

دوم خاصہ ظاہرہ کہ حضورِ اقدس ﷺ بکمالِ رحمت ورأفت ظاہر بشریت کی طرف تنزل فرما کر اپنے غلاموں، کنیزوں سے حسب عرف وعادت باہمی معاملت فرماتے۔ جیسے انس بن مالک رضی اللہ عنہ خادم سرکار کی روٹی سرکار سے مقرر تھی۔ حالانکہ واللہ تمام جہان کو روٹی سرکار ہی سے ملتی ہے۔ لوگوں کو مانگے اور بے مانگے بیشمار نعمتیں عطا فرمادیں، جن کی بعض تفصیل کتب حدیث میں مذکور۔

حضورِ اقدس ﷺ کی پہلی دو قسم کی نعمتیں ہرگز اس قسم سے نہیں، جن کا کوئی بدلہ دے سکے۔ نعم دینیہ کا معاوضہ نہ ہوسکنا تو ظاہر، اور نعم عامۂ باطنہ کو دنیویۂ بحکم خلافت رب العزت ہیں...... اللہ عزوجل کو کون عوض دے؟ ہاں! قسم سوم ہی کی نعمتیں کہ باہمی معاملات عرفیہ کے طور پر تھیں، صالح عوض و مجازات ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر بعد انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم حضور پرنور سیدِ عالم ﷺ کے جس قدر احسانات وانعامات قسم اوّل کے ہیں، تمام عالم میں کسی پر نہیں۔ اور قسم دوم میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور تمام عالم شریک ہیں۔ مگر قسم سوم، یعنی معاملات باہمی قابلِ معاوضہ میں ہمیشہ صدیق اکبر کی طرف سے بندگی وغلامی وخدمت ونیازمندی، اور مصطفٰے ﷺ کی طرف سے براہ بندہ نوازی، قبول وپذیرائی اور عطائے سعادت مندی کا برتاؤ رہا۔ یہاں تک کہ خود صدیق اکبر کے مولائے اکرم وآقائے اعظم ﷺ نے فرمایا:

انه لیس فی الناس احد امن علی فی نفسه وماله من ابن ابی قحافه

بے شک تمام آدمیوں میں اپنی جان ومال سے میرے ساتھ کسی نے ایسا سلوک نہ کیا جیسا کہ ابوبکر نے۔ اور فرمایا:

مالاحد عندنا ید الا وقد کافیناه بها ماخلا ابابکر فان له عندنا یدا یکافئه الله بها یوم القیامة وما نفعنی مال احد قط مانفعنی مال ابی بکر

کسی کا ہمارے ساتھ کوئی حسن سلوک ایسا نہیں جس کا ہم نے عوض نہ کردیا ہو سوا ابوبکر کے کہ ان کا ہمارے ساتھ وہ حسن سلوک ہے جس کا بدلہ اللہ تعالٰی انہیں روزِ قیامت دے گا مجھے کسی کے مال نے ایسا نفع نہیں دیا جیسا ابوبکر کے مال نے۔ صدیق نے حضورِ اقدس ﷺ کی بارگاہ والا میں حضرت بتول زہراء رضی اللہ تعالٰی عنہا کی نسبت درخواست عرض کی۔ حضورِ پرنور نے صغرسن کا عذر فرمادیا۔

فقیر کہتا ہے اس میں ایک حکمت جلیلہ یہ بھی تھی کہ دامادی میں قبول کرنا انہیں دنیاوی احسانات سے ہے، جن میں جزاومکافات جاری۔ حدیث میں ہے کہ جو کچھ ہدیہ وعطیہ عقد نکاح سے پہلے دیا جائے، وہ عورت کا ہے۔ اور جو بعد کو دیا جائے وہ اس کا ہے جسے دیا جائے۔ یعنی خسر وخوشدامن وغیرہم۔ پھر فرمایا: واحق مایکرم الرجل به ابنته او اخته اور آدمی جن ذرائع سے اکرام ونیک سلوک کا مستحق ہو ان سب میں زیادہ ذریعہ اس کی بیٹی یا بہن ہے۔ اور اللہ ورسول کو منظور نہ تھا کہ صدیق پر ان کے احسانات ناممکن العوض کے سوا کوئی احسان قابلِ معاوضہ دینیہ ہو، لہٰذا عذر فرمادیا۔ بخلاف سیدنا امیر المومنین مولٰی علی مشکل کشا کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کہ ان پر حضورِ اقدس ﷺ کے بے پایاں احسانات دو قسم اولین کے سوا قسم سوم کے بھی بہت احسان ہیں۔ اُنہوں نے پرورش ہی مصطفٰے ﷺ کے مال سے پائی۔ حدیث میں ہے: قبل ظہور نورِ نبوت مکہ معظمہ میں گرانی ہوئی، حضورِ پرنور ﷺ نے سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے فرمایا: تم دیکھتے ہو کہ زمانہ گرانی کا ہے، اور ابوطالب کے عیال کثیر۔ آؤ! کہ ہم ان پر تخفیف فرمادیں۔ یہ فرما کر حضور، اور حضور کے ہمراہ رکاب حضرتِ عباس، ابوطالب کے پاس تشریف لائے۔ حضورِ اقدس ﷺ نے مولٰی علی کو اپنی پرورش میں لے لیا، اور حضرتِ عباس نے حضرتِ جعفر یا حضرت عقیل کو۔ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ پھر تتمیم نعمت کبریٰ، تزویج حضرت بتول زہرا سے ہوئی۔ **صلی اللہ تعالٰی وعلٰی علیه وصحبه وبارک وسلم**

تو آیۂ کریمہ **وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى o** سے مولیٰ علی قطعاً مراد نہیں ہوسکتے' بلکہ بالیقین صدیق اکبر ہی مقصود ہیں' اور اسی پر اجماعِ مفسرین موجود۔ اسی افضلیتِ مطلقۂ صدیقی کے مناشی سے ہے اس جناب کا کمال تشبیہ حضور پر نور سیّد عالم ﷺ پر ہونا۔

اوّل ظہورِ بعثت شریفہ میں جب حضور نے فرمایا تھا: **لقد خشیت علی نفسی** مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ اس وقت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور کے جو اوصاف کریمہ شمار کیے تھے کہ اللہ تعالیٰ حضور کو ضائع نہ چھوڑے گا۔ حضور یہ یہ کمالاتِ عالیہ رکھتے ہیں بعینہا وہی کمالات انہیں الفاظ سے ابن الدغنہ نے صدیق کے لئے بیان کئے۔ جب قبلِ ہجرت بقصد ہجرت تشریف لے چلے ہیں راہ میں ابن الدغنہ ملا' حال معلوم ہوا۔ کہا: کیا آپ جیسا وطن سے جدا کیا جائے گا؟ حالانکہ آپ یہ یہ کمالاتِ عالیہ رکھتے ہیں۔

یوں ہی جب صلح حدیبیہ ہوئی' اور مسلمان اس سال مکہ معظمہ جانے سے باز رکھے گئے' یہ امر ان پر بالخصوص **اشدھم فی امر اللہ** امیر المومنین عمر فاروق اعظم ﷺ پر سخت شاق گزرا۔ حضور پر نور ﷺ کو رب عزوجل نے سفرِ حدیبیہ سے پہلے خواب دکھایا تھا کہ حضور مع صحابہ کرام مسجد الحرام میں بامن وامان داخل ہوئے' اور مناسکِ حج ادا فرمائے۔

صحابہ کا گمان تھا کہ اس خواب کی تصدیق اسی سفر میں واقع ہوگی۔ جب اس سال واپسی کی ٹھہری' امیر المومنین فاروق اعظم ﷺ خدمتِ اقدس حضور سیّد عالم ﷺ میں حاضر ہوئے' اور عرض کی:

یارسول اللہ! کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟

فرمایا: ضرور۔

عرض کی: کیا ہمارے شہداء جنت میں' اور ان کے مقتولین نار میں نہیں؟

فرمایا: کیوں نہیں!

عرض کی: کیا ہم اپنے دین میں دبتی کیوں رکھیں؟

فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں' اور اس کی نافرمانی نہیں کروں گا' اور وہ ضرور میری مدد فرمائے گا۔

عرض کی: کیا حضور نے ہمیں خبر نہ دی تھی' کہ ہم کعبہ معظمہ جائیں گے' اور طواف بجالائیں گے؟

فرمایا: ہاں! خبر دی تھی' پھر کیا یہ فرمادیا تھا کہ اسی سال؟

عرض کی: نہ۔

فرمایا: تو ضرور تم کعبے جاؤ گے' اور طواف بجالاؤ گے۔

فاروق اعظم اس پر تمنا پر کہ شاید صدیق شفاعت کریں' اور ان کی مراد کہ کفار سے جہاد اور بالجبر داخلی کعبہ معظمہ ہے' حاصل ہوجائے۔ خدمتِ صدیق میں حاضر ہوئے' اور گذارش کی:-

کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟

فرمایا: ضرور۔

کہا: کیا ہمارے شہداء جنت میں' اور ان کے مقتولین نار میں نہیں؟

فرمایا: کیوں نہیں۔

کہا: پھر ہم اپنے دین میں دبتی کیوں رکھیں؟

فرمایا: اے شخص! وہ اللہ کے رسول ہیں' اور اس کی نافرمانی نہ کریں گے' اور وہ ضرور ان کی مدد فرمائے گا۔ ان کی رکاب تھام لے کہ خدا کی قسم وہ حق پر ہیں۔

کہا: کیا ہمیں خبر نہ دی تھی' کہ ہم کعبہ معظمہ جائیں گے اور طواف بجالائیں گے؟

فرمایا: ہاں! خبر دی تھی' پھر کیا یہ فرمادیا تھا کہ اسی سال؟

کہا: نہ!

فرمایا: تو ضرور تم کعبے جاؤ گے...... اور طواف بجالاؤ گے۔

دیکھو بعینہٖ حرف بحرف وہی جواب ہیں' جو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمائے...... یہ وہی بات ہے کہ قلبِ صدیقی آئینۂ قلبِ حضور سیّد الکائنات ہے۔ **صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبارک وکرم**۔ آیۂ کریمہ میں اسی خواب کا ذکر ہے۔

یہاں سے تفسیرات کی طرف رجوع کی' متعلق تفسیر صرف اس قدر بیان ہوا تھا کہ:

بآں کہ خطاب مصدقین سے ہے' نہ منکرین سے قرآنِ عظیم کو اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی تصدیق خواب وتسکین اصحاب میں کس قدر

اہتمام ہے کہ اِسے طرح طرح سے موکد فرمایا۔

اوّل: تو صدق اللہ خود ہی جملہ بدیہی الصدق تھا کہ صدق کی نسبت حضرت عزت کی طرف واجب الصدق ہے' کذب وہاں محال بالذات ہے۔ اِمکان کا ماننے والا گمراہ' بدذات ہے۔

ثانیا:'قد'

ثالثا:'لام'

رابعا:'بـالـحق' سے اس کی تاکیدیں اِرشاد ہوئیں...... پھر رؤیا کا بیان اور اس کے متعلق لطائف حکمیہ کا تبیان' اور یہ کہ خواب انبیاء وحی ہوتی ہے' اور اس پر خواب سیّدنا اِبراہیم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا بیان اور اس کے سبب ذبح ولد پر اِقدام کہ بے نص قطعی قطعاً حرام۔ تو خواب انبیاء ضرور نص قاطع کی طرح مثبت اِحکام۔

یہی بیان ہو رہا تھا کہ فاضل نوجوان مولانا مولوی محمد حامد رضا خان سلمہ المنان نے آ کر کان میں کہا کہ کچھ ندوی حضرت آ گئے ہیں معاً عنان عزیمت جانب اظہار مکائد ندوہ پھیری کہ:

وعدۂ الٰہیہ صادق آیا۔ سالِ آئندہ کہ مکہ معظمہ فتح ہوا' لوگ فوج فوج دین خدا میں داخل ہوئے۔

اسلام کی ترقیاں' صحابہ کی جانثاریاں' ہجرت کے اِحوال تصرف ذی الجلال کا بیان کیا کہ:

اس وقت ظہور بدر عظیم و فتح مبین کیا محل عجب تھا؟ مولیٰ عزوجل نے اس وقت اپنے محبوب اکرم ﷺ کی وہ نصرف ظاہرہ' باہرہ' قاہرہ' زاہرہ فرمائی' جب ظاہری سامان اصلاً نہ تھا۔ فوج' نہ لشکر' نہ ہتھیار' نہ مقاتلے میں اذن پروردگار' اور ایک جہان برسر پیکار۔ جب کفار نے دار الندوہ میں جماؤ کیا' مصطفیٰ ﷺ کے خلاف مشورے ہوئے۔ شیخ نجدی ملعون' پیر مرد بن کر آیا' اور اس گمراہ انجمن کا رکن اعظم بنا۔ مگر انجام کیا ہوا کہ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۝ اللہ تعالیٰ نے کافروں کا قول پست و ذلیل فرما دیا' اور اللہ ہی کا بول بالا ہے۔ اور ہمیشہ سنت الٰہیہ ہے کہ باطل کے لئے اِبتداء میں ایک صولت ہوتی ہے کہ صادق و کاذب کا امتحان ہو: لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۝ انجام کار ظفر و نصرت نصیبۂ اہل حق ہے: قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝...... وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝

اسی کی مثالوں میں اس ندوہ ہالکہ کا پچھلا جانشین اس ندوہ پٹیس کا اِبتداً خروج اور نیچریوں' رافضیوں' وہابیوں' غیر مقلدوں کے جرگوں سے اس کا عروج اور جس روز جلسہ دستار بندی مدرسہ فیض عام کانپور کے پچھلے دنوں بنائے ندوہ کی پہلی اینٹ رکھی جاتی تھی' علمائے اہلسنّت کا اسی وقت خلاف فرمانا۔ مفتی لطف اللہ صاحب کا مقاصد ندوہ کے ضلال مبین و مضر مسلمین ہونے پر اِقرار کرنا اور کہنا کہ میں بھی تو صبح سے یہی چھینک رہا ہوں۔ میری کوئی نہیں سنتا۔ پھر جو حالتیں اس کے جلسات پر وارد ہوئیں' جو صریح ضلالتیں اس کی روداوں میں سال بسال بڑھتی گئیں۔ علمائے اہلسنّت کا ناظم وغیرہ مدعیانِ سنت کو اولاً بنرمی و خوشامد' پابندی مذہب اہلسنّت کی طرف بلانا' پھر بعد جواب صاف علانیہ رد و خلاف فرمانا' ندویوں کا جواب سے عاجز آنا' فتاویٰ السنہ کا مرتب ہونا' پھلواری صاحب رکن رکین ندوہ کا بریلی آنا' طعام و کلام دونوں دعوتوں کا دیا جانا' پھلواری صاحب کا دعوتِ طعام قبول و دعوتِ کلام سے صراحۃً عدول کر جانا' اور صاف لکھ دینا کہ میں مرد میدان مناظرہ نہیں۔ پھر باوصف وعدہ طعام میں بھی حاضر آنا' دوبارہ بلایا جانا' دستوں کا بہانا فرمانا' حالانکہ نئے اور پرانے شہر دونوں میں روزانہ وعظ کو جانا' وہاں اس حال اسہال کا مانع نہ آنا' پھر بعد تقاضائے بسیار و شدت انتظار بمشکل تمام حضرات کا تشریف لانا' مجمع میں فتاویٰ السنہ سنایا جانا' پھلواری صاحب کا تمام جوابوں کو تسلیم فرمانا' پھر یہ گفتگو پیش آنا: جب جواب حق ہیں' مہر کیجئے! کہا: اس میں صاف ندوہ کا نام لکھا ہے' لہٰذا مہر نہیں کر سکتا۔ کہا گیا: بہت اچھا' سوالات میں بجائے ندوہ زید و عمر لکھ کر جوابوں کی تصدیق کیجئے' کہا: کتاب لئے جاتا ہوں' پندرہ دن کی مہلت دیجئے۔ ان سوالوں کے بھی جواب خود اپنے قلم سے لکھ کر بھیج دوں گا۔ فرمایا گیا: پندرہ دن نہیں' مہینہ بھر کی مہلت سہی۔ الحمد للہ کہ آپ کو ان گمراہوں کی ضلالت تو مسلم رہی۔ کہا: مولانا! ضلالت نہ فرمائیے' مداہنت فرمائیے۔ جلسہ تو ان نالے پالے پر ختم ہوا' مگر مہینہ نہ سال' برسیں گزریں۔ جواب نہ دینا تھا' نہ دیا۔

کو ان گمراہوں کی ضلالت تو مسلم رہی۔ کہا: مولانا! ضلالت نہ فرمائیے، مداہنت فرمائیے۔

جلسہ تو ان تالے پالے پر ختم ہوا مگر مہینہ نہ سال، برسیں گزریں۔ جواب نہ دینا تھا، نہ دیا۔

غضب کیا ترے وعدے پہ اعتبار کیا　　　تمام رات قیامت کا انتظار کیا

ان تمام مطالب اور ندوے کی ضلالت اقوال وشناعت مقاصد ومفاسد ومکائد کا حال بوضاحت تمام بیان کیا۔ (اور) حب وبغض پر کلام میں کہا:- ندوہ تمام بددینوں، گمراہوں سے وداد واتحاد فرض کرتی ہے کہ اتحاد نہ ہو تو ایمان نہ دارد، اور ایمان نہیں، تو جنت سے کیا سروکار؟ مسلمانانِ ہند کے سب گناہ معاف ہو سکتے ہیں، سوا نااتفاقی کے۔ سب کلمہ گو حق پر ہیں۔ خدا سب سے راضی ہے، سب کو ایک نظر دیکھتا ہے۔ گورنمنٹ انگریزی کا معاملہ خدا کے معاملوں کا پورا نمونہ ہے۔ اس کے معاملے دیکھ کر خدا کی رضا و ناراضی کا حال کھل سکتا ہے۔ کلمہ گو کیسا ہی بددین، بدمذہب ہو، ان میں جو زیادہ متقی ہے، خدا کو زیادہ پیارا ہے۔ ان میں جس کی توہین کیجئے، خدا اور رسول پر حرف آتا ہے۔ یہ کلمات ان کے امثال خرافات کو اہلِ ندوہ کی جور وداد ہے، جو مقال ہے، ایسی ہی باتوں سے مالا مال ہے۔ سب صریح وشدید نکال وعظیم وبال وموجب غضب ذی الجلال ہیں۔ امیر المومنین مولی المسلمین شیر خدا مشکل کشا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے زمانہ اقدس میں حوارج خذلھم اللہ تعالی نے ظہور کیا، وہ علما تھے، عُبّاد تھے، قراء کہلاتے، راتیں شب بیداری، اور دن تلاوت قرآن وذکر باری میں گزارتے، مگر گمراہ تھے، اہلسنت کے مخالف وبدخواہ تھے۔ امیر المومنین کرم اللہ وجہہ الکریم نے نہ ان کے علم وفضل پر نظر فرمائی، نہ ان سے اُخوت اسلامی ٹھہرائی، بلکہ ان پر لشکر کشی فرمائی۔ سر اشرار پر برق بارذوالفقار چمکائی۔ وہ دس ہزار مولویوں کا ندوہ تھا، فقط دو روپے کا ٹکٹ لے کر مولوی نہ بنتے تھے، بلکہ واقعی علم رکھتے تھے، حدیث جانتے، قرآن پڑھتے تھے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان کے شکوک کہ بعینہ وہابیہ کے شکوک تھے، رفع فرمائے۔ پانچ ہزار حق کی طرف رجوع لائے، پانچ ہزار ختم اللہ علی قلوبھم رہے۔ ان پر تیغ شرر بار اشرار شکار اسد کردگار حیدر کرار چمکی، اور ایک ایک کر کے ہر گردن کشیدہ خاک ذلت پر فرش کی۔ وہ خبیث قتل ہو رہے تھے، کسی نے آکر خبر دی کہ بھاگ کر نہر کے پار گئے۔ عالم ماکان ومایکون ﷺ کے نائب اسد اللہ الغالب نے فرمایا: ہرگز نہیں۔ ان میں سے دس نہر کے پار نہ جاسکیں گے، سب ادھر ہی قتل ہوں گے۔ پھر بہت وثوق کی خبریں آئیں کہ پار بھاگ گئے۔ فرمایا: واللہ وہ ادھر نہ جائیں گے، اسی پار ہلاک ہوں گے۔ سچا وعدہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول کا، جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ بالآخر تحقیق ہوا کہ واقعی دس بھی نہ جاسکے، سب اسی طرف کنارۂ آب سے کنارۂ نار میں جاگزیں ہوئے۔ کسی نے کہا خدا کا شکر ہے کہ جس نے زمین کو ان کی نجاست سے پاک کیا۔ امیر المومنین نے فرمایا: واللہ! وہ ابھی مردوں کی پیٹھ میں ہیں، عورتوں کے پیٹ میں ہیں، وہ قرن قرن ظاہر ہوتے رہیں گے۔ کلما قطع قرن نشأ قرن جب ان کی ایک سنگت کاٹ دی جائے گی، دوسری سر اُٹھائے گی۔ حتی یخرج آخرھم مع المسیح الدجال یہاں تک کہ ان کا پچھلا گروہ دجال ملعون کے ساتھ نکلے گا۔

اس وعدۂ صادقہ کے مطابق، ایسے مولویوں کی سنگت، ہر زمانہ، ہر قرن میں، مختلف نام مختلف صورت سے ظاہر ہوتی رہی، یہاں تک کہ بارھویں صدی میں نجدی خبیث ظاہر ہوا، اور مذہب وہابیہ نے کہ خوارج مخذولین کا سچا فضل خوار ہے، شیوع کیا۔ ان کے وہی عقائد، وہی مکائد، وہی دھوکے، وہی تلبیس، وہی ادائے عمل قرآن وحدیث...... ان خبیثوں کا اعتراض تھا کہ مولی علیہ نے ابوموسیٰ اشعری ﷺ کو حکم بنایا، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۝ حکم نہیں مگر اللہ کے لئے، یہ شرک ہوا۔ حالانکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا۝ مرد وزن میں خلاف ہو تو ایک حکم اس کے لوگوں سے بھیجو اور ایک حکم اس کے لوگوں سے۔ حدیث میں ہے ینزل عیسی حکما مقسطا یعنی عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام حاکم عادل ہو کر نزول فرمائیں گے...... یہ وہابیہ، ان خوارج کے شاگرد کہتے ہیں۔ اہلسنت انبیاء واولیاء سے استعانت کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۝ ہم تجھی کو پوجیں ہم تجھی سے مدد چاہیں۔ یہ شرک ہوا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۝ نکوئی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ حدیث شریف میں ہے: فلیناد اعینونی یا عباد اللہ یوں پکارے مدد کرو میری اے اللہ کے بندو۔

حقیقت ذاتیہ وعطائیہ میں نہ ان خبیثوں نے فرق کیا، نہ اُنہوں نے۔ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ۝ یہ سب گمراہ فرقے ائمہ ہدی واکابر محبوبان خدا کے دشمن ہیں...... رافضیوں کی عداوت تو ہر بچے پر ظاہر۔ اللہ اللہ وہ صدیق، جن کے فضائل سے ایک شمہ سن چکے۔ وہ صدیقہ بنت الصدیق ام المومنین جن کا محبوبہ سیدالمرسلین محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی ابیھا وعلیھا وسلم ہونا آفتاب نیم روم سے روشن تر...... وہ صدیقہ جن کی تصویر بہشتی حریر میں روح القدس خدمت اقدس سیّد المرسلین ﷺ میں حاضر لائیں...... وہ اُم المومنین کہ جبریل امین بآں فضل مبین انہیں سلام کریں، اور ان کے کاشانۂ عزت وطہارت میں بے اِذن لئے حاضر نہ ہو سکیں...... وہ صدیقہ کہ اللہ عزوجل وحی نہ بھیجے ان کے سوا کسی کے لحاف...... وہ اُم المومنین کہ مصطفیٰ ﷺ اگر کسی سفر میں بے ان کے تشریف لے جائیں، ان کی یاد میں واعروساہ فرمائیں...... وہ صدیقہ کہ یوسف صدیق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برأت کی شہادت اہلِ زلیخا سے ایک بچہ ادا کرے، بتول مریم کا تبریہ روح اللہ وکلمۃ

اللہ فرمائے' مگر ان کی برأت وطیب وطہارت کی گواہی میں قرآن کی آیتیں نزول فرمائیں...... وہ اُم المومنین کہ محبوب رب العالمین ﷺ ان کے پانی پینے میں دیکھتے رہیں کہ کوزے میں کس جگہ لب مبارک رکھ کر پانی پیا ہے' حضور پرنور ﷺ اپنے لب ہائے مبارک' خدا پسند' وہیں رکھ کر پانی نوش فرمائیں۔ یہ اشقیائے ملاعنہ خـذلهـم اللہ ایسے محبوبانِ خدا اور سول کے دشمن' ایسوں کے بدگو' ایسوں پر طعنہ زن؛ اور ندوہ مخذولہ ان سب کی دوست' ان سب کی انجمن۔ قاتلها الله من ندية الفتن۔

آدمی اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھے' اگر کوئی اس کی ماں کی توہین کرے' برا کہے تو اس کا کیسا دشمن ہو جائے گا؟ اس کی صورت دیکھ کر آنکھوں میں خون اُتر آئے گا۔ مسلمانوں کی مائیں ندوہ مخذولہ کی آنکھ میں یوں بے قدر ہوں کہ ان کی بدگویوں سے اِتحاد و وداد فرض ہو' اتحاد نہ ہو تو ایمان ندارد؟ عائشہ و صدیق کی توہین تو خدا اور سول کی توہین نہ ٹھہری' مگر رافضیوں وہابیوں کی توہین' خدا اور سول کی توہین؟ عائشہ وصدیقہ سے عداوت والوں کا ایمان (تو) بڑا اعلیٰ درجہ کا ہو' ان میں جو اتقی ہے' اللہ کے نزدیک بڑے رتبہ والا ہو' مگر رافضیوں وہابیوں سے مخالفت (کرنے والوں کا) ایمان ندارد' جنت سے محرومی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ!

علما فرماتے ہیں۔ اعدائک ثلاثة تیرے دشمن تین ہیں:-

عدو الذی عادا ایک تو آپ تیرا دشمن۔

وعدو صديقک اور تیرے دوست کا دشمن۔

وصديق عدو اور تیرے دشمن کا دوست۔

رسول اللہ ﷺ کے قسم اوّل کے دشمن روافض' نواصب وخوارج' وہابیہ کہ محبوبانِ خدا وائمہ ہدیٰ کے اعدا ہیں۔

اور قسم سوم کے دشمن یہ ندوی حضرات کہ ان دشمنوں کے دوست ہیں۔

اللہ سب دشمنوں کے شر سے بچائے' اور مصطفیٰ ﷺ کی سچی محبت اور ان کے سب دشمنوں سے کامل عداوت عطا فرمائے' اور اسی حب وبغض پر کہ اسے محبوب ومقبول ہے' دنیا سے اُٹھائے۔ آمین!

ندوی صاحبوں نے مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے ایک بے معنی تحریر روداد میں شائع کی کہ علمائے مکہ معظمہ نے ندوہ کی خوبی وضرورت پر مہر کر دی۔ اس تحریر کو دیکھئے تو گنتی کے صرف چند ہندی حضرات ہیں' جو بعض بنام ہجرت اور بعض بقصد حج گئے ہوئے تھے' کوئی کرانے کا' کوئی لکھنو کا' کوئی بریلی کا' کوئی کہیں کا' نام کو ایک شخص عرب کا ساکن بھی ہیں۔ علمائے مکہ ہوتا تو بڑی بات ہے...... جب اخباروں' اشتہاروں میں اس یادہ سرائی کا خاکہ اڑا' دماغ میں سمائی کہ علمائے حرمین شریفین کو کچھ دھوکہ دیجئے' کسی طرح تحریر حاصل کیجئے۔ ایک صاحب بظاہر حج کا نام اور باطن میں اسی مفسدے کا اِحرام کر کے حرمین پہنچے۔ علمائے کرام مکہ معظمہ بحمد اللہ تعالیٰ مولوی محمد عبدالحق صاحب الہٰ آبادی مہاجر وغیرہ علما کی معرفت اس ندوہ مخذولہ کی شرارت سے چوچ گئے تھے۔ وہاں دال نہ گلی۔ مدینہ طیبہ میں ہمسائیگانِ مصطفیٰ ﷺ کو مغالطہ دینے کی گلی ملی۔ وہاں سوال کیا کہ:-

> ایک جلسہ علمائے اہلسنت نے قائم کیا' کہ اس میں طرزِ عرب پر تعلیم ہو' مساکین ویتامیٰ کی پرورش ہو' ترویج دین متین ہو' یہ جلسہ کیسا؟ اور جو اس کی تخریب چاہے کیسا؟

اس سوال کا جو جواب تھا' ظاہر تھا۔ ناحق اتنی دور کی تکلیف اُٹھائی۔ یہ سوال ہمارے پاس بھیج دیتے' ہم بھی وہی جواب لکھتے' جو اہلِ مدینہ نے اِرشاد فرمایا۔

سوال تو یوں کرنا تھا کہ:-

> ایک جلسہ سنیوں' رافضیوں' وہابیوں' نیچریوں' غیر مقلدوں سب کا جرگہ بنا کر قائم ہوا' جس نے تمام بدمذہبوں سے اِتحاد و وداد فرض کیا' خدا کو انگریزی گورنمنٹ کے مثل بتایا' سب گمراہیوں سے راضی بتایا' حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی میں باعتبار عقائد' اسلام وکفر کا فرق مانا۔ تمام بدمذہبوں کو حق پر جانا' دعویٰ مذہب سے عام دست برداری چاہی' مدح وتعظیم کلاب النار حد سے زائد بتائی۔ الی غير ذالک من الضلالات والدواهی وہ جلسہ کیسا؟ اور جو اس کی اِصلاح چاہے کیسا؟

پھر دیکھتے علماء کیا جواب دیتے ہیں؟ ناچار ضرور ہوا کہ جس طرح علمائے ہند کی مہروں سے فتاوی السنة لالجام الفتنه ردندوہ مخذولہ میں تیار ہوا۔ یوں ہی حضرات علمائے کرام حرمین محترمین زادهما الله شرفا و تكريما سے بھی اِستفسار ہو۔ امر واقعی کا پورا اِظہار ہو۔ کتب ندوہ جن میں کلمات ضالہ تحریر ہیں' ساتھ مرسل ہوں کہ عیان وبیان مجتمع ہو کر' جواب مطابق سوال وموافق واقع مکمل ہوں۔ الحمد للہ اِعانت اِلٰہی وعنایت حضرت رِسالت پناہی ﷺ سے وہ مقصود حاصل ہوا۔ اہلِ ریب کا ریب زائل ہوا' مولانا فاضل حاج عبدالرزاق بن عبدالصمد قادری مکی ومولانا فاضل مطوف

شیخ احمد بن ضیاء الدین محمد مکی نے کہ یہ حاجی امداد اللہ صاحب کے خلیفہ ہیں' اور دونوں صاحب عربی وارؤدونوں زبانوں سے خوب ماہر ہیں' وہ مسئلہ مع کتب ندوہ حضرات علمائے کرام کی خدمت میں پیش کیا۔ اور تصدیقات علیہ وتحقیقاتِ جلیلہ اکابر علماحق عزوجل نے حق کووضوح بین دیا۔ والحمد للہ رب العالمین وہ فتویٰ یہ ہے' جو اس وقت میرے ہاتھ میں موجود ہے۔ جس کا قدرے خلاصہ حضرات سامعین سے گزارش کرتا ہوں۔

پھر سوال وجواب پڑھے ان کے ترجمے کئے' یہ بیان آٹھ بجے شب سے نمازِ عشاء پڑھتے ہیں
شروع ہوا تھا ابتدائی بیانات ہی میں وقت بارہ کے قریب پہونچا تو دس ہی جوابوں کا خلاصہ
ہونے پایا تھا کہ آدھی رات سے زیادہ وقت گزر رالاجرم بخیال کلفت بعض سامعین ودعاہدایت
واستقامت سنت پر بیان ختم ہوا اور اکثر مسلمین کو دربارہ فتویٰ تکمیل اجتماع کا اشتیاق باقی رہا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّدالمرسلین محمد واله
وصحبه اجمعین. آمین

اسفار

اعلیٰ حضرت اِمام اہلسنّت قدس سرہ العزیز کا کسی جگہ کا سفر کرنا عدم کے حکم میں تھا۔ اِرشاد فرماتے تھے کہ مجھے سفر سے اس درجہ کوفت ہوتا ہے کہ جب کسی جگہ سفر کا خیال ہوتا ہے تو دو تین دن قبل سے اس کی پریشانی رہتی ہے' اور سفر سے واپسی سے دو تین دن تک اس کا اثر رہتا ہے۔

اور واقعی اعلیٰ حضرت کا سفر ایک خاص اہتمام چاہتا تھا۔ اس لئے کبھی کہیں بے ضرورت شدید تشریف نہ لے گئے۔ جب کبھی کہیں جانے کی دینی ضرورت پیش آتی' یا مریدین کا اِصرار ہوتا' یا کسی دینی مدرسہ اہلسنّت میں دستار بندی کا جلسہ ہوتا' اور وہاں کے لوگوں' مدرسہ کے اراکین کی خواہش ہوتی کہ اعلیٰ حضرت ہی کے دست مبارک سے دستار بندی ہو وغیر ہامن الضروریات الدینیہ تو البتہ سفر کا اِرادہ فرماتے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی تحقیق یہ تھی کہ چلتی ریل میں نماز درست نہیں۔ نماز کے لئے اِستقرار علی الارض حتی الامکان ضروری ہے۔ اس لئے قبل روانگی جس گاڑی سے سفر کرنا ہوتا' اور جس سے واپسی کا قصد ہوتا' پانچوں نمازوں کا وقت جس اِسٹیشن پر شروع ہوتا' اور جس جس اِسٹیشن تک رہتا' ان جگہوں پر نشان اوقات دے دیا جاتا' اور وقتوں کے نام لکھ دیئے جاتے۔ اس لئے ضروری تھا کہ ٹائم ٹیبل منگوا کر گاڑیوں کے رکنے کے اوقات و مقامات معلوم کئے جاتے۔ پھر بقواعد علم ہیئت ان جگہوں کا طول و عرض معلوم کر کے اوقات صلوٰۃ نکالے جاتے۔ جب اس طرح پورا اِطمینان ہو جاتا کہ اس سفر میں سب نمازیں باجماعت وقت پر ادا ہو سکیں گی' تب قصد مصمم فرماتے' اور وعدہ کرتے' اور اسی مقررہ نقشہ کے مطابق ایک دو اِسٹیشن پہلے سے وضو وغیرہ کر کے سب تیار رہتے' اور جب وہ اِسٹیشن آتا' جہاں نماز کا وقت لکھا ہے' جماعت کھڑی ہو جاتی۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز حضر و سفر' صحت و علالت ہر حال میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ضروری خیال فرماتے تھے۔ خود اِرشاد فرمایا کرتے:

مردوں کی نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں ہونی چاہئے' عورتوں کی نماز علیحدہ گھر میں ہوتی ہے۔

سفر کی حالت میں مسجد میں جا کر سب نمازوں کو ادا کرنا دشوار ہے' خصوصاً لمبے سفر میں۔ تاہم اعلیٰ حضرت جماعت سے نماز ادا کرنے کو ضروری خیال فرماتے' اور اس پر سختی سے عامل تھے۔ اگر کسی گاڑی سے سفر کرنے میں اوقات نماز اِسٹیشن پر نہیں ملتا' تو اس گاڑی پر سفر نہیں کرتے' دوسری گاڑی اِختیار فرماتے' یا نماز باجماعت کے لئے اِسٹیشن پر اُتر جاتے' اور اس گاڑی کو چھوڑ دیتے' اور نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد جو گاڑی ملتی' اس سے بقیہ سفر پورا فرماتے۔

اس لئے اخیر سفر حج و زیارت ۱۳۲۳ھ میں اگر گاڑی رزرو نہیں ہوتی تو اِسٹیشن آگرہ پر گاڑی بدلنے میں نماز کا وقت چلا جاتا' اور نماز نہیں ملتی۔ لیکن گاڑی رزرو کرا لینے کی صورت میں بدلنے کی ضرورت نہیں ہوتی' بلکہ سکنڈ کلاس کا وہ ڈبہ ہی کاٹ کر دوسری گاڑی بمبئی جانے والی میں جوڑ دیا جاتا' اور نماز باجماعت مل جاتی' باوجودیکہ حضور تن تنہا تھے' اور گھر کے لوگوں میں کوئی بھی ساتھ نہ تھا کہ وہ سب پہلے ہی بمبئی روانہ ہو چکے تھے۔ صرف ایک خادم حاجی کفایت اللہ صاحب' اور ایک شاگرد مولوی نذیر احمد صاحب جو اس زمانے میں علم تکسیر و جفر سیکھ رہے تھے' ساتھ تھے۔ لیکن دو سو پینتیس (۲۳۵) روپے تیرہ آنے میں سکنڈ کلاس کا ایک ڈبہ ہی رزرو کرا لیا تھا۔ باوجودیکہ جناب ننھے میاں صاحب نے مخالفت بھی کی' اور حضور اپنے دونوں بھائیوں کو حد سے زیادہ مانتے تھے' اور ان کی دل شکنی نہیں چاہتے تھے' مگر نماز کے معاملے میں ان کی مخالفت کی بھی پرواہ نہ کی' اور اس قدر کثیر رقم صرف کر کے صرف نماز فجر باجماعت ادا کرنے کے لئے سکنڈ کلاس کا ایک ڈبہ بریلی شریف سے بمبئی تک رزرو کر کے سفر اِختیار فرمایا۔ جب آگرہ پہنچے' اور حضور نے باجماعت نماز ادا فرمائی' تو اِسٹیشن ہی سے خط تحریر فرمایا کہ الحمد للہ نماز باجماعت ادا ہو گئی' میرے روپے وصول ہو گئے' آگے مفت میں جا رہا ہوں۔

اگرچہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اعلیٰ حضرت اِمام اہلسنّت قدس سرہٗ آگرہ میں سفر قطع فرما دیتے' اور نماز کے لئے اس گاڑی کو چھوڑ دیتے' پھر کسی دوسری گاڑی سے بمبئی تشریف لے جاتے۔ لیکن اس صورت میں اس جہاز سے جس میں صاحبزادہ صاحب اور گھر کے لوگ جا رہے تھے' وہ نہ ملتے' اس طرح نماز باجماعت بھی ادا ہو گئی' اور سب عزیزوں کا جہاز میں ساتھ بھی ہو گیا۔ غرض انہیں اِحتیاطوں کی وجہ سے اعلیٰ حضرت بہت کم کرتے تھے گویا نہیں کرتے تھے۔ (جلد۳ صفحہ ۴۱)

پہلا سفر برائے حج و زیارت:

اعلیٰ حضرت نے حج و زیارت کے لئے پہلا سفر ۱۲۹۵ھ والدین کریمین کے ساتھ کیا' اس کے بعض نہایت مختصر احوال الملفوظ حصہ دوم میں ہیں۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

پہلی بار کی حاضری حضرات والدین ماجدین کی ہمراہ رکاب بھی' اس وقت مجھے تیسواں سال تھا' واپسی میں تین دن طوفان شدید رہا۔ اس کی تفصیل

میں بہت طول ہے۔ لوگوں نے کفن پہن لئے تھے۔ حضرت والدہ ماجدہ کا اضطراب دیکھ کر ان کی تسکین کے لئے بے ساختہ میری زبان سے نکلا: آپ اطمینان رکھیں' خدا کی قسم یہ جہاز نہ ڈوبے گا۔ یہ قسم میں نے حدیث ہی کی اطمینان پر کھائی تھی' جس میں کشتی پر سوار ہوتے وقت غرق سے حفاظت کی دعا ارشاد ہوئی ہے' میں نے وہ پڑھ لی تھی۔ لہٰذا حدیث کے وعدہ صادقہ پر مطمئن تھا۔ پھر قسم نکل جانے پر خود مجھے اندیشہ ہوا' اور معاً حدیث یاد آئی: من یتال علی الله یکذبه حضرت عزت کی طرف رجوع کی' اور سرکار رسالت سے مدد مانگی۔ الحمدللہ وہ مخالف ہوا کہ تین دن سے شدید چل رہی تھی' دو گھڑی میں بالکل موقوف ہو گئی' اور جہاز نے نجات پائی۔

ماں کی محبت و تین شبانہ روز کی تکلیف یاد تھی' مکان میں قدم رکھتے ہی پہلا لفظ مجھ سے یہ فرمایا: حج فرض' اللہ تعالیٰ نے ادا فرما دیا' اب میری زندگی بھر دوبارہ ارادہ نہ کرنا۔ (صفحہ ۴'۳)

دوسرا سفر برائے حج و زیارت:

اعلیٰ حضرت نے دوسرا سفر حج و زیارت ۱۳۲۳ھ میں کیا' اس کے کچھ تفصیلی احوال الملفوظ حصہ دوم میں ہیں۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:-

دوسری بار جب مکہ معظمہ حاضر ہوا' یکایک جانا ہو گیا' پہلے سے کوئی ارادہ نہ تھا۔ ننھے میاں (برادر خورد) اور حامد رضا خان (خلف اکبر) مع متعلقین بارادہ حج پر روانہ ہوئے۔ لکھنؤ تک ان لوگوں کو پہونچا کر میں واپس آ گیا' لیکن طبیعت میں ایک قسم کا انتشار رہا' ایک ہفتہ یہاں رہا' طبیعت سخت پریشان رہی۔

ایک روز عصر کے وقت زیادہ اضطراب ہوا' اور دل وہاں کی حاضری کے لئے بے چین ہوا۔ بعد مغرب مولوی نذیر احمد صاحب کو اسٹیشن بھیجا کہ جا کر بمبئی تک سکنڈ کلاس رزرو کرا لیں کہ نمازوں کا آرام رہے۔ اُنہوں نے اسٹیشن ماسٹر سے گاڑی مانگی' اس نے پوچھا: کس ٹرین سے ارادہ ہے؟ اُنہوں نے کہا: اسی شب کی دس بجے والی گاڑی سے۔ وہ بولا: یہ گاڑی نہیں مل سکتی ہے۔ اگر آپ کو اس سے جانا تھا تو چوبیس گھنٹے پیشتر اطلاع دیتے۔ بیچارے مایوس ہو کر لوٹنا چاہتے تھے کہ ایک ٹکٹ کلکٹر جو قریب ہی رہتا تھا مل گیا' اس نے کہا: تم گھبراؤ مت' میں چلتا ہوں اور اسٹیشن ماسٹر سے جا کر کہا کہ یہ تو مجھ سے کل کہہ گئے تھے' میں آپ سے کہنا بھول گیا۔ اس نے ایک سو تر سٹھ روپے پانچ آنہ لے کر سکنڈ کلاس کا کمرہ رزرو کرا دیا۔

عشاء کی نماز سے اوّل وقت فارغ ہو گیا' صرف والدہ ماجدہ سے اجازت لینا باقی رہ گئی' جو نہایت اہم مسئلہ تھا اور گویا اس کا یقین تھا کہ وہ اجازت نہ دیں گی' کسی طرح عرض کروں؟ اور بغیر اجازت والدہ حج نفل کو جانا حرام۔ آخر کار اندر مکان میں گیا' دیکھا کہ والدہ ماجدہ چادر اوڑھے آرام فرما رہی ہیں۔ میں نے آنکھیں بند کر کے قدموں پر سر رکھ دیا' وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھیں' اور فرمایا: کیا ہے؟ میں نے کہا: حضور! مجھے حج کی اجازت دیجئے۔ پہلا لفظ جو فرمایا' یہ تھا: خدا حافظ۔ یہ انہیں دعاؤں کا اثر تھا' میں اُلٹے پیروں باہر آیا' اور فوراً سوار ہو کر اسٹیشن پہنچا۔ بعد واپسی معلوم ہوا کہ میں اسٹیشن تک نہ پہنچا ہوں گا' اور اُنہوں نے فرمایا: میں اجازت نہیں دی' اسے بلا لو۔ مگر میں جا چکا تھا' کون بلاتا؟ چلتے وقت جس لگن میں' میں نے وضو کیا تھا' اس کا پانی واپسی تک نہ پھینکنے دیا کہ اس کے وضو کا پانی ہے۔

بریلی کے اسٹیشن سے میں نے ایک تار اپنی روانگی کا بمبئی روانہ کر دیا۔ وہاں سب نے یہ خیال کیا کہ شاید حسن میاں (اعلیٰ حضرت مدظلہ کے منجھلے بھائی) تشریف لا رہے ہیں۔ اس واسطے کہ ان کا سال آئندہ میں ارادہ تھا۔ میرا کسی کو گمان بھی نہ تھا۔ غرض دن کے دن تک سب کو تذبذب رہا' اور ادھر مجھے راستہ میں ایک دن کی دیر ہو گئی۔ آگرہ میں میل نکل گیا' اور ہماری گاڑی نے پسنجر کا انتظار کیا۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے اسٹیشن ماسٹر سے پوچھا کہ ہماری گاڑی کیوں کاٹ کر جدا کر لی؟ کہا: میل رزرو نہ تھا' آپ کو پسنجر میں جانا ہوگا۔

یہاں تک کہ وہ دن آ گیا' جس روز حجاج بمبئی کے قرنطینہ میں داخل ہونے والے تھے' اور میں اس وقت تک نہ پہونچ سکا۔ اب سخت مشکل کا سامنا تھا کہ ہمارے لوگ قرنطینہ میں داخل ہو جائیں گے' اور میں رہ گیا۔ اب جانا کیوں کر ہوگا؟ یہ دن پنجشنبہ کا ہے' تار آ چکا تھا کہ پنجشنبہ کو بھپارہ ہو کر لوگ قرنطینہ میں داخل ہو جائیں گے۔ گاڑی کٹ جانے نے یہ تاخیر کی کہ میں جمعہ کے دن صبح ۸ بجے پہنچا۔ اسٹیشن پر دیکھا کہ بمبئی کے احباب کا ہجوم ہے' حاجی قاسم وغیرہ گاڑیاں لئے موجود ہیں۔ سلام و مصافحہ کے بعد پہلا لفظ جو اُنہوں نے کہا یہ تھا: شہر کو نہ چلئے' سیدھے قرنطینہ چلئے' ابھی آپ کے لوگ داخل نہیں ہوئے۔ میں شکر الٰہی بجا لایا' اور اپنے لوگوں کے ساتھ داخل قرنطینہ ہوا۔ یہ حدیث کی انہیں دعاؤں کی برکت تھی کہ گئی ہوئی مراد عطا فرمائی۔

میں نے واقعہ پوچھا۔ وہاں کے لوگوں نے کہا: عجیب ہے' اور سخت عجیب ہے' ایسا کبھی نہیں ہوا۔ پنجشنبہ کو روز موعد پر ڈاکٹر آیا' اور آدھی لوگوں کو بھپارا دیا کہ دفعتہً اسے سخت گھبراہٹ ہوئی' اور کہا کہ باقی کا بھپارا کل ہوگا۔ یوں تمہارے لوگ باقی رہ گئے اب ایک اور دقت پیش آئی کہ اس جہاز کا ٹکٹ بالکل ختم ہو چکا تھا' جس میں ہمارے لوگ جانے والے تھے۔ مجبوری دوسرے جہاز کا ٹکٹ خریدا' اور وہ بھی تیسرے درجہ کا ملا' جس کی حکمت آگے

ظاہر ہوگی۔ حدیث کی دعائیں پڑھیں کہ سرکار مجھے اپنوں کا ساتھ عطا فرمائیں' ان سے چھوٹ کر میں تنہا کیوں کر حاضر ہوں گا؟ تلاش کی گئی کہ اس جہاز میں کوئی صاحب ایسے ہیں' جو اکیلے جانے والے ہوں' جنہیں یہ اور وہ دونوں جہاز برابر ہوں۔ مولیٰ تعالیٰ کی رحمت کہ ایک بڑے میاں ہمارے ہی ضلع بریلی مقام بہیڑی کے ساکن مل گئے' جنھوں نے بخوشی ٹکٹ بدل لیا۔ وہ اس جہاز میں گئے اور میں بفضلہٖ تعالیٰ اپنے ساتھیوں کے جہاز میں رہا۔ سرکار نے پہلا ٹکٹ تیسرے درجہ کا اسی لئے دلوایا تھا کہ وہ بڑے میاں ملنے والے تھے' جن کا ٹکٹ تیسرے درجہ کا تھا' ان سے تبدیل میں مال نقصان نہ ہو۔ بعد قرنطینہ اس جہاز پر سوار ہوکر سوا سو روپیہ داخل کر کے اول درجے کا ٹکٹ تبدیل کرالیا۔

جب عدن کے قریب جہاز پہونچا' میں نمازِ عصر پڑھ رہا تھا۔ نماز میں ایک عربی صاحب کی آواز میرے کان میں پہنچی کہ سمت قبلہ یہ نہیں ہے۔ میں نے کچھ خیال نہ کیا' اس لئے کہ میں مواہرۂ ہندسیہ سے عدن و کامران کی سمت قبلہ نکال چکا تھا۔ وہ اتنی دیر کے میں نے نماز پڑھی' وظیفہ پڑھا' بیٹھے رہے۔ جب میں فارغ ہوا تو ان سے پوچھا: اس وقت بتایئے' سمت قبلہ کدھر ہے؟ اور پانچ منٹ پہلے کس طرف تھی؟ اور حساب لگا کر سمجھایا تو اس سمت قبلہ ہی پر نماز ہوئی' جو کو اُنہوں نے بھی تقسیم کرلیا۔

کامران میں قیام:

جب کامران آیا' قرنطینہ میں داخل ہوئے' وہاں دس روز ٹھہرنا ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان ترکی کارکنوں کو جزائے خیر دے۔ حجاج کو ایسا آرام دیا کہ لوگوں کو میں نے یہ کہتے سنا کہ حج کا وقت قریب ہے ورنہ کچھ دنوں بیمار رہتے' اور یہاں کے آرام کا لطف اُٹھاتے۔ بمبئی میں کیا مجال تھی کہ کوئی اس احاطہ سے باہر قدم رکھتا۔ احاطہ کے اندر ہر بات کی روک ٹوک تھی' سپاہی قصداً حجاج کو تنگ کرتے تھے۔

یہاں میں نے سنا کہ کامران سے کوئی ایک میل فاصلہ پر کسی بزرگ کا مزار ہے۔ میں نے اور میرے ساتھیوں نے حاضری کا ارادہ کیا۔ ترکی ڈاکٹر سے پوچھا: بکشادہ پیشانی اجازت دی اور کہا: آپ کے ساتھ کتنے آدمی ہونگے؟ میں نے کہا: دس بارہ۔ ان سب کو بھی اجازت دی' اور ہم زیارت سے فارغ ہوکر آئے۔

جہاز اور کامران میں تقریباً روزانہ میرے بیانات ہوتے' جس میں اکثر مناسکِ حج کی تعلیم ہوتی' اور وہ جو ہمیشہ میرے بیان کا مقصودِ اعظم رہتا ہے' یعنی تعظیم شانِ حضور سید عالم ﷺ۔ ایک بہت بڑا رئیس بھی جہاز میں تھا' شریکِ وعظ ہوتا' مسائل سنا کرتا' مگر تعظیم شانِ اقدس کے ذکر کے وقت اس کے چہرہ پر بشاشت کی جگہ کدورت ہوتی۔ میں سمجھا کہ وہابی ہے۔ دریافت کئے سے معلوم ہوا کہ گنگوہی صاحب کا مرید ہے۔ اس روز میں نے روئے سخن رد وہابیہ و گنگوہی کی طرف پھیرا۔ جبراً قہراً استتار ہا' مگر دوسرے دن سے بیان میں نہ آیا۔ میں نے حمد کی کہ جلسہ پاک ہوا۔

اب یہاں کامران میں نو دن ہو چکے' کل جہاز پر جانا ہے۔ دفعتہً رات کو میرے سب ساتھیوں کو دردِ شکم و اسہال عارض ہوا۔ میرے درد تو نہ تھا' مگر پانچ بار اجابت کو مجھے جانا ہوا۔ دن چڑھ گیا' اور ڈاکٹر کے آنے کا وقت ہوا' باہر ترکی مرد اور اندر عورتوں کو ترکیہ عورت روزانہ آ کر دیکھا کرتے۔ میرے بھائی ننھے میاں سلمۂ کو اندیشا ہوا' اور عزم کرلیا کہ اپنی حالتوں کو ڈاکٹر سے کہہ دو۔ مجھ سے دریافت کیا۔ میں نے کہا: اگر بیمار سمجھ کر روک لئے گئے' اور حج کا وقت قریب ہے' معاذ اللہ وقت پر نہ پہونچ سکے' تو کیسا خسارہ ہوگا؟ کہا: اب ڈاکٹر اور ڈاکٹرنی آتے ہونگے۔ اگر انہیں اطلاع ہوئی' تو ہمارا نہ کہنا اخفا میں ٹھہرے گا۔ میں نے کہا: ذرا ٹھہرو! میں اپنے حکیم سے کہہ لوں۔

مکان سے باہر جنگل میں آیا' اور حدیث کی دعائیں پڑھیں' اور سیدنا غوث اعظم ﷺ سے استمداد کی کہ دفعتہً سامنے سے حضرت سید شاہ غلام جیلانی صاحب سجادہ نشین سرکار بانسہ شریف کہ اولاد امجاد حضور سیدنا غوث اعظم ﷺ سے تھے' اور بمبئی سے ہمارا ان کا ساتھ ہوگیا تھا' سامنے سے تشریف لائے' ان کی تشریف آوری فال حسن تھی۔ میں نے ان سے بھی دعا کو کہا' اُنہوں نے بھی دعا فرمائی۔ مجھے مکان سے باہر آئے شاید دس منٹ ہوئے ہوں گے' اب جو مکان میں جا کر دیکھا بحمد اللہ سب کو ایسا تندرست پایا کہ گویا مرض ہی نہ تھا' درد وغیرہ کیسا؟ اس کا ضعف بھی نہ رہا۔ سب ڈھائی تین میل پیادہ چل کر سمند کے کنارے پہنچے۔

جدہ میں غیبی نصرت:

جدہ شریف میں جب جہاز پہنچا' حجاج کی بیحد کثرت اور جانے کا صرف ایک راستہ' جو دو طرفہ ٹٹیوں سے بہت دور تک محدود۔ بھلا ایسی حالت میں کس طرح گزر ہو؟ (جب کہ) زنانی سواریاں ساتھ۔ پانچ گھنٹے اسی انتظار میں گزر گئے کہ ذرا ہجوم کم ہو تو سواریوں کو لے چلیں۔ لیکن اس وقت تک سلسلہ منقطع نہ ہونا تھا' نہ ہوا۔ یہاں تک کہ دو پہر قریب ہوگیا۔ دھوپ اور بھوک اور پیاس سب باتیں جمع تھیں کہ ننھے میاں اور سب لوگ نہایت پریشان۔ جب بہت دیر ہوگئی' تو ننھے میاں اور حامد رضا خان نے مجھ سے آ کر کہا: یہاں آخر کب تک بھوکے پیاسے دھوپ میں کھڑے رہیں گے؟ میں نے کہا: تمہیں جلدی ہے تو جاؤ۔ میں تاوقتیکہ بھیڑ کم نہ ہو' زنانی سواریوں کو نہیں لے جاؤں گا۔ اب کسی کی مجال تھی' جو کچھ کہتا' مجبوراً خاموش ہوگئے۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک عربی صاحب جن کو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا' میرے پاس تشریف لائے' اور بعد سلام علیک پہلا لفظ یہ فرمایا: یا شیخ مالی اراک حزینا کیا سبب ہے کہ میں آپ کو پریشان دیکھ رہا ہوں؟ میں نے عرض کیا: پریشانی ظاہر ہے۔ ہمارے ساتھ میں مستورات ہیں' اور مردوں یہ کثیر ہجوم ہے' پانچ گھنٹے یہیں کھڑے ہو گئے' فرمایا: اپنے مردوں کا حلقہ بنا کر عورتوں کو درمیان میں لے لو' اور میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ غرض حلقہ میں عورتوں کو لے کر ان عربی صاحب کے پیچھے ہو لئے۔ ہم نے دیکھا کہ راستہ میں ہمارے شانے سے بھی کسی غیر شخص کا شانہ نہیں لگا۔ جب راستہ طے ہوا' فوراً وہ عربی صاحب نظروں سے غائب ہو گئے۔

جدہ پہنچتے ہی مجھے بخار آ گیا' اور میری عادت ہے کہ بخار میں سردی بہت معلوم ہوتی ہے۔ محاذات یلملم سے بحمد اللہ تعالیٰ احرام بندھ چکا تھا۔ اس سردی میں رزائی گردن تک اُوپر سے ڈال لیتا کہ احرام میں چہرہ چھپانا منع ہے' سو جاتا' آنکھ کھلتی' تو بحمد اللہ تعالیٰ رزائی گردن سے اصلاً نہ بڑھی ہوتی۔ تین روز جدہ میں رہنا ہوا' اور بخار ترقی پر ہے۔ آج چل کر جدہ کے کھلے میدان میں رات بسر کرنی ہوگی' بخار میں کیا حالت ہوگی؟ سرکار اقدس ﷺ سے عرض کی۔ بحمد اللہ تعالیٰ بخار معاً جاتا رہا' اور تیرہویں تک عود نہ کیا۔ گیارہویں ذی الحجہ کو بفضلہٖ تعالیٰ بہت لطف کا طواف نصیب ہوا' طوافِ زیارت کے لئے' کہ بعد وقوفِ عرفہ فرض ہے' عام حجاج دسویں ہی کو منیٰ سے مکہ معظمہ جاتے ہیں۔ میرے ساتھ مستورات تھیں' خود بھی بخار اُٹھائے ہوئے تھا' گیارہویں کو بعد زوال رمی جمار کر کے اُونٹوں پر مع مستورات روانہ ہوا۔ حرم شریف میں نمازِ عصر ادا کی' آج تمام حجاج منیٰ میں تھے حرم شریف میں صرف پچیس تیس آدمی یہ طواف نہایت اطمینان سے ہوا۔ ہر بار جی بھر کر سنگِ اسود شریف پر منہ ملنا' اور بوسہ لینا نصیب ہوتا۔ ایک عربی صاحب کو جنہیں پہچانتا نہیں' مولیٰ تعالیٰ نے بے کہے مہربان فرما دیا' یہ ہر پھیرے کے ختم پر چند آدمی جو طواف کر رہے تھے انہیں روک کر کھڑے ہو جاتے کہ بہنوں کو سنگِ اسود شریف کا بوسہ لینے دو۔ یوں ہر پھیرے پر میرے ساتھ کی مستورات بھی مشرف بہ بوسہ سنگِ اسود ہوئیں۔ والحمد للہ وتقبل اللہ. بعد ختم طواف میں دیوارِ کعبہ معظمہ سے لپٹا' اور غلاف مبارک ہاتھ میں لے کر یہ دعا عرض کرنی شروع کی: یاواجد یاماجد لاتزل عنی نعمة انعمتها علی اور بہت پُر کیف رقت طاری ہوئی کہ آزادی اور یکسوئی تھی' مگر تھوڑی دیر کے بعد ایک عربی صاحب میرے برابر آ کر کھڑے ہوئے' اور بآواز چلا کر رونا شروع کیا' ان کے چلانے سے کچھ طبیعت بٹی' پھر خیال آیا ممکن کہ یہ مقبولانِ بارگاہ سے ہوں' اور ان کے قرب کا فیض مجھ پر تجلی ڈالے' اس تصور سے پھر اطمینان ہو گیا' مغرب پڑھ کر منیٰ کو واپس آئے۔ جب بفضلہٖ تعالیٰ تمام مناسکِ حج سے فارغ ہو لئے' تیرہویں تاریخ بخار نے عود کیا' میں نے کہا: اب آیا کیجئے' ہمارا کام اللہ رب العزت نے پورا کر دیا۔

مولانا سید اسمٰعیل خلیل مکی سے ملاقات:

بعد فراغ مناسک کتب خانہ حرم محترم کی حاضری کا شغل رہا۔ پہلے روز جو حاضر ہوا، حامد رضا خاں ساتھ تھے۔ محافظ کتب حرم ایک وجیہہ وجمیل عالم نبیل مولانا سید اسماعیل تھے۔ یہ پہلا دن ان کی زیارت کا تھا، یہ حضرت مثل دیگر اکابر مکہ مکرمہ اس فقیر سے غائبانہ خلوص تام رکھتے تھے، جس کا سبب میرے فتویٰ مسمّٰی بہ فتاوی الحرمین لرجف ندوة المین تھا کہ سات برس پہلے ۱۳۱۶ھ میں رد ندوہ کیلئے اٹھائیس سوال وجواب پر مشتمل، جسے میں نے بیس گھنٹے سے کم میں لکھا تھا، بذریعہ بعض حجاج خادمان دین ان حضرات کے حضور پیش ہوا، اور انھوں نے گراں بہا تقریظات سے اسے مزین فرمایا، اور فقیر کو بے شمار اعلیٰ اعلیٰ درجے کے کلمات دعا وثنا کا شرف دیا۔ اور وہ مع ترجمہ ایک مبسوط کتاب ہو کر بمبئی ۱۳۱۷ھ میں طبع ہو کر شائع ہو چکا تھا۔ اس وقت سے مولیٰ عزوجل نے اس ذرہ بے مقدار کی کمال محبت ووقعت ان جلیل قلوب میں ڈال دی تھی۔ مگر ملاقات ظاہری نہ ہوئی تھی۔ حضرت مولانا موصوف سے کچھ کتابیں مطالعہ کے لیے نکلوائیں۔ حاضرین میں سے کسی نے اس مسئلہ کا ذکر کیا کہ قبل زوال رمی کیسی؟ مولانا نے فرمایا: یہاں کے علمانے جواز پر فتویٰ دیا ہے۔ حامد رضا خاں سے اس بارے میں گفتگو ہو رہی تھی، مجھ سے استفسار ہوا۔ میں نے کہا: خلاف مذہب ہے۔ مولانا سید صاحب نے ایک متداول کتاب کا نام لیا کہ اس میں جواز کو 'علیه الفتوی' لکھا ہے۔ میں نے کہا: ممکن کہ روایت جواز ہو، مگر 'علیه الفتوی' ہرگز نہ ہوگا۔ وہ کتاب لے آئے، مسئلہ نکلا، اور اسی صورت سے نکلا جو فقیر نے گذارش کی تھی، یعنی اس میں 'علیه الفتوی' کا لفظ نہ تھا۔ حضرت مولانا نے حامد رضا سے کان میں جھک کر مجھے پوچھا، یہ کون ہے؟ اور حامد رضا خاں کو بھی نہ جانتے تھے، مگر اس وقت گفتگو انہیں سے ہو رہی تھی، البذا ان سے پوچھا۔ انہوں نے میرا نام لیا۔ نام سنتے ہی حضرت مولانا وہاں سے اٹھ کر بے تابانہ دوڑتے ہوئے آ کر فقیر سے لپٹ گئے، پھر بحمد اللہ تعالیٰ وداد نے کامل ترقی کی۔

اس بار سرکار حرم محترم میں میری حاضری بے اپنے ارادے کے جس غیر متوقع طور اور غیر معمولی طریقوں پر ہوئی، اس کا کچھ بیان اوپر ہو چکا ہے۔ وہ حکمت الٰہیہ یہاں آ کر کھلی۔ سننے میں آیا کہ وہابیہ پہلے سے آئے ہوئے ہیں، جن میں خلیل احمد انبیٹھوی، اور بعض وزرائے ریاست ودیگر اہل ثروت بھی ہیں۔ حضرت شریف تک رسائی پیدا کی ہے، اور مسئلہ علم غیب چھیڑا ہے، اور اس کے متعلق کچھ سوال اعلم علمائے مکہ حضرت مولانا شیخ صالح کمال سابق قاضی مکہ، ومفتی حنفیہ کی خدمت میں پیش ہوا ہے۔

حضرت مفتی احناف کی خدمت میں:

میں حضرت موصوف کی خدمت میں گیا۔ حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے صاحبزادے عزیزی مولوی عبدالاحد صاحب بھی ہمراہ تھے۔ میں نے بعد سلام ومصافحہ مسئلہ علم غیب کی تقریر شروع کی، اور دو گھنٹے تک اسے آیات واحادیث واقوال ائمہ سے ثابت کیا، اور مخالفین جو شبہات کیا کرتے ہیں، ان کا رد کیا۔ اس دو گھنٹے تک حضرت موصوف محض سکوت کے ساتھ ہمہ تن گوش ہوکر میرا منھ دیکھتے رہے۔ جب میں نے تقریر ختم کی، چپکے اٹھے، قریب المارِی رکھی تھی، وہاں تشریف لے گئے، اور ایک کاغذ نکال لائے، جس پر مولوی سلام اللہ صاحب رامپوری کے رسالہ اعلام الاذکیا کے اس قول کے متعلق کہ حضور اقدس ﷺ کو **ھو الاول و الآخر و الظاھر و الباطن وھو بکل شیٔ علیم** لکھا، چند سوال تھے، اور جواب کی چار سطریں ناتمام اٹھا لائے۔ مجھے دکھایا اور فرمایا: تیرا آنا اللہ کی رحمت تھا، ورنہ مولوی سلامت اللہ کے کفر کا فتوی یہاں سے جا چکتا۔ میں حمد الہی بجالایا، اور فرودگاہ پر واپس آیا۔

مولانا سے مقام قیام کا کوئی تذکرہ نہ آیا تھا، اب وہ فقیر کیپاس تشریف لانا چاہتے ہیں، اور حج کا ہنگامہ، اور جائے قیام نہ معلوم۔ آخر خیال فرمایا کہ ضرور کتب خانہ میں آیا کرتا ہوگا۔ ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کی تاریخ ہے، بعد نماز عصر، میں کتب خانے کے زینے پر چڑھ رہا ہوں، پیچھے سے ایک آہٹ معلوم ہوئی، دیکھا، تو حضرت مولانا شیخ صالح کمال ہیں۔ بعد سلام ومصافحہ دفتر کتب خانہ میں جا کر بیٹھے۔ وہاں حضرت مولانا سید اسمٰعیل اور ان کے نوجوان سعید رشید بھائی سید مصطفےٰ، اور ان کے والد ماجد مولانا سید خلیل، اور بعض حضرات بھی کہ اس وقت یاد نہیں تشریف فرما ہیں۔ حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے جیب سے ایک پرچہ نکالا، جس پر علم غیب کے متعلق پانچ سوال تھے۔ یہ وہی سوال تھے جن کا جواب مولانا نے شروع کیا تھا، اور تقریر فقیر کے بعد چاک فرمادیا تھا۔ (مولانا نے) مجھ سے فرمایا: یہ سوال وہابیہ نے حضرت سیدنا کے ذریعہ سے پیش کیے ہیں، اور آپ سے جواب مقصود ہے۔ سیدنا وہاں شریف مکہ کو کہتے ہیں کہ اس وقت شریف علی پاشا تھے۔ میں نے مولانا سید مصطفےٰ سے گزارش کی کہ قلم و دوات دیجئے۔ حضرت مولانا شیخ کمال، و مولانا کہ ہم ایسا فوری جواب نہیں چاہتے، بلکہ ایسا جواب ہو کہ خبیثوں کے دانت کھٹے ہوں۔ میں نے عرض کی کہ اس کے لیے قدرے مہلت چاہیے، دو گھڑی دن باقی ہے، اس میں کیا ہوسکتا ہے؟ حضرت مولانا شیخ کمال نے فرمایا کہ کل سہ شنبہ، پرسوں چہار شنبہ ہے، ان دو روز میں ہوکر پنج شنبہ کو مجھے مل جائے کہ میں شریف کے سامنے پیش کردوں۔

الدولة المكية کی تالیف:

میں نے اپنے رب عزوجل کی عنایت اور اپنے نبی ﷺ کی اعانت پر بھروسہ کرکے وعدہ کرلیا اور شان الہی کہ دوسرے ہی دن سے بخار نے پھر عود کیا، اسی حالت تپ میں رسالہ تصنیف کرتا اور حامد رضا خان تبیض کرتے۔ اس کا شہرہ مکہ معظمہ میں ہوا کہ وہابیہ نے فلاں کی طرف سوال متوجہ کیا ہے، اور وہ جواب لکھ رہا ہے۔ میں نے اس رسالہ میں غیوب خمسہ کی بحث نہ چھیڑی تھی کہ سائلوں کے سوال میں نہ تھی، اور مجھے بخار کی حالت میں بکمال تعجیل قصر تکمیل۔

شیخ الخطبا کا اشتیاق سماعت:

آج ہی کہ میں لکھ رہا ہوں حضرت شیخ الخطبا، کبیر العلما مولانا شیخ احمد ابوالخیر مرداد کا پیغام آیا کہ میں پاؤں سے معذور ہوں اور تیرا رسالہ سننا چاہتا ہوں۔ میں اسی حالت میں جتنے اوراق لکھے گئے تھے، لے کر حاضر ہوا۔ رسالہ کی قسم اول ختم ہوچکی تھی جس میں اپنے مسلک کا ثبوت ہے۔ قسم دوم لکھی جارہی تھی جس میں وہابیہ کا رد اور ان کے سوالوں کا جواب ہے۔ حضرت شیخ الخطبا نے اول تا آخر سن کر فرمایا: اس میں علم خمس کی بحث نہ آئی۔ میں نے عرض کی کہ سوال میں نہ تھی۔ فرمایا: میری خواہش ہے کہ ضرور زیادہ ہو۔ میں نے قبول کیا۔ رخصت ہوتے وقت ان کے زانوئے مبارک کو ہاتھ لگایا، حضرت موصوف نے بآں فضل وکمال و بآں کبر سال کہ عمر شریف ستر برس سے متجاوز تھی یہ لفظ فرمایا کہ: **انا اقبل ارجلكم انا اقبل نعالكم** میں تمہارے قدموں کو بوسہ دوں میں تمہارے جوتوں کو بوسہ دوں۔ یہ میرے حبیب کریم ﷺ کی رحمت کہ ایسے اکابر کے قلوب میں اس بے رقعت کی یہ وقعت؟ میں واپس آیا، اور شب ہی میں بحث خمس کو بڑھایا۔

اب دوسرا دن چہار شنبہ کا ہے، صبح کی نماز پڑھ کر حرم شریف سے آتا ہوں کہ مولانا سید عبدالحی ابن مولانا سید عبدالکبیر محدث ملک مغرب جن کی اس وقت تک چالیس کتابیں علوم حدیثیہ و دینیہ میں مصر میں چھپ چکی تھیں، ان کا خادم پیام لایا کہ مولانا تجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ وعدے میں آج ہی کا دن باقی ہے، اور ابھی بہت کچھ لکھنا ہے، عذر کر بھیجا کہ آج کی معافی دیں کل میں خود حاضر ہوں گا۔ فوراً خادم واپس آیا کہ میں آج ہی مدینہ طیبہ جاتا ہوں، تجریز ہوچکی ہے یعنی قافلے کے اونٹ بیرون شہر جمع ہولیے ہیں، ظہر پڑھ کر سوار ہوجاؤں گا۔ اب میں مجبور ہوا اور مولانا

کو تشریف آوری کی اجازت دی۔ وہ تشریف لائے اور علوم حدیث کی اجازتیں فقیر سے طلب فرمائی، اور لکھوائی، اور علمی مذاکرات ہوتے رہے، یہاں تک کہ ظہر کی اذان ہوئی۔ وہاں زوال ہوتے ہی معاً اذان ہو جاتی ہے۔ میں اور وہ نماز میں حاضر ہوئے، بعد نماز وہ عازم مدینہ طیبہ ہوئے، اور میں فرودگاہ پر آیا۔

الدولة المکیة شریف مکہ کے دربار میں:

آج کے دن کا بڑا حصہ یوں بالکل خالی گیا، اور بخار ساتھ ہے۔ بقیہ دن میں بعد عشا فضل الٰہی اور عنایت رسالت پناہی نے کتاب کی تکمیل و تبیض سب پوری کرا دی۔ الدولة المکیة بالمادة الغیبیة اس کا تاریخی نام ہوا، اور پنج شنبہ کی صبح ہی کو حضرت مولانا شیخ صالح کمال کی خدمت میں پہنچا دی گئی۔ مولانا نے دن میں اسے کامل طور پر مطالعہ فرمایا، اور شام کو شریف صاحب کے یہاں لے کر تشریف لے گئے۔ عشا کی نماز وہاں شروع وقت پر ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد سے نصف شب تک کہ عربی گھڑیوں میں چھ بجتے ہیں، شریف علی پاشا کا دربار ہوتا تھا۔ حضرت مولانا نے دربار میں کتاب پیش کی، اور علی الاعلان فرمایا: اس شخص نے وہ علم ظاہر کیا، جس کے انوار چمک اٹھے، اور جو ہماری خواب میں بھی نہ تھا۔ حضرت شریف نے کتاب پڑھنے کا حکم دیا، دربار میں دو وہابی بھی بیٹھے تھے۔ ایک احمد فقیہ کہلاتا، دوسرا عبد الرحمن اسکوبی۔ انہوں نے مقدمہ کتاب کی آمد ہی سن کر سمجھ لیا کہ یہ کتاب رنگ بدل دے گی، شریف ذی علم ہے، مسئلہ ان پر منکشف ہو جائے گا۔ لہٰذا، چاہا کہ سننے نہ دیں، بحث میں الجھا کر وقت گزار دیں۔ کتاب پر کچھ اعتراض کیا۔ حضرت مولانا شیخ کمال نے جواب دیا، آگے بڑھے۔ انہوں نے پھر ایک مہمل اعتراض کیا، حضرت مولانا نے جواب دیا، اور فرمایا: کتاب سُن لیجئے، پوری کتاب سننے سے پہلے اعتراض بے قاعدہ ہے، ممکن ہے کہ آپ کے شکوک کا جواب کتاب ہی میں آئے، اور نہ ہو تو میں جواب کا ذمہ دار ہوں، اور مجھ سے نہ ہو سکا تو مصنف موجود ہے۔ یہ فرما کر آگے پڑھنا شروع کیا، کچھ دور پہنچے تھے انھیں الجھانا مقصود تھا، پھر معترض ہوئے۔ اب حضرت مولانا نے حضرت شریف سے کہا: یا سیدنا! حضرت کا حکم ہے کہ میں کتاب پڑھ کر سناؤں، اور یہ جا بیجا بے جا الجھتے ہیں، حکم ہو تو ان کے اعتراضوں کا جواب دوں یا حکم ہو تو کتاب سناؤں۔ شریف نے فرمایا: افـــــرأ آپ پڑھیے۔ اب ان کی ہاں کو کون نا کر سکتا تھا؟ معترضوں کا منہ مارا گیا، اور مولانا کتاب سناتے رہے۔ اس کے دلائل قاہرہ سن کر مولانا شریف نے بآواز بلند فرمایا:

اللّٰہ یعطی و ھو لاء یمنعون یعنی اللہ تو اپنے حبیب ﷺ کو علم غیب عطا فرماتا، اور یہ وہابیہ منع کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ نصف شب تک نصف کتاب سنائی۔ اب دربار برخواست ہونے کا وقت آ گیا۔ شریف صاحب نے حضرت مولانا سے فرمایا: یہاں نشانی رکھ دو۔ کتاب بغل میں لے کر بالا خانہ پر تشریف لے گئے، وہ کتاب آج تک انھیں کے پاس ہے۔

الدولة المکیة کی اکابر علمائے مکہ میں مقبولیت:

اصل سے متعدد نقلیں مکہ معظمہ کے علمائے کرام نے لیں، اور تمام مکہ معظمہ میں کتاب کا شہرہ ہوا، وہابیہ پر اوس پڑ گئی۔ بفضلہ تعالیٰ سب لوہے ٹھنڈے ہو گئے۔ گلی کوچے میں مکہ معظمہ کے لڑکے ان سے تمسخر کرتے کہ اب کچھ نہیں کہتے، اب وہ جوش کیا ہوئے، اب وہ مصطفیٰ ﷺ کے لیے علوم غیب ماننے والوں کو کافر کہنا کدھر گیا؟ تمہارا کفر و شرک تمہیں پر پلٹا۔ وہابیہ کہتے، اس شخص نے کتاب میں منطقی تقریریں بھر کر شریف پر جادو کر دیا۔ مولیٰ عزوجل کا فضل، حبیب اکرام ﷺ کا کرم کہ علمائے کرام نے کتاب پر دھوم دھامی تقریظیں لکھنی شروع کیں۔ وہابیہ کا دل جلتا، اور بس نہ چلتا، آخر اس فکر میں ہوئے کہ کسی طرف فریب کر کے تقریظات تلف کر دی جائیں، ایک جگہ جمع ہوئے اور حضرت مولانا شیخ مرداد سے عرض کی کہ ہم بھی کتاب پر تقریظیں لکھنا چاہتے ہیں، کتاب ہمیں منگوا دیجئے۔ وہ سیدھے مقدس بزرگ ان کے فریبوں کو کیا جانیں؟ اپنے صاحبزادے مولانا عبد اللہ مرداد کو میرے پاس بھیجا، یہ صاحب مسجد حرام کے امام ہیں، اور اسی زمانے میں فقیر کے ہاتھ پر بیعت فرما چکے تھے۔ حضرت مولانا ابو الخیر کا منگانا اور مولانا عبد اللہ مرداد کا لینے کو آنا مجھے شبہہ کی کوئی وجہ نہ ہوتی، مگر مولیٰ عزوجل کی رحمت، میں اس وقت کتب خانہ حرم شریف میں تھا۔ حضرت مولانا اسماعیل کو اللہ عزوجل جنات عالیہ میں حضور رحمت عالم ﷺ کی رفاقت عطا فرمائے، قبل اس کے کہ میں کچھ کہوں، نہایت ترشی اور جلال سیادت سے فرمایا: کتاب ہرگز نہ دی جائے گی، جو تقریظیں لکھنی ہوں لکھ کر بھیج دو۔ میں نے گزارش بھی کی کہ حضرت مولانا ابو الخیر منگاتے ہیں، اور ان کے صاحبزادے لینے آئے ہیں، اور ان کا تعلق جو فقیر سے ہے، آپ کو معلوم ہے۔ فرمایا: جو لوگ وہاں جمع ہیں، ان کو میں جانتا ہوں، وہ منافقین ہیں۔ مولانا ابو الخیر کو انھوں نے دھوکہ دیا ہے۔ یوں اس عالم نبیل سید جلیل کی برکت نے کتاب بحمد اللہ تعالیٰ محفوظ رکھی۔ وللہ الحمد

جب وہابیہ کا یہ مکر نہ چلا، اور مولانا شریف کے یہاں سے ان کا منہ کالا ہوا ایک ناخواندہ جاہل کہ نائب الحرم کہلاتا اسے کسی طرح اپنے موافق کیا۔ احمد راتب پاشا اس زمانہ میں گورنر مکہ معظمہ تھے، آدمی ناخواندہ مگر دین دار ہر روز بعد عصر طواف کرتے۔ خیال کیا کہ شریف ذی علم تھے کتاب سن کر معتقد ہو گئے۔ یہ بے پڑھا فوجی آدمی ہمارے بھڑکائے سے بڑھک جائے گا۔ ایک روز یہ طواف سے فارغ ہوئے ہیں کہ نائب الحرم نے ان سے

گزارش کی: ایک ہندی عالم نے ہندوستان میں بہت لوگوں کے عقیدے بگاڑ دیے ہیں اور اب اہل مکہ کے عقیدے خراب کرنے آیا ہے، اور ساتھ ہی دل میں سوچا کہ یہ کیوں کر بجھے گی کہ ایک ہندی مکیوں کے عقیدے بگاڑ دے، لہٰذا مجبورانہ اس کے ساتھ یہ کہنا پڑا کہ اور اکابر مکہ مثل شیخ العلما سید محمد سعید بابصیل، ومولانا شیخ صالح کمال، ومولانا ابوالخیر مرداد اس کے ساتھ ہوگئے۔ مولیٰ تعالیٰ کی شان کہ یہ واقعی بات جو اس نے مجبورانہ کہی، اس پر الٹی پڑی۔ پاشا نے بکمال غضب ایک چپت اس کی گردن پر جمائی، اور کہا: یا خبیث ابن الخبیث یا کلب ابن الکلب اذا کان ھؤلاء معه فھو یفسد ام یصلح اے خبیث ابن خبیث، اے کلب ابن کلب! جب یہ اکابر اس کے ساتھ ہیں تو وہ خرابی ڈالے گا یا اصلاح کرے گا؟ اس روز سے مولانا سید اسماعیل وغیرہ اسے ناھب الحرم کہتے، اور احمد فقیہ کو احمق سفیہ اور ایک اور مخالف کو مفصوم۔ مولانا شریف کا دربار مہذب دربار تھا، وہاں وہابیہ کو مہذب ذلت پہنچی، یہ ایک جنگلی گوجی ترک کا سامنا تھا، اسی طریقے کی ذلت پائی۔

دولت مکیہ کے ساتھ ساتھ بلکہ اس سے کچھ پہلے سے بفضلہ تعالیٰ حسام الحرمین کا کاروائی جاری کی۔ اکابر جو عالی شان تقریظات اس پر لکھیں، آپ حضرات کے پیش نظر ہیں۔ ابتدا ہی میں یہ فتوے حضرت مولانا شیخ صالح کے پاس تقریظ کو گیا تھا، ادھر حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے کتاب سنانے کے ضمن میں حضرت شریف سے خلیل احمد کے عقائد ضالہ اور اس کی کتاب براھین قاطعه کا بھی ذکر کر دیا تھا۔ انبیٹھی صاحب کو خبر ہوئی، مولانا کے پاس کچھ اشرفیاں نذرانہ لے کر پہنچے، اور عرض کی کہ حضرت مجھ پر کیوں ناراض ہیں؟ فرمایا: کیا تم خلیل احمد ہو؟ کہا: ہاں! مولانا نے فرمایا: تجھ پر افسوس! تو نے براھین قاطعه میں وہ شنیع باتیں کیسے لکھیں؟ میں تو تجھے زندیق لکھ چکا ہوں۔ اس سے پہلے مولانا غلام دستگیر قصوری مرحوم کتاب تقدیس الوکیل عن توھین الرشید والخلیل لکھ کر علمائے مکہ سے تقریظیں لے چکے تھے اس پر مولانا شیخ صالح کمال کی بھی تقریظ ہے اور اس میں انبیٹھی صاحب اور ان کے استاد گنگوہی صاحب کو زندیق لکھا ہے۔

انبیٹھی صاحب نے کہا: حضرت جو باتیں میری طرف نسبت کی گئی ہیں افترا ہیں، میری کتاب میں نہیں ہیں۔ فرمایا: تمہاری کتاب براھین قاطعه چھپ کر شائع ہو چکی ہے، اور میرے پاس موجود ہے۔ انبیٹھی نے کہا: حضرت! کیا کفر سے توبہ قبول نہیں ہوتی؟ فرمایا: ہوتی ہے۔ مولانا نے چاہا کہ کسی مترجم کو بلائیں، اور براھین قاطعه انبیٹھی صاحب کو دکھا کر ان کلمات کا اقرار کرا کر توبہ لیں، مگر انبیٹھی صاحب رات ہی کو جدہ فرار ہوگئے۔

حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے حضرت مولانا سید اسماعیل کو اس واقعہ کی اطلاع کا خط بھیجا، اور انہوں نے بعینہٖ اپنے خط میں رکھ کر مجھے بھیج دیا، وہ اب تک میرے پاس موجود ہے۔ صبح کو حجرت مولانا شیخ کمال فقیر کے پاس تشریف لائے، اور خود یہ واقعہ بیان کیا، اور فرمایا: میں نے سنا کہ وہ رات ہی میں بھاگ گیا۔ میں نے کہا: مولانا آپ نے بھگا دیا۔ فرمایا: میں نے؟ ہاں! آپ نے۔ فرمایا: یہ کیوں کر؟ میں نے عرض کیا: جب اس نے آپ سے پوچھا کہ کیا کافر کی توبہ قبول نہیں ہوتی؟ آپ نے کیا فرمایا: میں نے کہا: ہوتی ہے۔ میں نے کہا: اسی نے اسے بھگایا، آپ کو یہ فرمایا تھا کہ جو رسول اللہ ﷺ کی توہین کرے، اس کی توبہ قبول نہیں۔ فرمایا: واللہ یہ مجھ سے رہ گئی۔ میں نے کہا: تو آپ ہی نے بھگایا۔

دعوتوں کا اہتمام اور علمائے کرام کی تشریف آوری:

زمانہ قیام میں علماء عظمائے مکہ معظمہ نے بکثرت فقیر کی دعوتیں بڑے اہتمام سے کیں۔ ہر دعوت میں علما کا مجمع ہوتا، مذاکرات علمیہ رہتے۔ شیخ عبدالقادر کردی، مولانا شیخ صالح کمال کے شاگرد تھے، مسجد الحرام شریف کیا حاطے ہی میں ان کا مکان تھا، انہوں نے تقرر دعوت سے پہلے باصرار تام پوچھا: تجھے کیا چیز مرغوب ہے؟ ہر چند عذر کیا، نہ مانا۔ آخر گزارش کی کہ الحلو البارد شیریں سرد۔ ان کے یہاں دعوت میں انواع اطعمہ جیسے اور جگہ ہوتے تھے، ان کے علاوہ ایک عجیب نفیس چیز پائی کہ اس الحلو البارد کی پوری مصداق تھی، نہایت شیریں وسرد وخوش ذائقہ۔ ان سے پوچھا کہ اس کا کیا نام ہے؟ کہا: رضی الوالدین اور وجہ تسمیہ یہ بتائی کہ جس کے ماں باپ ناراض ہوں، یہ پکا کر کھلائے راضی ہو جائیں گے۔ فقیر کی دعوتوں کے علاوہ صرف چار جگہ ملنے کو جاتا۔

۱) مولانا شیخ صالح کمال ۲) شیخ العلما مولانا محمد سعید بابصیل ۳) مولانا عبدالحق مہاجر الہ آبادی

۴) اور کتب خانہ میں مولانا سید اسماعیل کے پاس۔ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

یہ حضرات اور باقی تمام حضرات فرودگاہ فقیر پر تشریف لایا کرتے۔ صبح سے نصف شب کے قریب تک ملاقاتوں ہی میں وقت صرف ہوتا۔ مولانا شیخ صالح کمال کی تشریف آوری کی تو گنتی نہیں، اور مولانا سید اسماعیل التزاماً روزانہ تشریف لائے، خصوصاً ایام علالت میں کہ یکم محرم ۱۳۲۴ھ سے سلخ محرم تک مسلسل رہی، دن میں دو بار بھی تشریف لاتے، اور ایک بار کا آنا تو ناغہ ہی نہ ہوتا۔ آخر محرم میں کہ طبیعت بہت رو بصحت ہوگئی تھی، ایک ضرورت کے سبب دو روز تشریف لانا نہ ہوا، ان دو روز میں ان کی طرف اشتیاق میں ہی جانتا ہوں، میں نے ان سید جلیل کو ایک پرچہ پر یہ تین شعر لکھ بھیجے۔

ھذان یومان ما فزنا بطلعتکم	ولو قدرنا جعلنا راسنا قدما
قالو القاء خلیل للعلیل شفاء	الا تحبون ان تبروا لنا سقما
عودتمونا طلوع الشمس کل ضحی	وھل سمعتم کریما بقطع الکرما

"یہ دو دن ہیں کہ ہمیں دیدار نہ ملا، اور ہمیں طاقت ہوئی تو سر سے آتے۔ لوگ کہتے ہیں کہ لقائے خلیل شفائے علیل ہے، یعنی دوست کا آنا مرض کا جانا ہے۔ کیا آپ ہمارے مرض کی شفا نہیں چاہتے؟ آپ نے ہمیں عادی کر دیا ہے کہ ہر چاشت کو سورج طلوع کرے، اور آپ نے اسی کریم کو سنا ہے کہ کرم قطع کرے۔"
اس رقعہ کو دیکھ کر سید موصوف کی جو کیفیت ہوئی، حامل رقعہ نہ دیکھی۔ فوراً اس کے ساتھ ہی تشریف لے آئے، اور پھر روز رخصت تک کوئی دن خالی جانا مجھے یاد نہیں۔

حضرت مولانا عبدالحق الہ آبادی کو چالیس سال سے زیادہ مکہ معظمہ میں گزرے تھے، کبھی شریف کے یہاں بھی تشریف نہ لے گئے، قیام گاہ فقیر پر دو بار تشریف لائے، مولانا سید اسماعیل وغیرہ ان کے تلامذہ فرماتے تھے کہ یہ محض خرق عادت ہے، مولانا کا دم بساغنیمت تھا ہندی تھے مگر ان کے انوار مکہ میں چمک رہے تھے، التزاماً ہر سال حج کرتے۔ مولانا سید اسماعیل فرماتے تھے کہ ایک سال زمانہ حج میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب بہت علیل اور صاحب فراش تھے، نویں تاریخ اپنے تلامذہ سے کہا: مجھے حرم شریف میں لے چلو، کئی آدمی اٹھا کر لائے، کعبہ معظمہ کے سامنے بٹھا دیا، زمزم شریف منگا کر پیا، اور دعا کی کہ الٰہی حج سے محروم نہ رکھ۔ اسی وقت مولیٰ تعالیٰ نے ایسی قوت عطا فرمائی کہ اٹھ کر اپنے پاؤں سے عرفات شریف گئے، اور حج ادا کیا۔

مکہ معظمہ میں بنام علم کوئی صاحب ایسے نہ تھے، جو فقیر سے ملنے نہ آئے ہوں۔ سوا شیخ عبداللہ بن صدیق بن عباس کہ اس وقت مفتی حنفیہ تھے، اور وہاں مفتی حنفیہ کا منصب، شریف سے دوسرے درجے میں سمجھا جاتا ہے، اپنے منصب کی جلالت قدر نے انھیں فقیر غریب الوطن کے پاس آنے سے روکا۔ اپنے ایک شاگرد خاص کو فقیر کے پاس بھیجا کہ حضرت مفتی حنفیہ نے بعد سلام فرمایا ہے کہ میں آپ کی زیارت کا بہت مشتاق ہوں۔ مولانا سید محمد اسماعیل اس وقت میرے پاس بیٹھے تھے، میں نے چاہا کہ حاضری کا وعدہ کروں، مگر اللہ اعلم حبیب اکرم ﷺ کے کرم نے ان اکابر کے دل میں ذرۂ بے مقداری کی کیسی وقعت ڈالی تھی، فوراً روکا، اور فرمایا: واللہ یہ نہ ہوگا، تمام علما ملنے آتے ہیں، وہ کیوں نہیں آتے؟ ان کی قسم کے سبب مجبور رہا۔ مگر تقدیر الٰہی میں ان سے ملنا تھا، اور نئی شان سے تھا۔

کفل الفقیہ کی تصنیف:

اس کا ذریعہ یہ ہوا کہ انھیں دنوں میں مولانا عبداللہ مرداد، مولانا حامد احمد محمد جداوی نے نوٹ کے بارے میں فقیر سے استفتا کیا تھا، جس میں بارہ سوال تھے، اور میں نے بکمال استعجال اس کے جواب میں رسالہ کفل الفقیه الفاهم فی الحکام قرطاس الدراهم تصنیف کیا تھا، وہ تبیض کیلئے حرم شریف کے کتب خانہ میں سید مصطفیٰ برادر خورد مولانا سید اسماعیل کے پاس تھا کہ نہایت جمیل الخط ہیں۔ زمانہ سبق میں جب میرے استاذ الاستاذ حضرت مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر مکی رحمۃ اللہ علیہ مفتی حنفیہ تھے، ان سے نوٹ کے بارے میں سوال ہوا تھا، اور جواب تحریر فرمایا تھا کہ علم علما کی گردنوں میں امانت ہے، مجھے اس کے جزئیہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کچھ حکم دوں۔

ایک دن میں کتب خانہ میں جاتا، اور ایک شاندار صاحب کو بیٹھے دیکھتا ہوں کہ میرا رسالہ کفل الفقیه مطالعہ کر رہے ہیں، جب اس مقام پر پہنچے جہاں میں نے فتح القدیر سے یہ عبارت نقل کی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ایک کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپیہ کا بیچے تو جائز ہے مکروہ نہیں، بھڑک اٹھے، اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر بولے: این جمال بن عبدالله من هذا النص الصریح حضرت جمال بن عبداللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہے؟ پھر کوئی مسئلہ دیکھنا تھا، اس کے لیے کتابیں نکلوائیں ان کی عبارتیں نکال کر نقل کرنا چاہتے تھے، اور میرے رسالہ کی نقل کی تصحیح کر رہا تھا، اس وقت تک نہ انھوں نے مجھے جانا ہے نہ میں نے ان کو۔ اتنے میں انھوں نے دوات ایک ایسی کتاب پر رکھ دی، جسے نہ دیکھ رہے تھے، نہ اس سے کچھ نقل کر رہے تھے، میں نے ان پر اعتراض، بلکہ کتاب کی تعظیم کے لیے اتار کر نیچے رکھ دی۔ انھوں نے پھر اٹھا کر کتاب پر رکھ دی، اور کہا: بحر الرائق 'کتاب الکراهیة' میں اس کے جواز کی تصریح ہے۔ میں نے ان سے یہ تو نہ کہا کہ بحر الرائق 'کتاب الکراهیة' تک کب پہنچی؟ وہ کتاب القضا ہی میں ختم ہوگئی ہے۔ ہاں! یہ کہا کہ ایسا نہیں، بلکہ ممانعت کی تصریح فرمائی ہے۔ مگر لکھتے وقت بضرورت مثلاً ورق ہوا سے اڑیں نہیں۔ کہا کہ میں لکھنا ہی تو چاہتا ہوں؟ میں نے کہا: ابھی لکھتے تو نہیں ہو؟ وہ خاموش ہو رہے۔ اور حضرت سید اسماعیل سے مجھے پوچھا: انھوں نے فرمایا کہ یہی اس رسالہ کا مصنف ہے۔ اب ملے مگر خجلت کے ساتھ، اور عجلت کے ساتھ اٹھ گئے۔ حضرت سید اسماعیل نے فرمایا: سبحان اللہ! یہ کیسا واقعہ ہوا؟ یہ چہارم صفر ۱۳۲۴ھ تھی۔

علالت:

اس سے پہلے محرم شریف میں شدید ومدید دورہ بخار کا رہ چکا تھا، دوبارہ مسہل ہوئے۔ ایک بار ایک ہندی کی رائے سے اور نفع نہ ہوا، دوبارہ ایک ترکی ڈاکٹر رمضان آفندی نے بہت قلیل مقدار میں ایک نمک دیا کہ آب زمزم شریف ملا کر پی لو، اور پیاس بے پیاس زمزم شریف کی کثرت کرو۔ اس سے بحمد اللہ تعالیٰ بہت نفع ہوا، اور انھوں نے دوا وہ بتائی جو مجھے بالطبع محبوب ومرغوب تھی یعنی زمزم شریف کہ مجھے ہر مشروب سے زیادہ عزیز ہے۔ میرے عادت ہے کہ باسی پانی کبھی نہیں پیتا، اور اگر پیوں تو بآنکہ مزاج گرم ہے فوزاً زکام ہوجاتا ہے۔ میری پیدائش سے پہلے حکیم سعید وزیر علی مرحوم نے میرے یہاں باسی کو منع کردیا تھا، جب سے معمول ہے کہ رات کے گھڑے بالکل خالی کرکے پینے کا پانی بھرا جاتا ہے، تو میں نے دودھ بھی باسی پانی کا نہ پیا، نہ کبھی نہار منھ پانی پیتا ہوں، کلیاں کرتا ہوں، اس سے تسکین ہوتی ہے۔ مگر زمزم شریف کی برکت کہ صحت میں، مرض میں، دن میں، رات میں زیادہ باسی بکثرت پیا، اور نفع کیا، زورقین ہروقت بھری رکھی رہتی تھی۔ بخار کی شدت میں رات کو جب آنکھ کھلی، کلی کرکے زمزم شریف پی لی، صبح وضو سے پہلے پیتا، وضو کے بعد پیتا، بارہ بارہ زورقیں ایک دن رات میں صرف میرے صرف میں آتیں۔ پونے تین مہینے میں آیا ہوگا۔ حضرت مولانا سید اسماعیل کہ اللہ تعالیٰ جنات عالیہ نصیب فرمائے، میری واپسی حج کے چند سال بعد جب ۱۳۲۸ھ میں مجھ سے ملنے آئے ہیں، اور میرے شوق آب زمزم کا ذکر ہوا، فرمایا تھا کہ ہر مہینے اتنے طنک یعنی پیپے بھیج دیا کروں گا کہ تمہارے ایک مہینے کے صرف کو کافی ہوں، مگر یہاں سے جاتے ہیں انہیں سفر باب عالی کی ضرورت ہوئی اور مشیت الٰہی کہ وہیں انتقال فرمایا۔ رحمة اللہ علیہ رحمة واسعة

محرم شریف مجھے تقریباً بخار ہی میں گزرا، اسی حالت میں علمائے کرام کو اجازات لکھی جاتیں، اور اسی حالت میں کفل الفقیہ تصنیف ہوا۔ وہاں پلنگ کا بھی رواج نہیں، بالاخانوں میں زمین پر فرش ہیں، اس پر سوتے ہیں مگر حضرت عمدہ پلنگ منگوا دیا تھا، ایام مرض میں میں اسی پر ہوتا، اور علما، عظما اعادت کو آتے، اور فرش پر تشریف رکھتے، اس سے نادم ہوتا ہرچند چاہتا کہ نیچے اتروں، میں قسموں سے مجبور فرماتے۔ امتداد مرض میں مجھے زیادہ فکر حاضری سرکار اعظم کی تھی، جب بخار کو امتداد دیکھا، میں نے اسی حالت میں قصر حاضری کیا، یہ علما مانع ہوئے، اور تو یہ فرمایا: کہ حالت تمہاری یہ ہے اور سفر طویل۔ میں نے عرض کی: اگر سچ پوچھیے تو حاضری کا اصل مقصود زیارت طیبہ ہے۔ دونوں بار اسی نیت سے گھر سے چلا، معاذ اللہ اگر یہ نہ ہو تو حج کا کچھ لطف نہیں، انہوں نے پھر اصرار اور میری حالت کا اشعار کیا، میں نے حدیث: من حج ولم یزر نی فقد جفانی پڑھی۔ فرمایا: تم ایک بار زیارت شریف کر چکے ہو۔ میں نے کہا: میرے نزدیک حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ عمر میں کتنے ہی حج کرے، زیارت ایک بار کافی ہے، بلکہ ہر حج کے ساتھ زیارت ضرور ہے۔ اب آپ دعا فرمائیے کہ میں سرکات تک پہنچ لوں روضہ اقدس پر ایک نگاہ پڑ جائے، اگرچہ اس وقت دم نکل جائے۔ یہ سن کر حضرت مولانا شیخ صالح کمال کا غصہ سے رنگ متغیر ہوگیا اور فرمایا: ہرگز نہیں بلکہ تعود ثم تعود ثم یکون تو روضہ انور پر اب حاضر ہو پھر، پھر مدینہ طیبہ میں وفات نصیب ہو۔ مولیٰ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرمائے۔

حضرت مولانا شیخ صالح کمال کو جنات عالیہ عطا فرمائے، بآں فضل وکمال کہ میرے نزدیک مکہ معظمہ ان کے پائے کا دوسرا عالم نہ تھا، اس فقیر حقیر کے ساتھ غایت اعزاز بلکہ ادب کا برتاؤ رکھتے۔ بار بار کے اصرار کے ساتھ مجھ سے اجازت نامہ لکھوایا جسے میں نے اوبا کئی روز ٹالا، جب مجبور فرمایا لکھ دیا۔ تین تین پہر میری ان کی مجالست ہوتی، اور اس میں سوا مذاکرات علمیہ کے کچھ نہ ہوتا، جس زمانہ میں قاضی مکہ معظمہ رہے تھے، اس وقت کے اپنے فیصلوں کے مسلئے دریافت فرماتے، حقیر کو بیان کرتا، اگر ان کے فیصلہ کے مطابق ہوتا بشاشت وخوشی کا اثر چہرہ مبارک ظاہر ہوتا، اور مخالف ہوتا، تو ملال وکبیدگی۔ اور یہ سمجھتے کہ مجھ سے حکم میں لغزش ہوئی، مجھے بھی ان دونوں صاحبوں کے کرم کے سبب ان سے کمال بے تکلفی ہر قسم کی بات گزارش کردیتا۔ ایک بار کہا: موذنون نے یہ جواذان واقامت وتکبیر انتقال میں نغمات ایجاد کیے ہیں آپ حضرات ان سے منع نہیں فرماتے۔ فتح القدیر میں مبلغ (یعنی مکبر) کے نغموں کو مفسد نماز لکھا ہے، اور یہ کہ اس کی تکبیرات پر جو مقتدی رکوع وسجود وغیرہ افعال نماز کرے گا اس کی نماز نہ ہوگی۔ فرمایا۔ حکم یہی ہے، مگر ان علما کا بس نہیں، یہ جانب سلطنت سے ہیں۔

ایک جمعہ میں، میں خطیب کے قریب تھا، اس نے خطبہ میں پڑھا: **وارض عن اعمام نبیک الا طائب حمزه والعباس وابی طالبی** یہ بدعت تازہ ایجاد ہوئی پہلی بار کی حاضری میں نہ تھی، اور یہ بدلبۂ جانب حکومت سے تھی، اسے سنتے ہی فوراً میری زبان سے بآواز بلند نکلا: **اللهم هذا منكر** منکر کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: **من رأى منكم منكر افليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه وذالك اضعف الايمان** فقیر فتوفیق رب کریم یہ حکم احکم بروجہ اوسط بجالایا، اور مولیٰ تعالیٰ کی رحمت کہ کسی کو تعرض کی جرأت نہ ہوئی۔ فرضوں کے بعد ایک اعرابی نے میری طرف متوجہ ہوکر کہا: رایت تم نے دیکھا؟ میں نے کہا: رایت ہاں دیکھا۔ کہا: **لاحول ولاقوة الا بالله العلى العظيم** اور تشریف لے گئے۔ ان دونوں اکابر علمانے ہماری مجلس خلوت میں اس کی مبارک بادوی کہ اس رد منکر پر کوئی معترض نہ ہوا، اور ساتھ ہی فرمایا کہ ایسے امور میں کہ جانب حکومت سے ہیں سکوت شایاں ہے۔

اسی واقعہ مفتی حنفیہ کے وقت میں نے جناب سید مصطفےٰ خلیل برادر حضرت مولانا سید اسماعیل سے کہا: **هل عندكم شیٔ من هزمة جبریل** آپ کے پاس سیدنا جبریل علیہ السلام کی ٹھوکر کا کچھ بقیہ ہے؟ سیدزادے نے فرمایا: نعم: اور کٹورے میں زمزم شریف لائے۔ میں اسے ضعف کے سبب بیٹھا ہی ہوا پی رہا تھا، آنکھیں نیچی تھیں، جب نظر نظر اٹھائی، دیکھا تو وہ سید جلیل مؤدب ہاتھ باندھے کھڑے ہیں، یہاں تک کہ کٹورا میں نے انھیں دیا۔ یہ حال ان معظم و معزز بندگان خدا کے ادب و اجلال کا تھا۔

اقامت کے لیے اکابر علما کا اصرار:

وہ حضرات علما بہت اس کے متمنی رہتے کہ کسی طرح میرا وہاں قیام زائد ہو حضرت مولانا سید اسماعیل نے فرمایا: یہاں کی شدت گرمی تمہارے لیے باعث تپ ہے۔ طائف شریف میں موسم نہایت معتدل اور وہاں میرا مکان بہت پر فضا ہے، چلیے گرمی کا موسم وہاں گزاریں۔ میں نے گزارش کی کہ اس حالت مرض میں قابلیت سفر ہو تو سرکار اعظم ہی کی حاضری ہو، ہنس کر فرمایا میرا مقصود یہ تھا کہ چند مہینے وہاں تنہائی میں رہ کر تم سے کچھ پڑھتے کہ یہاں تو آمد و شد کے ہجوم میں تمھیں فرصت نہیں۔ مولانا شیخ صالح کمال نے فرمایا: اجازت ہو تو ہم یہاں تمہاری شادی کی تجویز کریں؟ میں نے کہا: وہ کنیز بارگاہ الٰہی، جسے میں اس کے دربار میں لایا، اور اس نے مناسک حج ادا کیے، کیا اس کا بدلہ یہی ہے کہ میں اسے یوں مغموم کروں؟ فرمایا: ہمارا خیال یہ تھا کہ یوں یہاں تمہارے قیام کا سامان ہو جاتا۔ اس طول مرض میں کئی ہفتہ حاضری مسجد اقدس سے محروم رہا کہ میں جس بالاخانہ پر تھا چالیس زینے کا تھا اس سے اترنا اور چڑھنا نا مقدور تھا۔ مسجد الحرام شریف میں کوئی نا آشنا سا بزرگ میرے بھائی مولوی محمد رضا خاں کو ملے تو فرمایا: کئی دن سے تمہارے بھائی کو نہ دیکھا؟ انھوں نے عرض کیا: علیل ہیں۔ پانی دم فرما کر دیا کہ پلاؤ اور اگر بخار باقی رہے تو میں دس بجے دن کے تم کو یہیں ملوں گا۔ دس بجے دن کے نہ بخار رہا نہ وہ ملے۔ اور اب میں مسجد شریف اور کتب خانہ حرم شریف میں حاضر ہونے لگا، جس میں چوتھی صفر کا وہ واقعہ تھا جو مفتی حنفیہ کے ساتھ پیش آیا۔ نماز صبح کے سوا کہ ہمارے نزدیک میں اسفار یعنی وقت خوب روشن کر کے پڑھنا افضل ہے، اور شافعیہ کے نزدیک تغلیس یعنی خوب اندھیرے سے پڑھنا، تینوں مصلوں پر نماز پہلے ہو جاتی، اور مصلائے حنفی پر سب کے بعد، باقی چاروں نمازیں سب سے پہلے مصلائے حنفی پر ہوتی ہیں۔ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک وقت عصر دو مثل سایہ گزر کر ہے، اس کے بعد نماز حنفی ہوتی، اس کے بعد باقی تینوں مصلوں پر وہ لوگ اپنے لیے اسے بہت تاخیر سمجھتے آخر کوششیں کر کے حنفیہ سے یہ کرا لیا کہ تمام عصر مطابق قول صاحبین رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہما مثل دوم کے شروع میں پڑھ لیں۔ اس بار کی حاضری میں یہ جدید بات دیکھی، اگرچہ کتب حنفیہ میں یہاں قول صاحبین پر بھی بعض نے فتویٰ دیا مگر اصح و احوط و اقدم قول سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ ہے، اور فقیر کا معمول ہے کہ کسی مسئلہ میں بے خاص مجبوری کے قول امام سے عدول گوارا نہیں کرتا۔ جس کی تفصیل جلیل میرے رسالہ اجلی الاعلام بان الفتویٰ مطلقا علیٰ قول الامام میں ہے۔

اذا قال الامام فصدقوه فان القول ماقال الامام

ہم حنفی ہیں نہ کہ یوسفی یا شیبانی۔ میں اس بار جماعت عصر میں بہ نیت نفل شریک ہو جاتا، اور فرض عصر مثل دوم کے بعد، میں اور حضرت مولانا شیخ صالح کمال، حضرت مولانا سید اسماعیل و دیگر بعض محتاطین حنفیہ اپنی جماعت سے پڑھتے، جس میں وہ حضرات امامت پر اس فقیر کو مجبور فرماتے۔ پہلے شیخ عمر صحی کا مکان کرایہ پر لیا تھا، پھر سید عمر رشیدی ابن سید ابوبکر رشیدی اپنے مکان پر لے گئے۔ بالاخانہ کے در وسطانی پر میری نشست تھی، دروازوں پر جو طاق تھے بائیں جانب کے طاق میں وحشی کبوتر کا ایک جوڑا رہتا، وہ تنکے لاتے اور گرایا کرتے، اس طرف کے بیٹھنے والوں پر گرتے، جب علالت میں میرے لیے پلنگ لایا گیا، وہ اس در کے سامنے بچھایا گیا کہ تشریف لانے والوں کے لیے جگہ وسیع رہے، اس وقت سے کبوتروں نے وہ طاق چھوڑ کر دروازہ سطانی کے طاق میں بیٹھنا شروع کیا کہ اب جو وہاں بیٹھتے، ان پر تنکے گرتے۔ حضرت مولانا سید اسماعیل نے فرمایا: وحشی کبوتر بھی تیرا لحاظ کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی: صالحناهم فصالحونا ہم نے ان سے صلح کی تو انھوں نے بھی ہم سے صلح کی۔ اس پ بعض علمائے حاضرین نے فرمایا کہ ہم پر کیوں تنکے پھینکتے ہیں، ہم نے ان سے کون سی جنگ کی ہے؟ میں نے کہا: میں یہاں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ یہ جہاں آ کر بیٹھتے ہیں، انہیں اڑاتے ہیں، کنکریاں مارتے ہیں، سلامیوں کی توپیں جب چھوٹتی ہیں، یہ خوف سے تھرتھرا کر رہ جاتے ہیں، یہ سب میرا مشاہدہ ہے۔ حالانکہ یہ حرم محترم کے وحشی ہیں، انھیں اڑانا ڈرانا منع ہے، پیڑ کے سائے میں حرم کا ہرن بیٹھا ہو، آدمی کو اجازت نہیں کہ اسے اٹھا کر خود بیٹھے، ان عالم نے فرمایا: یہ کبوتر ایذا دیتے ہیں، اور اوپر سے کنکریاں پھینکتے ہیں، لیمپ کی چمنی توڑ دیتے ہیں۔ میں نے کہا: کیا یہ ابتداءً لا ایذا کرتے ہیں؟ کہا: ہاں! میں نے کہا تو فاسق ہوئے، اور کبوتر بالاجماع فاسق نہیں۔ چیل کوے فاسق ہیں۔ وہ ساکت ہو گئے۔ شریعت میں وہ جانور فاسق ہے جو بغیر اپنے نفع کے بالقصد ابتداءً ایذا پہنچائے، ایسے جانور کا قتل حرم شریف میں بھی جائز ہے۔ جیسے چیل، کوا، بندر، چوہا۔ چیل کوے زیور اٹھا کر لے جاتے ہیں، بندر کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں، چوہے کتابیں کترتے ہیں، جس میں ان کا کوئی نفع نہیں۔ محض براہ شرارت ایذا دیتے ہیں، لہٰذا فاسق ہیں۔ بخلاف بلی کے کہ اگرچہ مرغی پکڑتی، کبوتر توڑتی ہے، مگر اپنی غذا کے لیے نہ تمہارے ایذا کے لیے۔ کنکریاں اگر طاق میں ہوں، کبوتر کے چلنے پھرنے

سے گریں گی، نہ یہ چمنی پر کنکری مارنا انھیں مقصود ہو۔
جب اواخر محرم میں بفضلہ تعالیٰ صحت ہوئی، وہاں ایک سلطانی حمام ہے میں اس میں نہایا۔ باہر نکلا ہوں کہ ابر دیکھا، حرم شریف پہنچتے پہنچتے برسنا شروع ہوا، مجھے حدیث یاد آئی کہ جو مینھ برستے میں طواف کرے، وہ رحمت الٰہی میں تیرتا ہے۔ فوراً سنگ اسود شریف کا بوسہ لے کر بارش ہی میں سات پھیرے طواف کیا، بخار پھر عود کر آیا۔ مولانا سید اسماعیل نے فرمایا: ایک ضعیف حدیث کے لیے تم نے اپنے بدن کی یہ بے احتیاطی کی؟ میں نے کہا: حدیث ضعیف ہے، مگر امید بحمدہ تعالیٰ قوی ہے۔ یہ طواف بحمدہ تعالیٰ بہت مزے کا تھا۔ بارش کے سبب طائفین کی وہ کثرت نہ تھی۔

کعبۂ جاں کی طرف روانگی:

صفر کے پہلے عشرہ میں عزم حاضری سرکار اعظم مصمم ہو گیا، اونٹ کرایا کر لیے، سب اشرفیاں پیشگی دے دیں۔ آج سب اکابر علما سے رخصت ہونے کو ملا، وہاں پان کی جگہ چائے کی تواضع ہے، اور انکار سے برا مانتے ہیں، ہر جگہ چائے پینی ہوئی، جس کا شمار نو فنجان تک پہنچا، اور وہاں بے دودھ کی چائے پیتے ہیں، جس کا میں عادی نہیں، اور چائے گردے کو مضر ہے، اور میرے گردے ضعیف۔ رات کو معاذ اللہ بشدت حوالی گردہ کا درد ہوا، ساری شب جاگتے کٹی، صبح ہی سفر کا قصد تھا کہ مجبورانہ ملتوی رہا۔ جمالوں سے کہہ دیا گیا کہ تا شفا نہیں جا سکتے، وہ چلے گئے، اور اشرفیاں بھی انہیں کے ساتھ گئیں۔ ترکی ڈاکٹر رمضان آفندی نے پلاسٹر لگائے۔ دو ہفتے سے زیادہ تک معالجے کیے، بحمد اللہ تعالیٰ شفا ہوئی، مگر اب بھی دن میں پانچ چھ بار چمک ہو جاتی تھی، اسی حالت میں دوبارہ اونٹ کرایا کیے، سب نے کہا کہ اونٹ کی سواری میں حال بہت ہو گی، اور حال یہ ہے۔ مگر میں نے نہ مانا، اور توکل علی اللہ تعالیٰ علیہ چوبیس صفر ۱۳۲۴ھ کعبہ تن سے کعبہ جان کی طرف روانہ ہوا۔ براہ بشریت مجھے بھی خیال آتا تھا کہا اونٹ کی ہال سے کیا حال ہوا؟ والہٰذا اس بار سلطانی راستہ اختیار نہ کیا کہ بارہ کہ بارہ منزلیں اونٹ پر ہوں گی، بلکہ جدہ سے براہ کشتی رابغ جانے کا قصد کیا، مگر ان کے کرم کے صدقے ان سے استعانت عرض کی، اور ان کا نام پاک لے کر اونٹ پر سوار ہوا۔ ہال کا ضرر پہنچنا درکنار، وہ چمک کہ روزانہ پانچ چھ چار ہو جاتی تھی دفعۃً دفع ہو گئی، وہ دن اور آج کا دن ایک قرن سے زیادہ گزرا کہ بفضلہ تعالیٰ اب تک نہ ہوئی۔ یہ ہے ان کی رحمت، یہ ہے ان سے استعانت کی برکت۔
حضرت مولانا سید اسماعیل اور بعض دیگر حضرات شہر مبارک سے باہر دور تک برسم مشایعت تشریف لائے، مجھ میں بوجہ ضعف مرض پیادہ چلنے کی طاقت نہ تھی، پھر بھی ان کی تعظیم کیلئے ہر چند اترنا چاہا، مگر ان حضرات نے مجبور کیا۔ پہلی رات کہ جنگل میں آئی صبح کے مثل روشن معلوم ہوتی تھی، جس کا اشارہ میں نے اپنے قصیدہ 'حضور جان نور' میں کا کی، جو حاجری دربار معلی میں لکھا گیا تھا۔

وہ دیکھ جگمگاتی ہے شب اور قمر ابھی　　　پہروں نہیں کہ بست و چہارم صفر کی ہے

جدہ سے کشتی میں سوار ہوئے، کوئی تیس چالیس آدمی اور ہوں گے، کشتی بہت بڑی تھی، جسے ساعیہ کہتے ہیں، اس میں جہاز کا سا مستول تھا، ہوا کے لیے پردے حسب حاجت مختلف جہات پر بدلے جاتے، حبشی ملاح کہ اس کام پر مقرر تھے، ان کے کھولنے باندھنے کے وقت اکابر اولیائے کرام رضی اللہ عنہ کو عجب اچھے لہجے سے ندا کرتے جاتے۔ ایک حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو تو دوسرا حضرت سیدی احمد کبیر، تیسرا حضرت سیدی احمد رفاعی کو، چوتھا حضرت سیدی احمد ل کو علیٰ ھذا القیاس رضی اللہ عنہ۔ ہر کشش پر ان کی یہ آوازیں عجب دل کش لہجے سے ہوتیں، اور بہت خوش آتیں، ایک بصری صاحب نے اپنی حاجت سے بہت زیادہ جگہ پر قبضہ کر رکھا تھا، ان سے کہا گیا نہ مانے، معلوم ہوا کہ ان پر اثر ان دوسرے بصری شیخ عثمان کا ہے، میں نے ان سے کہا: یا شیخ! انہوں نے کہا: الشیخ عبد القادر الجیلانی شیخ تو حضرت عبد القادری جیلانی ہیں۔ انکے اس کہنے کی لذت آج تک میرے قلب میں ہے انھوں نے ان پہلے بزرگ کو سمجھا دیا۔ اس کے بعد جب ان کو کچھ حالات معلوم ہوئے، پھر تو وہ نہایت مخلص بلکہ کمال مطیع تھے۔ تین روز میں کشتی رابغ پہنچی۔

ایک مقدمے کا تصفیہ:

یہاں کے سردار شیخ حسین تھے۔ ٹیوں کے مکان قیام کے لیے تھے، جب ان میں اترنا ہوا، اللہ اعلم لوگوں کو کس نے اطلاع دی۔ ان کے بھائی ابراہیم معہ اپنے اعزہ کے ایک جماعت کے تشریف لائے، اور اپنے یہاں کا ایک نزاعی مقدمہ کہ مدت سے نافیصل پڑا تھا، پیش کیا۔ میں نے حکم شرعی عرض کیا، بحمدہ تعالیٰ باتوں ہی باتوں میں باہم فیصلہ ہو گیا۔ ربیع الاول شریف کا ہلال ہم کو یہیں ہوا۔ یہاں سے اونٹ کرایا کیے گئے نماز عصر پڑھ کر سوار ہونا ہوا، تمام اسباب قلعہ کے سامنے سڑک پر نکال رکھا تھا، گنتی کئے اونٹوں کا قافلہ تھا، ہم لوگ سوار ہو گئے، اور یہ خیال کیا کہ حاجی صاحب اسباب بار کراویں گے، حاجی صاحب بھی سوار ہو گئے، اور اسباب وہیں سڑک پر پڑا رہ گیا، جب منزل پر پہنچے، اب نہ کپڑے ہیں، نہ برتن ہیں، نہ گھی ہے۔ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**

یہ پانچ منزلیں ساتھیوں کے برتنوں اور منازل پر وقتاً فوقتاً خرید حوائج سے گزریں، **و الحمدللہ رب العالمین**

نماز کی خاطر قافلہ سے جدائی اور سرکار کی کرم:

راہ میں جب بیر شیخ پر پہنچے ہیں، منزل چند میل باقی تھی، اور وقت فجر تھوڑا۔ جمالوں نے منزل ہی پر رکنا چاہا، اور جب تک وقت نماز نہ رہتا۔ میں اور میرے رفقا اتر پڑے قافلہ چلا گیا، کرچ کا ڈول پاس تھا، رسی نہیں، اور کنواں گہرا، عمامے باندھ کر پانی بھرا، وضو کیا، بحمد اللہ تعالی نماز ہو گئی۔ اب یہ فکر لاحق ہوئی کہ طول مرض سے ضعف شدید ہے، اتنے میل پیادہ کیوں کر چلنا ہوگا، منھ پھیر کر دیکھا، ایک جمال محض اجنبی اپنا اونٹ لیے میرے انتظار میں کھڑا ہے، حمد الٰہی بجالایا، اس پر سوال ہوا، اس سے لوگوں نے پوچھا کہ تم یہ اونٹ کیسا لائے؟ کہا: ہمیں شیخ حسین نے تاکید کر دی تھی کہ شیخ کی خدمت میں کمی نہ کرنا۔ کچھ دور آگے چلے تھے کہ میرا اپنا جمال اونٹ لیے کھڑا ہے، اس سے پوچھا۔ کہا: جب قافلے کے جمال نہ ٹھرے، میں نے سوچا شیخ کو تکلیف ہوگی، قافلہ میں سے اونٹ کھول کر واپس لایا، یہ سب میری سرکار کرم کی رحمتیں تھیں صلی اللہ تعالیٰ وبارک وسلم علیہ عدد ما قدر رافعه ورحمته ورنہ کہاں یہ فقیر، اور کہاں سرکار رابغ شیخ حسین؟ جن سے جان نہ پہچان، اور کہاں وحشی مزاج جمال، اور ان کی یہ خارق العادات روشیں؟

سرکار اعظم میں حاضری:

بدن کے کپڑے میلے ہو گئے تھے، اور کپڑے رابغ میں چھوٹ گئے تھے، اور ایک یا دو منزل پہلے شب کو ایک جوتا کہیں راستہ میں نکل گیا، یہاں عربی وضع کا لباس اور جوتا خرید کر پہنا، اور یوں مواجہہ اقدس کی حاضری نصیب ہوئی، یہ بھی سرکار ہی کی طرف سے تھا کہ اس لباس میں بلانا چاہا، دوسرے دن رابغ سے ایک بدوی پہنچا، اونٹ پر سوار، اور ہمارا تمام اسباب کہ چلتے وقت قلعہ کے سامنے چھوٹ گیا تھا اس پر بار، اس نے شیخ حسین کا رقعہ لاکر دیا کہ آپ کا یہ اسباب رہ گیا تھا، روانہ کرتا ہوں، میں ہر چندان بدوی صاحب کو آتے جاتے دس منزلوں کی محنت کا نذرانہ دیتا رہا، مگر انھوں نے نہ لیا، اور کہا: ہمیں شیخ حسین نے تاکید فرما دی ہے کہ شیخ سے کچھ نہ لینا۔ یہاں کے حضرات کرام کو حضرات مکہ معظمہ سے زیادہ اپنے اوپر مہربان پایا۔ بحمدہ تعالی اکیس روز حاضری نصیب ہوئی، بارھویں شریف کی مجلس مبارک یہیں ہوئی۔

علمائے کرام کا ھجوم:

صبح سے عشا تک علماء عظما کا ہجوم رہتا، بیرون باب مجیدی مولانا کریم اللہ علیہ رحمۃ اللہ تلمیذ حضرت مولانا عبد الحق مہاجر الہ آبادی رہتے تھے، ان کے خلوص کی تو کوئی حد ہی نہیں ۔حسام الحرمین و الدولة المكية پر تقریظات میں انھوں نے بڑی سعی جمیل فرمائی ۔جزاه الله خيرا كثيرا یہاں بھی اہل علم نے الدولة المكية کی نقلیں لیں۔ ایک نقل بالخصوص مولانا کریم اللہ نے مزید تقریظات کے لیے اپنے پاس رکھی، میرے چلے آنے کے بعد بھی مصر وشام وبغداد ومقدس وغیرہا کے علما جو موسم میں خاک بوس آستانہ اقدس ہوتے، جن کا ذرا بھی زیادہ قیام دیکھتے، اور موقع پاتے ان کے سامنے کتاب پیش کرتے، اور تقریظیں لیتے، اور بصیغہ رجسٹری مجھے بھیجتے رہتے۔ رحمة الله تعالىٰ عليه رحمة واسعة

علمائے کرام کی طرف سے طلب سند و اجازت:

علمائے کرام نے یہاں بھی فقیر سے سندیں اور اجازتیں لیں، خصوصاً شیخ الدلائل حضرت مولانا سید محمد سعید مغربی کے الطاف کی تو حد ہی نہ تھی، اس فقیر سے خطاب میں یا سیدی فرماتے، میں شرمندہ ہوتا، ایک بار میں نے عرض کی: حضرت سید تو آپ ہیں؟ فرمایا: واللہ تم سید ہو۔ میں نے عرض کی: میں سیدوں کا غلام ہوں۔ فرمایا: تو یوں بھی سید ہوئے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں: مولى القوم منهم قوم کا غلام آزاد شدہ انھیں میں سے ہے۔ اللہ تعالی سادات کرام کی سچی غلامی اور ان کے صدقے میں آفات دنیا وقبر وعذاب حشر سے کامل آزادی عطا فرمائے۔ آمین!

یوں ہی مولانا حضرت سید عباس رضوان ۔۔ مولانا سید مامون بری ۔۔ مولانا احمد جزائری ۔۔ مولانا شیخ ابراہیم خربوطی ۔۔ مفتی حنفیہ مولانا تاج الدین الیاس۔ مفتی حنفیہ سابقا مولانا عثمان بن عبد السلام داغستانی وغیرہم حضرات کے کرم بھولنے کے نہیں، ان مولانا داغستانی سے قبا شریف میں ملاقات ہوئی تھی کہ وہیں اٹھ گئے تھے، مکہ معظمہ کی طرح زیادہ اہم حسام الحرمین کی تصدیقات تھیں، جو بحمد اللہ تعالی بہت خیر وخوبی کے ساتھ ہوئیں، زیادہ زمانہ قیام انھیں میں گزر گیا کہ ہف صاحب پوری کتاب مع تقریظات مکہ معظمہ دیکھتے، اور کئی کئی روز میں تقریظ لکھ کر کر دیتے۔ مفتی شافعیہ حضرت سید احمد برزنجی نے حسام الحرمین پر چند ورق کی تقریظ لکھی، اور فرمایا کہ اس کتاب کی تائید میں اسے ہمارا مستقل رسالہ کر کے شائع کرنا، ایسا ہی کیا گیا۔

حسام الحرمین کا کام پورا ہونے کے بعد الدولۃ المکیۃ پر تقریظات کا خیال ہوا، دونوں حضرات مفتی حنفیہ نے مدینہ طیبہ اور قبا شریف میں تقریظیں تحریر فرمائیں، تیسری بار مفتی شافعیہ کی آئی، یہ آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے، یہ ٹھری کہ ان کے داماد سید عبداللہ کے مکان پر اس کتاب کے سننے کی مجلس ہو، عشا کہ وہاں اول وقت ہوتی ہے، پڑھ کر بیٹھے ہ، میں نے کتاب سنانی شروع کی، بعض جگہ مفتی صاحب کو شکوک ہوئے، میری غلطی تھی، میں نے حسب عادت جرأت کے ساتھ مسکت جواب دیئے، جو مفتی صاحب کو اپنی ع ظمت شان کے سبب ناگوار ہوئے۔ جا بجا ان کا ذکر میں نے الفیوض المکیۃ حاشیہ الدولۃ المکۃ میں کر دیا ہے۔ بارہ بجے جلسہ ختم ہوا، اور مفتی صاحب کے قلب میں ان جوابوں کا غبار رہا، مجھے بعد کو معلوم ہوا، اس وقت اگر اطلاع ہوتی میں معذرت کر لیتا، ایک رات ان کے شاگرد شیخ عبدالقادر ابلسی شلبی کہ مدرس ہیں، فقیر کے پاس آئے، اور بعض مسائل میں کچھ الجھنے لگے، حامد رضا خاں نے انھیں جواب دیئے، جن کا جواب وہ نہ دے سکے، اور وہ بھی سینہ میں غبار لے کر اٹھے، ان کا غبار مجھے معلوم ہو گیا تھا، جس کی میں نے پرواہ نہ کی، انصاف پسند تو اس کے ممنون ہوتے ہیں جو انھیں ثواب کی طرف راہ بتائے نہ یہ کہ بات سمجھ لیں جواب نہ دے سکیں اور بتانے سے رنجیدہ ہوں اور فقیر کو متواتر ناسازیوں کے بعد مکہ معظمہ میں جو کئی مہینے گذرے واللہ اعلم وہ کیا بات تھی جس نے حضرات کرام مدینہ طیبہ کو اس ذرہ بے مقدار کا مشتاق کر رکھا تھا، یہاں تک کہ مولانا کریم اللہ صاحب فرماتے تھے کہ علما تو علما اہل بازار تک کو تیرا اشتیاق تھا، اور یہ جملہ فرمایا کہ ہم سالہا سال سے سرکار میں مقیم ہیں، اطراف و آفاق سے علما آتے ہیں واللہ یہ لفظ تھا کہ جوتیاں چٹخاتے چلے جاتے ہیں، کوئی بات نہیں پوچھتا، اور تمہارے پاس علما کا یہ ہجوم ہے، میں نے عرض کی: میرے سرکار ﷺ کا کرام۔

کریماں کہ در فضل بالاترند	سگاں پروندو چناں پرورند
اپنے کرم کا جب وہ صدقہ نکالتے ہیں	ہموں کو پالتے ہیں، اور ایسا پالتے ہیں

مسجد قبا اور مزار حمزہ کی زیارت:

ایام اقامت سرکار اعظم میں صرف ایک بار مسجد قبا کو گیا، اور ایک بار زیارت حضرت سید الشہد احمزہ ؓکو حاضر ہوا، باقی سرکار اقدس ہی کی حاضری رکھی، سرکار کریم ہیں اپنے کرم سے قبول فرمائیں، اور خیرت ظاہر و باطن کے ساتھ پھر بلائیں۔ (ﷺ)

ہم کو مشکل ہے انھیں آسان ہے

مدینہ طیبہ سے رخصت:

رخصت کے وقت قافلہ کے اونٹ آ لیے ہیں، پا بر کاب ہوں، اس وقت تک علما کو اجازت نامے لکھ کر دیئے، وہ سب تو الاجازات المتینہ میں طبع ہو گئے، اور یہاں آنے کے بعد دونوں حرم محترم سے درخواستیں آیا کیں، اور اجازت نامے لکھ کر گئے یہ درج رسالہ نہیں۔ چلتے وقت حضرات مدینہ کریمہ نے بیرون شہر دور تک مشایعت فرمائی، اب مجھ میں طاقت تھی، ان کی معاودت تک میں بھی پیادہ ہی رہا۔ اونٹ جدہ کے لیے کیے تھے، اب موسم سخت گرمی کا آ گیا تھا، اور بارہ منزلیں۔ نزل پر ظہر کی نماز کہ ٹھیک زوال ہوتے ہی پڑھتا تھا، اور معاً قافلہ روانہ ہونا تھا، سر پر آفتاب اور پاؤں نیچے گرم ریت یا پتھر، اللہ تعالیٰ مولوی نذیر احمد صاحب کا بھلا کرے، فرضوں میں تو مجبور تھے کہ خود بھی شریک جماعت ہوتے، مگر جب میں سنتوں کی نیت باندھتا چھتری لے کر سایہ کرتے، جب پہلی رکعت کے سجدی میں جاتا پاؤں کے نیچے اپنا عمامہ رکھ دیتے کہ باقی رکعتوں میں پاؤں نہ جلے، ابتدا سے یوں نہ کر سکتے تھے کہ میں عمامہ رکھنا در کنار نماز میں چھتری لگانے پر بھی ہر گز راضی نہ ہوتا۔ انہوں نے اور حاجی کفایت اللہ صاحب نے اس سفر مبارک میں بلا طمع بلا معاوضہ محض اللہ و رسول (عزوجل و ﷺ) کے لیے جیسے آرام دیئے، اللہ تعالیٰ ان کا اجر عظیم دنیا و آخرت میں ان صاحبوں کو عطا فرمائے، آمین!

جدہ پہنچ کر جہاز تیار ملا بمبئی کے ٹکٹ بٹ رہے تھے، خریدے، اور روانہ ہوئے۔ جب عدن پہنچے، معلوم ہوا کہ جہاز والے نے کہ رافضی تھا دھوکا دیا، عدن پہنچ کر اعلان کیا کہ جہاز کراچی جائے گا۔ ہم لوگوں نے قصد کیا کہ اتر لیں، اور بمبئی جانے والے جہاز میں سوار ہوں، اتنے میں انگریز ڈاکٹر آیا، اور اس نے کہا: بمبئی جانے والوں کو قرنطینہ میں رہنا ہو گا۔ ہم نے کہا: اس مصیبت کو کون جھیلے، اس سے کراچی ہی بھلی، راستہ میں طوفان آیا، اور ایسا سخت کہ جہاز کا لنگر ٹوٹ گیا، سخت ہولناک آواز پیدا ہوئی مگر دعاؤں کی برکت کہ مولیٰ تعالیٰ نے ہر طرح امان رکھی۔ جب کراچی پہنچے ہیں ہمارے پاس صرف دو روپے باقی تھے، اور اس زمانے تک وہاں کسی سے تعارف نہ تھا، جہاز کنارے کے قریب ہی لگا، اور عین ساحل پر چنگی کی چوکی، جس پر انگریز یا کوئی گورا نوکر، اسباب کثیر، یہاں محصول تک دینے کو نہیں، ہر چیز کی تعلیم و دعا ارشاد فرمانے والے پر بے شمار درود و سلام، ان کی ارشاد فرمائی ہوئی دعا پڑھی، وہ گورا آیا، اور اسباب دیکھ کر بارہ آنے محصول کہا، ہم نے شکر الٰہی کیا اور بارہ آنے دے دیئے، چند منٹ بعد وہ پھر واپس آیا، اور کہا نہیں نہیں، اسباب دکھاؤ، سب صندوق وغیرہ دیکھے، اور پھر بارہ ہی آنے کہے اور رسید دے کر چلا گیا۔ اب سوا روپے باقی رہا، اس میں مجھلے بھائی

مرحوم مولوی حسن رضا خان کو تار دیا کہ دوسو روپیہ بھیجو، یہاں وہ تار مشتبہ ٹھہرا کہ بمبئی سے آتا کراچی سے کیسے آیا؟ بارے روپے پہنچ گئے، بمبئی کے احباب وہاں لے جانے پر مصر ہوئے، وہاں جانا پڑا۔ مولوی حکیم عبدالرحیم صاحب وغیرہ احباب احمد آباد کو اطلاع ہوئی، آدمی بھیجے، باصرار احمد آباد لے گئے۔ سواریوں کو بمبئی سے محمد رضا خاں وحامد رضا خاں کے ساتھ روانہ کر دیا تھا، میں ہندوستان میں اترنے سے ایک مہینہ بعد مکان پر پہنچا۔

جبل پور کا پہلا سفر:

ربیع الاول شریف ۱۳۲۳ھ میں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ دوسرے سفر حج وزیارت سے واپسی پر بمبئی رونق افروز ہوئے۔ حضرت عید الاسلام مولانا شاہ عبدالسلام صاحب جبل پوری بھی زیارت کے لیے بمبئی تشریف لے گئے اور دیرینہ نیاز مندی کی وجہ سے جبل پور میں رونق افروزی کی دعوت دی۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے فرمایا: ابھی تو سرکار اجمیر مقدس کی حاضری کا شرف حاصل کرنا ہے، آئندہ موقع نکال کر ضرور آنے کی کوشش کروں گا۔
۱۳۲۶ھ میں اعلیٰ حضرت کے برادر اوسط حضرت مولانا حسن رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ سفر حج وزیارت سے واپس آئے تو اعلیٰ حضرت قبلہ نے ان کے استقبال کا ارادہ فرمایا، اور حضرت مولانا عبدالسلام صاحب کو کرامت نامہ تحریر فرمایا کہ میں حسن میاں کے استقبال کے لیے بمبئی کے لیے عزم کر چکا ہوں، اگر تاریخ سے آگاہی ہوگئی اور وقت ملا تو دو ایک روز جناب کی زیارت سے مشرف ہو کر بمبئی جاؤں گا۔
حضرت مولانا حسن رضا خاں صاحب کے خط سے آپ کی آمد کی تاریخ معلوم ہوگئی تو حضور حسب الارشاد جبل پور رونق افروز ہوئے، اور چار دن قیام فرمایا۔ اسی موقع پر حضرت مولانا کی اہلیہ محترمہ اور دوسرے اعزہ داخل سلسلہ ہوئے۔

جبل پور کا دوسرا سفر:

سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ حضرت مولانا عبدالباقی برہان الحق صاحب قادری رضوی جبل پوری اپنے والد ماجد عید الاسلام حضرت مولانا عبدالسلام صاحب علیہ الرحمۃ کا دعوت نامہ لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے، بعد ملاحظہ حضور نے فرمایا: مولانا کے بیحد کلمات رواضع نے پہلو عذر کا چھوڑا ہی نہیں، اگر بالفرض کسی کے لبوں پر بھی دم ہو وہ بھی انکار نہیں کر سکتا، ان کلمات کو سن کر یہی کہے گا کہ میں حاضر ہوں۔ اور وعدہ فرمالیا اور سفر کی تیاریاں ہونے لگیں۔
حضرت مولانا برہان الحق صاحب نے دریافت کیا کہ حضور کے ساتھ کون کون تشریف لے جائیں گے؟ فرمایا: مولانا! مجھے تو صرف دو آدمیوں کی ضرورت پڑے گی، ایک حاجی کفایت اللہ صاحب کی، اور دوسرے افتا کے کام کے لیے مولوی شفیع احمد خاں صاحب بیسلپوری کافی ہیں وہ خاموش ہوگئے۔ حضور نے فرمایا: یہ تو آپ کی مرضی پر ہے، آپ اور جسے چاہیں لے چلیں، مجھ سے نہ پوچھیے، مجھے جن کی ضرورت تھی آپ سے کہہ دیا۔
چنانچہ مولانا نے دو صاحب تو یہی جنہیں حضور نے فرمایا تھا، اور تیسرے خلف اصغر حضرت مولانا مصطفےٰ رضا خاں صاحب مفتی اعظم، اور چوتھے مولانا حسنین رضا خاں صاحب، برادر زادہ اعلیٰ حضرت منتخب کیے اب مجھے اور برادرم قناعت علی کو نہایت بے کلی ہوئی کہ کسی طرح ہم لوگوں کا بھی ساتھ میں جانا ہو جاتا، اس کے متمنی نہیں تھے کہ کوئی ہمارے مصارف سفر کا متحمل ہو۔ میں نے خلف اصغر حضرت مولانا مصطفےٰ رضا خاں مفتی اعظم سے اپنی اور برادرم قناعت علی کی خواہش کا اظہار کیا، انہوں نے اعلیٰ حضرت سے کہہ کر ہم لوگوں کو بھی ساتھ چلنے کی اجازت دلا دی۔
بعد نماز ظہر مولانا برہان الحق صاحب نے حضور سے دوسرے روز علی الصباح پنجاب میل سے روانگی کا ارادہ ظاہر کیا، اور سکنڈ کلاس کا ڈبہ رزروڈ کر لیا، ہم لوگوں نے تیسرے درجے کے ٹکٹ لیے۔ مولانا نے یہ طے کیا کہ صبح چار بجے سب حضرات کے علاوہ اعلیٰ حضرت قبلہ کے، مع سامان اسٹیشن روانہ ہو جانا چاہیے۔ لہٰذا ہم لوگ نماز عشاء پڑھ کر اپنے اپنے گھر رخصت ہونے اور سامان ضروری لینے کے لیے چلے گئے، اور تقریباً ڈیڑھ بجے شب کے پھاٹک میں آگئے، پھر ہم لوگ چار بجے سامان وغیرہ کے ساتھ اسٹیشن پہنچ گئے، اور سوا پانچ بجے پنجاب میل آگیا، مگر حضور اس وقت اس وقت تک تشریف نہیں لائے۔ برہان میاں اور سب لوگ ٹکٹکی لگائے شہر سے آنے والے مسافروں کو دیکھ رہے تھے۔ شدید انتظار کے بعد دور سے ایک یکہ جس کا جانور بھی خیر سے نہایت سست رفتار تھا، نظر پڑا۔ دیکھا کہ حضور اس میں تنہا تشریف لا رہے ہیں، اور جیسے ہی اسٹیشن پر آئے حاجی صاحب سے فرمایا: مصلی بچھائیے میں نماز پڑھوں گا۔ چنانچہ فوراً ایک گوشہ میں مصلی بچھایا گیا اور حضور نے نیت باندھ لی کہ اتنے میں انجن نے سیٹی دی، سب لوگ یہ سمجھے کہ بس اب گاڑی چھوٹنے والی ہے۔ برہان میاں نے جلدی جلدی کچھ ساتھ جانے والوں کو گاڑی میں بٹھا دیا، مگر ہم لوگ حضور کے پاس ہی کھڑے رہے اور یہ دیکھتے رہے کہ حضور کو نماز میں کچھ اضطراب ہوتا ہے یا نہیں۔ لیکن واللہ العظیم ابتدا سے آخر تک حسب عادت کریمہ اسی اطمینان اور خشوع خضوع سے نماز ادا فرمائی، اور یہی نہیں بلکہ وہ وظیفہ جو بغیر پہلو تبدیل کیے بعد نماز فجر پڑھا کا تھا، اسی اطمینان سے ختم کیا، برہان میاں حضور کے فارغ ہونے کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے، اب جلدی سے عرض کیا: حضور گاڑی چھوٹنے والی ہے، تشریف لے چلیں، اور باقی وظیفہ گاڑی میں پڑھ لیں۔ فرمایا: اچھا چلیے۔ پھر فرمایا: عجیب بیہودہ سواری ہے، اور گاڑی میں بیٹھ گئے، عوام جلد جلد دست بوسی اور مصافحہ کرنے لگے، اور اسی

میں سلسلہ بیعت شروع ہوگیا، اور گروہ کے گروہ مرید ہونے لگے۔ چونکہ فقیر نے رجسٹر مریدین اور شجرہ شریف ساتھ لے لیا تھا کہ یہ خدمت میرے ہی سپرد تھی، لہٰذا جو صاحب مرید ہوتے جاتے تھے، شجرہ شریف بعد اندراج نام درج رجسٹر فقیر دیتا جاتا تھا۔ اس سلسلہ کو بھی بہت دیر ہوگئی، مگر گاڑی جب بھی نہ چھوٹی۔ یہاں تک کہ آفتاب خوب بلند ہوگیا۔ بعض حضرات نے اسٹیشن ماسٹر سے جاکر سبب دریافت کیا، معلوم ہوا کہ لائن صاف نہیں ہے۔ حضور نے فرمایا: برہان میاں کہاں ہیں؟ جو کہہ رہے تھے کہ گاڑی چھوٹنے والی ہے، غرض گاڑی بدستور کھڑی ہے، اور لوگ جوق در جوق آرہے ہیں، اور مرید ہوتے جارہے ہیں۔

اسی ہجوم میں حضور کے پوتے جیلانی میاں کھڑکی کے پاس آئے، اور حضور کی دست بوسی کی۔ انہیں معمولی لباس میں دیکھ کر فرمایا: کیا تم نہیں چلو گے؟ انہوں نے عرض کیا: جیسا حکم فرمائیں، مگر میں تو یونہیں کرتہ پہنے ہوئے چلا آیا ہوں، کپڑے مکان پر ہیں۔ فرمایا: کوئی حرج نہیں، اور حاجی صاحب سے ارشاد فرمایا کہ تانگہ میں بیٹھ کر مکان چلے جاؤ، اور جیلانی کے کپڑے لے آؤ۔ تقریباً ایک گھنٹہ میں وہ کپڑے لے کر واپس آگئے۔

بڑے مولانا صاحب (حضور کے خلف اکبر حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب) مصافحہ کرکے دست بوس ہوئے، حضور نے ان سے بھی یہی سوال فرمایا کہ کیا تم نہیں چل رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: مجھ سے کسی نے چلنے کو کہا نہیں۔ ارشاد فرمایا: میں تم سے کہتا ہوں چلو۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں تو حضور کو رخصت کرنے اسی کرتہ میں چلا آیا تھا۔ فرمایا: کچھ حرج نہیں، وہیں چل کر کپڑے سل جائیں گے، بیٹھ جاؤ۔ برہان میاں صاحب نے جلدی سے ٹکٹ سکنڈ کلاس کے خرید لیا۔ اس وقت اسٹیشن سے معلوم ہوا کہ کسی اسٹیشن پر گاڑی کا پہیہ لائن سے اتر گیا جس کے باعث لائن خراب ہوگئی، اس کے درست اور صاف کرنے میں اتنی دیر ہوگئی، اب عنقریب ٹرین چھوڑنے والا ہوں۔ غرض یہ مبارک سفر ۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۷ھ روز شنبہ کو ہوا، اور دس بجے ان کی گاڑی روانہ ہوئی۔

ایک بات آج تک سمجھ میں نہ آئی یعنی بریلی سے جبل پور تک اکثر اسٹیشنوں پر مسلمانوں کی جماعت کو حضرت کا منتظر پانا۔ نہ معلوم کس طرح بجلی کی طرح تمام جگہ خبر پھیل گئی تھی کہ حضور فلاں ٹرین سے تشریف لارہے ہیں لکھنؤ اسٹیشن پر حضرت سلطان الواعظین مولوی حاجی محمد عبدالاحد صاحب قادری رضوی کو دیکھا۔ ان سے حضور نے فرمایا: مولانا! آپ تو ابھی یہیں موجود ہیں۔ انہوں نے نیچی نظروں سے عرض کیا کہ حضور کا والا نامہ ملتے ہی میں پہلی بعیت سے حساب لگا کر چلا تھا کہ ایک روز پہلے جبل پور جاؤں گا لیکن لکھنؤ آکر گاڑی چھوٹ گئی مگر قصداً کہ دل نے یہی کہا کہ حضور کے ساتھ جاؤں گا، حضور مسکرا کر خاموش ہوگئے، یہاں بھی اکثر حضرات داخل سلسلہ ہوئے، میرے خیال میں شاذ و نادر ایسے اسٹیشن گزرے ہوں گے، جن پر کوئی مرید نہیں ہوا ہو، ورنہ تقریباً ہر اسٹیشن پر عوام حلقہ بگوش ہوئے، بلکہ بعض اسٹیشنوں پر گاڑی چل دی اور لوگ دوڑ دوڑ کر عرض کرتے جاتے حضور! ہم بھی مرید ہونا چاہتے ہیں، اور حضرت فرماتے جاتے کہ میں نے غوث پاک کی غلامی میں آپ حضرات کو قبول کیا، اور فرماتے کہ شجرہ واپسی میں ملے گا، یا ڈاک سے منگا لیجیے گا پھر گاڑی پرتاب گڑھ پہنچی، وہاں سکنڈ کلاس کا ڈبہ میل سے کاٹ کر الہ آباد والی ریل میں لگا دیا گیا، ریل ساڑھے تین بجے الہ آباد پہنچی، وہاں بھی مسلمانوں کے گروہ جوق در جوق آئے اور دست بوس ہونے لگے، مغرب کے بعد ساڑھے سات بجے ریل الہ آباد سے روانہ ہوئی اور قریب چار بجے شب کٹنی اسٹیشن آیا، یہاں حاجی عبدالرزاق صاحب قادری رضوی حضور کے خلیفہ کثیر جماعت کے ساتھ موجود تھے، اور خود حضرت عبدالاسلام مولانا عبدالاسلام جبل پوری بھی اہالیان جبل پور سے ایک بہت بڑی جماعت کے ساتھ خیر مقدم کے لیے تشریف لائے تھے۔ یہاں سے ہر دو جماعت کے افراد کے ساتھ ہولیے۔ سپیدہ سحر نمودار ہوچکا تھا، ایک چھوٹے اسٹیشن پر جس پر ٹرین صرف دو منٹ ٹھرتی تھی، سب لوگ فریضہ فجر ادا کرنے کے لیے پلیٹ فارم پر اتر پڑے، بعض کو چلتی گاڑی میں وضو کرنے کا موقع مل گیا تھا، اور اکثر نے اسٹیشن پر اتر کر وضو کیا، جبل پوری حضرات، کوری مارکین کے تھان اپنے ہمراہ لیتے آئے تھے جو طویل رقبہ بچھائے گئے تھے، ان پر دور تک مسلمانوں نے صف بندی کی، حضور نے امامت فرمائی۔ بعد سلام، طویل دعا کے بعد حسب معمول بغیر پہلو بدلے وظیفہ پڑھا، اور سب حضرات بھی اپنے اپنے اوراد و وظائف پڑھتے رہے، جو لوگ قریب تھے، انہوں نے مصافحے اور دست بوسی کی اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔ نصف گھنٹے سے زائد ہی ٹرین کھڑی رہی، اسٹیشن ماسٹر کا برہان میاں نے شکریہ ادا کیا، اور فرمایا کہ اب گاڑی چھوڑ دیجیے۔ اسٹیشن ماسٹر نے کہا: مولانا! یہ آپ کیا فرمارہے ہیں؟ اگر آپ فرمائیں تو اور روک سکتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا: نہیں، اب کوئی ضرورت نہیں، آپ کی عنایت ہے۔ سب حضرات اطمینان سے بیٹھ گئے، اسٹیشن ماسٹر نے سلام کیا، اور سبز جھنڈی کو حرکت ہوئی گارڈ نے بریک کھول دیا اور ڈرائیور نے وقت پورا کرنے کے لیے پوری اسٹیم سے ڈاک گاڑی چھوڑ دی۔

اہالیان جبل پور نے، جب حضور وظائف سے فارغ ہوئے بڑے پیمانہ پر چلتی گاڑی میں سب کو ناشتہ کھلایا۔ دس بجے دن کے ٹرین اسٹیشن جبل پور پہنچی۔ اہل جبل پور کے ہجوم کا یہ عالم تھا کہ جس طرف نظر پڑتی تھی آدمی ہی آدمی نظر آرہا تھا، تمام پلیٹ فارم اور پل اور پلیٹ فارم کے بالمقابل لین کے کنارے، اور مسافر خانے اور بیرون اسٹیشن کھچا کھچ بھرا تھا۔ گاڑی پہنچتے ہی چاروں طرف سے نعرہ تکبیر و رسالت سے سارا اسٹیشن گونج گیا۔ پولیس کے جوان اور انسپکٹر ان وغیرہ اگرچہ کافی تعداد میں موجود تھے، وہ ہر چند کوشش کررہے تھے کہ حلقہ باندھ کر مسافروں کو باہر اسٹیشن کے لے چلیں، مگر مجمع کسی طرح قابو میں نہ آتا تھا نہ آیا۔ بالآخر عاجز آکر علیحدہ کھڑے ہوگئے، اور حضرت مولانا عبدالسلام صاحب قبلہ اور برہان میاں سے

عرض کیا کہ اب آپ ہی اپنے مہمانوں کو سہولت پہنچائیں گے، ہمارے قابو سے باہر ہے۔

بڑی مشکل سے سکنڈ کلاس کے آگے سے ہجوم کو قدرے ہٹایا گیا، اوراس قدر گل ریزی ہوئی کہ تمام درجہ میں پھول ہی پھول نظر آرہے تھے، بڑے بڑے ٹوکروں میں گلاب کے پھولوں کے موٹے موٹے گجرے اور پھولوں کے گل دستے بھرے ہوئے آئے تھے، جو ہر ایک کے گلے میں بکثرت ڈالے گئے، اور دونوں ہاتھوں میں ایک ایک گلدستہ دے کر پلیٹ فارم پر سب کو اتار کر دو بڑے حلقے میں لے کر نعرہ لگارے ہوئے پھاٹک پہنچے، تو اسے مقفل پایا، اسٹیشن ماسٹر نے قصداً بند کیا تھا کہ حیلہ سے مولانا عبدالسلام کے پیر کو اچھی طرح دیکھ سکوں گا۔ چنانچہ فوراً آکر قفل کھول گیا۔

باہر اسٹیشن کے بکثرت موٹر، فٹنین اور سیکڑوں تانگے کھڑے ہوئے ہیں، ایک بہترین موٹر جو ہار پھولوں سے مزین کیا گیا تھا حضور کے لیے لایا گیا۔ حضور اور حضرت مولانا شاہ عبدالسلام صاحب اور حضور کے دنوں شاہزادگان سوار ہوئے۔ اس موٹر کے پیچھے دوسرے موٹر میں دیگر لواحقین اور فٹنوں تانگوں میں متوسلین اور معتقدین بیٹھے۔ ان کے علاوہ دورویہ سلسلہ عوام کا تھا جو پیدل ہمراہ تھے، یہ جلوس میری نگاہ میں ایک میل سے کسی طرح کم نہ ہوگا۔ تھوڑے تھوڑے فصل سے سڑک پر نہایت ہی شاندار سبزی کے پھاٹک لگائے گئے تھے، چند سرخ ٹول میں جلی قلم سے سنہری حروف سے اسی پر لکھا تھا: السلام علیہم یا امام اہل السنۃ کسی پر تحریر تھا: السلام علیکم یا مجدد مأۃ حاضرہ یورپین انگریز اور ان کی میمیں اور بچے اپنے بنگلوں سے باہر آکر کھڑے ہوکے، جابجا عوام اور مستورات مکانات کی چھتوں پر، دوکاندار اپنی اپنی دوکانوں سے نیچے اتر کر پرے جمائے دست بستہ ٹکٹکی لگائے اس شاندار جلوس کو دیکھ رہے تھے، بازار کی خرید وفروخت کاروبار مطلقاً موقوف، ہر ایک اس پر فضا منظر کو مشتاق نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

الغرض جلوس بڑی آن بان کے ساتھ خراماں خراماں کئی گھنٹے میں حضرت مولانا عبدالسلام صاحب جبل پوری کے کاشانہ اقدس پر رونق افروز ہوا، وہاں مکان کی زیب وزینت اور آئینہ بندی قابل دید تھی، اندرونی وبیرونی تمام حصوں میں ترکی قالینیں بچھائی گئی تھیں، در ودیوار سب بیش قیمت کپڑوں سے سجادیے گئے تھے۔ اعلیٰ حضرت کے تشریف رکھتے پر منقبت خوانی کا سلسلہ شروع ہوا اور دیر تک مختلف حضرات کی جانب سے منونامی نعت خواں نے نہایت ہی خوش الحانی کے ساتھ پر کیف مناقب پڑھے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ حرمین طیبین میں جیسا اس فقیر کو نوازا اس کے بعد نمبر ہے تو آپ حضرات کا، بعدہٗ جلسہ برخواست ہوا۔

مغرب کی نماز کے وقت جامع مسجد جو حضرت مولانا کے مکان سے قریب ہے جونہی حضرت نے فرش مسجد پر قدم رکھا، فرمایا: اس مسجد کی سمت قبلہ صحیح نہیں ہے لہٰذا صفوف وتر آقائم ہو پانچوں وقت کی نماز باجماعت حضور اسی مسجد میں پڑھا کرتے، اور دن میں تحریری کام جو ان کی غذائے روحی تھا کرتے رہتے، البتہ مابین عصر ومغرب نہ تحریر کرتے، نہ کتب بینی کرتے۔ یہ نہ صرف یہاں بلکہ ہمیشہ کا معمول تھا، اور بسا اوقات فرماتے کہ اس وقت لکھنے پڑھنے کا کام نہیں کرنا چاہئے، بینائی کم ہوتی ہے۔ اعلیٰ حضرت سے ملاقات کے وقت مقرر تھے صبح ۸ بجے سے ۱۱ بجے تک اور سہ پہر کو بعد نماز ظہر سے عصر تک اور بعد عشا بھی کافی وقت دیا جاتا تھا۔ عصر کے بعد کا وقت خالی تھا لہٰذا طے پایا کہ بعد نماز عصر حضور کو شہر سے باہر بغرض تفریح دماغ لے جایا کریں گے، جسے حضور نے ان لوگوں کی دل کشی کا خیال فرماتے ہوئے منظور فرمالیا، چنانچہ روزانہ بعد نماز عصر دروازہ مسجد پر موٹر مع فٹنین تانگے تیار رہا کرتے، نماز مغرب بیرون شہر میدان میں اکثر ہوا کرتی۔ ایک مرتبہ جماعت قائم ہو رہی تھی کہ ہمراہیان میں سے کسی نے کسی راہگیر کو سامنے سے گزرنے کو منع کیا، آپ نے فرمایا: کیوں روکتے ہو؟ جانے دو، کوئی حرج نہیں۔ جنگل یا مسجد کبیر میں سامنے سے گزر سکتے ہیں۔ پھر فرمایا: مسجد کبیر کوئی مسجد نہیں، بجز مسجد خوارزم کے کہ جس کا مربع چالیس ہزار ستون پر ہے، ان مساجد میں دیوار قبلہ تک سامنے سے نہیں گزر سکتے۔

قدرتی مناظر کی دید:

ایک روز قرار پایا کہ کچھ قدرتی مناظر دکھانا چاہیے، چنانچہ بھیرا گھاٹ جسے دھواں دھار بھی کہتے ہیں، اور جو دس بارہ میل کے فاصلے پر تھا علی الصباح چلنا تجویز کیا۔ لہٰذا ناشتہ کرنے کے بعد ہی موٹر وغیرہ آگئے ہم سب لوگ حضور کے ساتھ روانہ ہوئے، ابھی وہ مقام تقریباً پانچ چھ میل تھا کہ ایسی آواز سنائی دی جیسے بڑے زور میں ریل گاڑی آرہی ہے۔ مقامی حضرات سے معلوم ہوا کہ ریل کی آواز نہیں ہے بلکہ دھواں دھار کی آواز ہے، جو دم بدم مہیب ہوتی جاتی تھی۔ الحاصل قریب دو پہر کے ایک ڈاک بنگلہ میں حضور کو مع ہمراہیان ٹھہرایا گیا، اور چونکہ رات ہی میں جملہ سامان رسد وغیرہ مع باورچی یہاں پہنچ گیا تھا، لہٰذا تھوڑی دیر میں دستر خوان بچھایا گیا اور پر تکلف طعام چنے گئے۔ بعد فراغت حضور نے قدرے آرام کیا۔ باہر ڈاک بنگلہ کے ایک صاحب خوش نما پتھر کی کچھ چیزیں فروخت کر رہے تھے جن میں کچھ پتھر کے ٹکڑے بھی تھے، جن میں رنگ برنگ قدرتی نقش ونگار قابل دید تھے، ہم لوگوں کو اس کی قدرتی صنعت پر تعجب ہو رہا تھا، اور خداوند عالم کی شان خالقیت کے جلوے نظر آرہے تھے۔

اب دھواں دھار چلنے کی رائے قرار پائی، حضور کی سہولت وآرام کی خاطر ایک ڈولی بنا کر اس میں حضور کو بٹھا دیا گیا، اور دھواں دھار کی طرف لے چلے، کچھ دور پہنچنے کے بعد دریائے نربدا بہتا نظر آیا، جس کا نصف پاٹ تو ایسا تھا کہ پہاڑ کے پتھر جس پر بہاؤ تھا قریب قریب ابھرے ہوئے تھے، جن پر ہم لوگ پاؤں رکھتے ہوئے حضور کی ڈولی کے ساتھ ساتھ بے تکلف چلے گئے۔ اب آگے پتھر نمایاں نہ تھے، بلکہ پانی ہی پانی نظر آ رہا تھا، کئی سو فٹ نیچے ایک پہاڑی کے درہ میں گر رہا تھا، گرتے وقت مثل دودھ کے پانی سفید ہو جاتا تھا، درہ میں تپ کھا کر دھوئیں کی شکل میں اٹھ رہا تھا۔

ناظرین کرام خیال فرما سکتے ہیں کہ ایک پورا دریا ایک دم بلندی سے نیچے گرے کس قدر خوفناک آواز پیدا ہوگی۔ یہی وجہ تھی کہ میلوں دور اس گراؤ کی آواز پہنچ رہی تھی۔ یہاں سے واپس آکر حضور نے ڈاک بنگلہ میں آرام فرمایا بعدہ نماز ظہر ہوئی۔ اس کے بعد عبدالکریم پہلوان قادری رضوی نے حضور سے عرض کیا: میں کچھ ورزش دکھانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ باہر میدان میں سب حضرات جمع ہو گئے، حضور بھی ایک کرسی پر تشریف فرما ہوئے۔ پہلوان صاحب موصوف نے وہیں پہاڑ کی گھاٹی سے ایک پتھر تقریباً ڈیڑھ فٹ لمبا اور ۱/۲ ۱۳ انچ موٹا اٹھا کر اپنے داہنے ہاتھ کی کلائی سے دوسری ضرب میں بال ڈال دیا، اور تیسری ضرب میں دو ٹکڑے کر دیا۔ پھر ایک بہت بڑا پتھر جو ۱/۲ ۶ من سے وزن میں کم نہ ہوگا، اشاہ کر کے کہا کہ اس پتھر کو میرے پاس لے آؤ۔ لہٰذا کچھ مضبوط آدمی بڑی مشکل سے ڈھکیلتے ہوئے قریب لائے، پہلوان چت لیٹ گئے، لوگوں نے بکوشش کچھ پتھر اوپر پہنچایا اور کچھ پہلوان صاحب ان کوشش کر کے سینہ پر لادلیا اور حیرت کی بات یہ ہوئی کہ باوجودے کہ وزنی پتھر سینہ پر تھا مگر کلام کرتے جاتے تھے، چنانچہ پتھر کو اوپر رکھ لیا تھا کہنے لگے، اب اس پتھر پر جو آدمی آسکیں کھڑے ہو کر خوب کودیں۔ اس پر حضور نے ارشاد فرمایا: بھائی عبدالکریم! اس پتھر ہی کا وزن کیا کم جو اور آدمیوں کو سوار کرنا چاہتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا: حضور ملاحظہ تو فرمائیں، کوئی حرج نہیں۔ لہٰذا ایک صاحب پتھر پر کھڑے ہو کر کودنے لگے، اس کے بعد پہلو کی طرف سے لوگوں کو بٹھا کر ایک اشارہ میں پتھر کو سینے سے جدا کر دیا، سامنے لمبی بیل گاڑی خالی کھڑی تھی جس پر شہر سے سامان آیا تھا، بایمائے پہلوان صاحب لوگ اسے کھینچ لائے، پہلوان صاحب نے فرمایا: اس میں جتنے حضرات آسکیں بھر جائیں، بقیہ لوگ کھینچیں، اور میرے اوپر سے اتار دیں غرض آدمیوں سے بھری ہوئی گاڑی کا ایک پہیہ اپنی رانوں پر سے اور دوسرا شانوں پر سے لیٹ کر اترا دیا، بعدہ حضور نے بطور انعام کچھ رقم عطا فرمائی۔

اس کے بعد وہیں قریب میں ایک پہاڑی پر جانے اتفاق ہوا، جس پر پہنچنے کے لیے ۵۰۰ سیڑھی پتھر تھیں، اس مقام کا نام چونسٹھ جگنی تھا یعنی وہاں وہ بت محفوظ تھے جنہیں شہنشاہ دین پرور حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے توڑا تھا، پہلی سیڑھی کے پاس دو ستون پھاٹک کے قائم تھے، ان میں سے ایک پر ایک ٹین بورڈ گورنمنٹ کی جانب سے لگا ہوا تھا، جس میں بخط اردو انگریزی یہ ہدایت لکھی ہوئی کہ کوئی ان بتوں کی مرمت نہ کرے۔ حضور نے اس نوٹس کو پڑھا، اور مسکرا کر فرمایا: جن کی حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مرمت کی ہو، ان کی مرمت کون کر سکتا ہے؟ اوپر گھاٹی کے جا کر دیکھا کہ بیچ میں ایک مندر ہے اور چاروں طرف احاطہ میں بڑے بڑے بت رکھے ہیں جو تعداد میں ۸۴ ہیں، مگر کوئی سالم نہیں کسی کی پیشانی کٹی، کسی کا ناک، کسی کا بازو، حضور نے اور تمام ہمراہیان نے بآواز بلند پڑھا:

اشھد الا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ الٰھا واحدالا نعبد الا ایاہ

اسی نواح میں ایک گھاٹی پر راستہ میں ایک پتھر یا چھوٹی سی بشکل بت پڑی تھی مگر سالم وہ بھی نہ تھی، جس سے پتہ چلتا ہے کہ جس وقت حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بت شکنی فرمائی ہے تو اس میں فرشتوں کا بھی ہاتھ تھا، ورنہ کوئی بت تو سالم دکھائی دیتا۔

بعد نماز ظہر کشتی میں سب لوگ سوار ہوئے، اور اس بحری درہ میں جس کے دونوں جانب سنگ مرمر کی سربفلک چٹانیں کھڑی ہیں، اور قدرتی عجائبات قابل دید تھے کسی جگہ چاند کی شکل بن گئی، ایک جگہ پہاڑ کے اوپر بجنسہٖ ہی معلوم ہوتا تھا کہ کوئی سیاہ فام شخص برہنہ سر سفید کرتا پہنے کنارہ پر بیٹھا ہے، حضور نے ان پہاڑوں کو دیکھ کر فرمایا کہ ایک صاحب مسجد میں آتے وقت طاق میں جو ڈھیلے رکھے تھے، انہیں شاہد بنا لیا کرتے تھے، یعنی کلمہ شہادت پڑھ لیا کرتے تے۔ بعد انتقال کسی نے خواب میں پوچھا: تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ کہنے لگے مجھے حکم دوزخ کا ہوا، فرشتے دوزخ کی طرف لے چلے مگر جس دروازہ پہنچتے ہیں اس کے سامنے ایک پہاڑ حائل ہے، فرشتوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا: اے ہمارے رب! یہ پہاڑ کیسے ہیں، ارشاد باری ہوتا ہے، اے میرے فرشتو! یہ پہاڑ ان ڈھیلوں کے ہیں جنہیں یہ میرا بندہ شاہد بنا لیا کرتا تھا، اب اسے لے جاؤ میری رحمت سے جنت میں۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا کہ جب ڈھیلے پہاڑ ہو گئے تو یہ پہاڑ ہیں کیوں نہ شاہد بنا لیا جائے، لہٰذا حضور کے ساتھ سب نے بآواز بلند بار بار کلمہ شہادت **اشھد الا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ الٰھا واحدالا نعبد الا ایاہ** پڑھنا شروع کر دیا، جس سے وہ پہاڑ گونج گئے، بعدہ حضور نے فرمایا: اب سے پہلے تقریباً بارہ سال ہوئے کہ میں نے اس درہ میں ایک فقیر صاحب کو ایک جھونپڑی میں دیکھا تھا، غرض کشتی آگے بڑھی دور سے دیکھا کہ جھونپڑی کے آثار پائے جاتے ہیں فقیر صاحب کا پتہ نہ تھا اور وہیں دیکھا کہ پانی پر دہ تک سیاہ کائی سی جمی تھی، ملاحوں نے فوراً کشتی روکی اور گھبرا کر کہا کہ کوئی بیڑی پینے کے لیے دیا سلائی نہ جلائیں کہ شہد کی مکھی پانی پی رہی ہے، خیریت گزری کہ ابھی کشتی کی رفتار سے پانی کی لہر وہاں تک پہنچنے نہیں پائی ہے اور نہایت تیزی کے ساتھ کشتی کا رخ پھیر کر گھاٹ پر آ کر دم لیا، اور کہنے لگے کہ یہ حضور کے قدموں

کی برکت تھی کہ سلامتی کے ساتھ واپس آگئے ورنہ ایک بھی نہ بچتا اگر وہ خبردار ہو کر پلٹ جاتی۔ سب نے مغرب کی نماز پڑھی اور خدا کا شکر ادا کیا اور شہر کو واپس آگئے۔

دعوتوں کا سلسلہ:

جبل پور ۲۸ یوم حضور کا قیام رہا، اور اسی عرصہ میں قریب قریب روزانہ کبھی ایک وقت اور کبھی دونوں وقت شہروں میں دعوتوں کا سلسلہ رہا، اور دعوتوں میں صرف ہم ہی لوگ مدعو نہ ہوتے تھے بلکہ مقامی حضرات بھی شریف ہوتے تھے اور اس بڑی جماعت کے خانے کا اہتمام ہوجاتا تھا یہاں ہر دعوت میں یہ دستور تھا کہ بعد فراغ طعام حاضرین کو معطر کر کے ایک گجرا پھولوں کا ضرور ڈالا جاتا تھا، چونکہ حضور حضرت مولانا عبدالسلام صاحب قبلہ مدظلہ العالی کے مہمان تھے اس لیے ہر میزبان کی دعوت بمنظوری حضرت ممدوح مقرر ہوتی تھی بعد دعوتوں میں ہمراہیان حضور کو بھی حضور کے ساتھ بیش بہا عمامے نذر کیے گئے، بکری سیٹھ عبدالکریم صاحب قادری رضوی عرف بکی سیٹھ صاحب نے جنہوں نے حضور کی تشریف آوری جبل پور میں بڑا حصہ لیا تھا بڑے پیانہ پر دعوت کا اہتمام کیا دعوت کی جگہ خاص طور پر ایک لمبے کمرے کی صورت میں تھی جس کے طول میں ہر دو جانب برابر دروازے تھے، اس دعوت میں گرچہ معمول سے کہیں زائد اجتماع تھا مگر کمرہ اتنا وسیع تھا کہ بیک وقت سب حضرات کے روبرو دسترخوان بچھ گیا، اور ایک ساتھ ہی سب کے ہاتھ دھل گئے کہ ہر در میں آفتابے ہر ایک کے سامنے آگئے، اور یوں ہی بیک وقت کھانا روبرو اتار دیا گیا، میں نے جملہ اقسام کا شمار کیا تو ۴۸ قسمیں تھیں، جب سب حضرات کھا چکے، آن واحد میں جملہ ظروف اور دسترخوان اٹھ گئے، میں نے سیٹھ صاحب سے آہستہ سے کان میں کہا کہ سیٹھ صاحب! یہ دعوت کی، یا بائسکوپ کا تماشا دکھایا، وہ مسکرا کر خاموش ہو گئے۔

سیٹھ داد بھائی سلامی نے بھی زبردست دعوت کی، یعنی پلاؤ روغن بادام میں پکوایا تھا۔ سید عبدالکبیر صاحب قادری رضوی نے دعوت کی، اور سب کو لسٹری قیمتی عمامے تقسیم کیے خود حضرت مولانا عبدالسلام صاحب قبلہ مدظلہم القدس کے یہاں تو مستقل مہمان ہی تھے، پھر بھی مخصوص طور پر دعوت فرمائی، اور نہایت خوبصورت سچے پلووں کے عمامہ تقسیم کیے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا ممدوح نے حق میزبانی پورا پورا ادا فرمایا، جس جگہ بالا خانہ پر حضور کا قیام تھا، ایک صاحب مولانا کے مریدین خاص سے بروقت اس کام پر متعین تھے کہ پان بناتے، چنانچہ ہم لوگوں کی ڈبیہ پانوں سے خالی نہیں رہتی تھی، اگر پان دیر کے بنے ہوئے ہوتے تو انہیں تبدیل کرتے رہتے، نیز حاضر ہونے والے حضرات کی خدمات میں بلا تاخیر پانوں کی تھالی پیش کرتے، دوسرے صاحب کی تحویل میں متفرقات تھی یعنی سوڈے کی بوتلیں، برف، بیڑی، سگریٹ، دیا سلائی، کارڈ لفافہ ٹکٹ ڈاک سادہ لفافہ کاغذ پینسل وغیرہ ان کا فرض منصبی تھا کہ مہمان سے دن سے تین چار مرتبہ دریافت کرلیا کرتے، حجام روزانہ صبح کے وقت خط بنوانے کے لیے ہر ایک سے دریافت کر جاتا، کثیف کپڑے دھلنے کے واسطے کے لیے جاتے تھے۔

ٹیلر ماسٹر حیدر صاحب قادری رضوی جن کی مشہور و معروف دکان صدر بازار کی ایک شاندار کوٹھی میں تھی، اس کے متمنی تھے کہ حضور کی دعوت میں بھی کرتا، مگر جب جس تاریخ کی دعوت کی درخواست کرتے، وہ تاریخ خالی نہ پاتے، مجبوراً مضمحل ہو کر واپس چلے جاتے، ایک روز پھر ایسا اتفاق ہوا کہ انہوں نے درخواست کی مگر میر عبدالکبیر صاحب کی یہاں کی دعوت کے باعث جو صدر ہی میں تھی مسترد کر دی گئی تو انہوں نے دست بستہ عرض کیا کہ اچھا میرے یہاں اسی روز چائے کی دعوت منظور فرمائی جائے، اس پر خود حضور پر نور اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ ماسٹر حیدر صاحب آپ کی قلبی تکلیف کو میں عرصہ سے محسوس کر رہا ہوں، اچھا میں کل آپ کی چائے کی دعوت منظور کرتا ہوں، یہ الفاظ سنتے ہی ماسٹر صاحب نے دست بوسی کی، اور خوش خوش اپنے مکان میں چلے گئے۔ اور دوسرے روز منجملہ دیگر سواریوں کے حضور کے واسطے چار گھوڑوں کی بہترین فٹن بعد مغرب لے کر حاضر ہوئے، سب لوگ حضور کے ساتھ روانہ ہوئے جس وقت ماسٹر صاحب کی کوٹھی قریب آئی، گیس کی روشنی میں ایک سنہری کا پھاٹک تقریباً دو فرلانگ کے فصل سے لگایا تھا اس کے محاذ پر پہنچے ہی ایک گولا آواز کا چھوڑا گیا مگر حضور کو پہلے کہیں اور جانا تھا اس لیے گاڑی سیدھی نکلی ہوئی چلی گئی بقیہ جتنے حضرات تھے وہ سب پھاٹک پر اتر پڑے ہم لوگوں نے دیکھا کہ چھوٹتے ہی ایک یورپین افسر اور چند گورے بارکوں میں سے نکل آئے، اور مولانا عبدالباقی برہان الحق صاحب سے دریافت کرنے لگے، انہوں نے کچھ ایسے فرمائے، یعنی آل ورلڈ پاڈری اس نے نام پوچھا: انہوں نے حضور کا اسم مبارک بتایا، کہنے لگے: ہاں! ہم نے یہ نام سنا ہے، اور اس وقت تک اشتیاق میں کھڑا رہا جب تک حضور تشریف نہ لائے۔

ماسٹر حیدر صاحب نے پھاٹک سے کوٹھی تک سڑک پر تول کی روش بنائی تھی، اور دورویہ تریاں وغیرہ لگا کر کوٹھی کے سامنے شامیانہ وغیرہ سے آراستہ کیا تھا، جابجا بجلی کے قمقمے مختلف رنگ کے آویزاں کیے تھے، غرض کوٹھی کے وسطی وسیع کمرہ میں نہایت پر تکلف مسند پر حضور جلوہ فرما ہوئے اور بقیہ حضرات قیمتی قالینوں پر جو موزونیت کے ساتھ بچھائے گئے تھے تشریف فرما ہوئے، کوٹھی میں قلعی سبز کی تھی اور سبز ہی تیز روشنی بجلی تھی۔ مختصر یہ کہ سب مہمانوں کے سامنے مختلف اقسام کے بسکٹ کیک وغیرہ چائے کے ساتھ پیش کیے، اور اخیر میں سگریٹ پان کی تواضع کی، اور ایک بند لفافہ جس میں ایک ایک نوٹ علی قدر مراتب بطور نذر ہر ایک کا نام لکھ کر پیش کیا۔

جبل پور والوں کی عید:

غرض اٹھائیسوں رات کامل جبل پور والوں کے لیے ہر روز، روز عید، اور ہر شب، شب برات کی مثال تھی، اور اعلیٰ حضرت کے دم قدم کے برکات سے دینی و دنیوی انوار کا نزول ظاہری آنکھوں سے مشاہدہ ہوتا تھا، آخر تا کجے؟ اگر چہ جبل پور والوں کے ذوق وشوق کی حالت و دلی تمنا یہ تھی کہ اسی طرح عمر گزر بسر جائے کہ اعلیٰ حضرت کی میزبانی کا شرف ہم لوگوں کو عمر بھر نصیب ہو، مگر اعلیٰ حضرت کے ضروری مشاغل دینیہ میں بہت فرق آ گیا تھا، تصنیفات وتالیفات کا سلسلہ اگر چہ یہاں بھی جاری تھا مگر جس یکسوئی کے ساتھ بریلی شریف میں یہ خدمت ہوتی تھی یہاں زائرین کے ہجوم، بیعت ہونے والوں کے ذوق شوق، ملاقات کرنے والوں کی کثرت کی وجہ سے ناممکن تھا، اس لیے اعلیٰ حضرت نے بریلی شریف واپسی کا ارادہ ظاہر فرمادیا۔

آج وہ رات ہے، جس کی صبح کو حضور بریلی شریف مراجعت فرمانے والے ہیں۔ برہان میاں بازار سے کچھ کھلونے چینی کے، اور کچھ گڑیا پارچہ گٹا کے تحفہ بچوں کے لیے لائے۔ کسی نے عرض کیا: حضور! ان کا شمار بتوں میں ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ بچے انہیں معبود نہیں سمجھتے، بلکہ تھوڑی سی دیر میں توڑ پھوڑ کر فنا کے گھاٹ اتار دیتے ہیں، پھر فرمایا: گڑیوں میں حرج نہیں:

خود ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے ایک طاق میں گڑیا رکھی تھیں اور کچھ گھوڑے پردار بنا کر بیچ میں لٹکاتے تھے اور بایں خیال کہ کہیں حضرت نہ دیکھ لیں طاق پر پردہ پڑا رہتا تھا، ایک روز جس وقت حضور تشریف لائے اتفاق یہ ہوا کہ جھونکے سے پردہ اٹھ گیا حضور نے دیکھ کر دریافت فرمایا: اے عائشہ! ام المومنین نے عرض کیا: حضور! یہ گڑیا ہے، حضور نے گھوڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اور یہ کیا ہیں؟ ام المومنین نے عرض کیا: حضور! یہ گھوڑے ہیں، حضور نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! گھوڑے کے پر کب ہوتے ہیں؟ ام المومنین نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! میں نے سنا ہے کہ حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں پردار گھوڑے ہوتے تھے، حضور مسکرا کر خاموش ہو گئے اور کچھ نہ فرمایا۔

اب صبح نماز فجر کے بعد سے جو کچھ سامان باقی رہ گیا تھا درست کیا گیا، اہالیان جبل پور پر اداسی چھائی ہوئی تھی، جسے دیکھیے مغموم و مضمحل آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے ہوئے، دل ایسے بھرے ہوئے کہ بات کرنا دشوار، خلاصہ یہ کہ ان مجبوروں کی حالت دیکھ کر ہم لوگوں کے دل بھر آئے، مجمع دم بدم بڑھ رہا تھا۔

اس وقت حضرت عیدالاسلام جناب مولانا شاہ عبدالسلام صاحب مدظلہم الاقدس نے مبلغ ایک ہزار روپے سکہ رائج الوقت ایک سفید چنے کے قاب میں نذر کیے، اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرماتے ہوئے کہ مولانا! یہی کیا کم تھا جو آپ کو اس وقت تک صرف کیا، قبول فرمالیا۔

اس کے بعد حضور نے اپنے وظیفہ کی صندوقچی میں سے، جس میں سوائے وظیفہ کی کتاب کے اور کچھ نہیں رہتا تھا، نہ کسی چیز کے رکھنے کی گنجائش تھی، مگر اسی میں سے خادم وخادمہ ملازمین حضرات مولانا کے لیے نقود اور میوے وغیرہ، عزیزوں کیلیے طلائی زیورات اسی طرح معززین مریدین سیٹھ صاحبوں کی بچیوں بہوؤں کے لیے عطا فرمائے۔ مولوی حسنین رضا خاں صاحب، بہت ہی حیرت اور تعجب کے ساتھ یہ کہتے تھے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ زیورات کب اعلیٰ حضرت نے خریدے اور کب اس صندوقچی میں رکھے اس کے علاوہ اس صندوقچی میں تو وظیفہ کی کتابوں کے سوا کچھ جگہ بھی نہ تھی، اتنے زیور اس میں کہاں سے آ گئے، اور کیسے گنجائش ہوئی؟ واقعی یہ واقعہ جس طرح اعلیٰ حضرت کی سیر چشمی کی دلیل ہے، جود وسخا کا روشن برہان، اسی طرح بین کرامت کا پرزور ثبوت ہے۔

پھر ایک عجیب واقعہ ہوا کہ چار پانچ آدمی ہاتھوں میں لکڑیاں لیے فرش کے کنارے آ کر کھڑے ہو گئے اور سرغنہ نے تقدیم سلام کے بعد حضور سے بایں الفاظ مخاطبہ کیا۔ آپ نے مجھے پہچانا میں کون ہوں؟ حضور نے لاعلمی ظاہر کی کہنے لگا: میرا نام افتخار الحق ہے۔ پھر قاجی قاسم میاں قادری رضوی ساکن گونڈل جو حضور کی تشریف آوری جبل پور کی خبر سن کر آ گئے اور اس جلسہ میں تشریف فرما تھے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا: یہ قاسم جو سامنے بیٹھا ہے یہ پہلے میرا مرید تھا اس نے آپ سے میرے نام کفر کا فتویٰ لے کر اسے چھپوایا اور مجھے تمام کاٹھیاوار میں بدنام کیا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ میرے یہاں کسی کے نام پر فتویٰ نہیں دیا جاتا بلکہ قائل کے قول پر حکم شرعی بتایا جاتا ہے۔ کہنے لگا: خیر میں یہی دریافت کرنے آیا ہوں کہ آپ نے میری کیسے تکفیر کر دی میں سمجھنا چاہتا ہوں۔

یہ سنتے ہی مولانا شفیع احمد خاں صاحب قادری رضوی بیسلپوری نے جو امین الفتویٰ تھے اور اس سفر میں بھی افتا کے کام کے لیے حضور کے ساتھ تھے ایک جست لگائی اور بیچ میں آ کر بیٹھ گئے اور افتخار الحق کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: اگر چہ میں اس واقعہ سے خالی الذہن ہوں مجھے معلوم نہیں کہ سوال کیا تھا اور تکفیر کس قول پر ہوئی ہے مگر تمہاری تشفی کے تیار ہوں اگر مجھ سے تشفی نہ ہو پھر اعلیٰ حضرت سے مخاطبہ کرنا۔ بتایئے کس قول پر کفر کا فتویٰ ہوا ہے؟ اس پر افتخار الحق نے کہا: میرا دعویٰ یہ تھا کہ میری شان ہے لم یلد و لم یولد اور میں اب بھی کہتا ہوں کہ میری شان ہے لم یلد و لم یولد مولانا شفیع احمد خاں صاحب نے فرمایا: تمہارے اس قول کو کچھ لوگوں نے سنا اور کچھ لوگوں نے نہیں سنا، ذرا آواز سے کہیے اس پر افتخار الحق

نے کھسیانے لہجے میں اعادہ کیا، مولانا نے فرمایا: ادھر اندر تک آدمی ہیں، ذرا بلند آواز سے ایک بار اور بھی اپنا دعویٰ بیان کر دو تاکہ سب لوگ اچھی طرح سن لیں، چنانچہ تیسری مرتبہ خوب غصے میں بھر کر خوب زور سے اپنے قول کو ظاہر کیا: اس کے بعد مولانا نے حاضرین جلسہ کی طرف مخاطب ہو کر دریافت فرمایا: کیا آپ لوگوں نے اس کے قول کو سن لیا؟ مجمع سے متفقہ طور پر آواز آئی، ہاں سن لیا اس کے بعد افتخار الحق سے پوچھا: آپ مجہول النسب ہیں یعنی آپ کا کوئی باپ نہیں؟ افتخار الحق رہتکی نے کہا: ہاں! میرا کوئی باپ نہیں۔ اتفاق سے افتخار الحق کے باپ بھی دالان میں سب کے پیچھے کھڑے تھے چنانچہ مقامی حضرات میں سے ایک صاحب ان کا بازو پکڑے ہوئے اندر سے لائے اور افتخار الحق سے پوچھا کہ ہی تو بتاؤ یہ کون ہیں؟ اس پر جواب دیا کہ میں نہیں جانتا۔ یہ سن کر ان کے والد نے رانیں پیٹتے ہوئے کہا: مولانا کس کے منہ لگے ہو، یہ تو پاگل ہو گیا ہے پاگل، غرض تمام حاضرین افتخار الحق کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔

ہم لوگ رات ہی کو اسٹیشن آگئے اور وہیں قیام ہوا، یہاں بھی لوگ برابر آتے رہے، اور بیعت کا سلسلہ جاری رہا، صبح کو قریب ساتھ آٹھ بجے گاڑی روانہ ہوئی، گاڑی چلتے میں بھی لوگ دوڑ دوڑ کر مرید ہو رہے تھے، اور اکثر لوگ زار زار روتے جاتے تھے، یہاں تک کہ گاڑی کی رفتار تیز ہو گئی، اور سب لوگ منتہائے نظر تک پلیٹ فارم پر حسرت بھری نگاہوں سے ٹرین کو دیکھتے رہ گئے، مختصر یہ کہ ہم سب بخیر و عافیت ابتدائی شب میں بریلی شریف واپس آگئے۔

گنج مراد آباد کا سفر:

دبدبۂ سکندری مورخہ یکم اپریل ۱۹۱۲ء میں ہے کہ رمضان المبارک ۱۲۹۲ھ کا مبارک مہینہ ہے کہ اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس گنج مراد آباد تشریف لے گئے اور ایک جگہ قیام فرما کر اپنے دو ہمراہیوں کو (حضرت) شیخ (فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی) علیہ الرحمۃ کی خدمت مبارک میں بھیجا اور تاکید فرمادی کہ صرف اتنا کہنا: ایک شخص بریلی سے آیا ہے ملنا چاہتا ہے۔ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے معاً فرمایا: وہ یہاں کیوں آئے ہیں؟ ان کے دادا اتنے بڑے عالم، ان کے والد اتنے بڑے عالم، اور وہ خود عالم فقیر کے پاس کیا دھرا ہے؟ پھر نرم ہو کر بکمال لطف فرمایا: بلایئے تشریف لائیں۔

بعد ملاقات اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے مجلس شریف کی نسبت حضرت شیخ علیہ الرحمۃ سے استفسار کیا۔ ارشاد فرمایا: تم عالم ہو پہلے تم بتاؤ۔ اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے فرمایا: میں مستحب جانتا ہوں۔ فرمایا: آپ لوگ اسے بدعت حسنہ کہتے ہیں، اور میں سنت جانتا ہوں۔ صحابہ جو جہاد کو جاتے تھے تو کیا کہتے تھے؟ یہی نا کہ مکہ میں نبی ﷺ پیدا ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن اتارا، انھوں نے یہ معجزے دکھائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ فضائل دیے، اور میلاد شریف میں کیا ہوتا ہے؟ یہی بیان ہوتے ہیں جو صحابہ اس مجمع میں کرتے تھے۔ فرق اتنا ہے کہ تم اپنی مجلس میں لڑوا (لڈا) بانٹتے ہو، وہ اپنی مجلس میں موڑ (سر) بانٹتے تھے۔

غرض شیخ علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کو بکمال اعزاز و اکرام باصرار تام تین روز ٹھہرایا یا انتیس ماہ مبارک کو رخصت کیا جب عید سر پر آگئی، اور وقت رخصت فرش مسجد کے کنارے تک تشریف لائے۔ اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے درخواست کی کہ مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ فرمایا: تکفیر میں جلدی نہ کرنا۔ اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے دل میں یہ خیال کیا کہ میں تو ان کو کافر کہتا ہوں جو حضور ﷺ کی شان انور میں گستاخی کرتے ہیں، یہ خیال لاتے ہیں معاً حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ہاں! جو ادنیٰ حضرت گستاخی کا شان اقدس نبی ﷺ میں بکے ضرور کافر کہنا، بے شک کافر ہے۔ پھر حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ہمارا جی چاہتا ہے کہ اپنے موڑ کی ٹوپیا تمہارے موڑ پر رکھ دیں اور تمہارے موڑ کی اپنے موڑ پر دھر لیں۔ اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے براہ ادب سے سر جھکا لیا۔ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کی کلاہ مبارک اپنے سر مقدس پر رکھ لی اور اپنی کلاہ مقدس اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کے سر مبارک پر رکھ دی۔ جو آج تک بطور تبرک محفوظ رکھی گئی ہے۔